عظمت اسلام فی القرآن و بائبل

نازش شہزاد

عظمت اسلام فی القرآن و بائبل

مصنفہ

نازش شہزاد

کتاب سرائے

بیت الحکمت لاہور کا اشاعتی ادارہ

الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

انتساب

ہدیہ تشکر کے ساتھ

رب العالمین کے نام

جس نے اپنے بندوں کی راہنمائی و ہدایت کے لیے ہر دور میں
اپنے منتخب بندے اور رسول بھیجے

(آمین)

بیاد
پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ
۱۹۴۷-۲۰۰۹

جملہ حقوق محفوظ

۱۴۳۳ ہجری ۲۰۱۲ء

نام کتاب : عظمت اسلام فی القرآن و بائبل

مصنفہ : نازش شہزاد

اہتمام : بیت الحکمت، لاہور

مطبع : میٹرو پرنٹرز، لاہور

ڈسٹری بیوٹرز

فضلی بک سپر مارکیٹ
اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون:32212991-32629724

کتاب سرائے
پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون:37320318 فیکس:37239884
ای میل:kitabsaray@hotmail.com

ترتیب

- عرضِ مصنف ۱۱
- ہم پر کفار کی کتابوں کا تعارف حاصل کرنا کیوں ضروری ہے؟ ۱۳
- کرسمس اور بڑا دِن ۱۳
- کرسمس کی حقیقت تاریخ کے آئینے میں ۱۶
- کرسمس کی تاریخ ۱۶
- جرمن میں کرسمس ۱۸
- کاروبار کا آغاز ۱۹
- 25 دسمبر کو کرسمس کیسے منایا جانے لگا ۲۰
- کرسمس کی رسمیں ۲۱
- کرسمس ٹری ۲۲
- کرسمس ٹری کا جنگل ۲۵
- سانتا کلاز ۲۷
- سانتا کلاز یا کرسمس بابا ۲۸

- ہم پر کفار کے تہواروں کا تعارف حاصل کرنا کیوں ضروری ہے؟ ۲۹

باب نمبر ا:

بانی عیسائیت

- عیسائیت کی تعریف ۳۳
- پولُس کا تعارف ۳۵
- پولُس کی تعلیمات کا مآخذ ۳۶
- پولُس کی تعلیمات ۳۸
- عقیدہ تثلیث ۳۸
- عقیدہ کفارہ ۴۱
- شریعت کے متعلق پولُس کے نظریات ۴۴
- حلال وحرام کے بارے میں پولُس کے نظریات ۴۶
- عشاء ربانی ۴۷
- ختنہ کی منسوخی ۴۷
- پولُس کے عیسیٰ علیہ السلام اور کتاب مقدس کی تعلیمات سے کچھ مزید اختلافات ... ۴۸
- پولُس کا جھوٹ ۵۰
- شیطان کا قاصد ۵۲
- پولُس کی مخالفت ۵۳
- پولُس کی کامیابی کے اسباب ۵۸

- پولُس کے عیسائیت کے بانی ہونے کے بارے میں عیسائی علما کا اعتراف ۶۲

باب نمبر۲:

عقیدہ تثلیث

- تثلیث فی التوحید ۶۵
- عہد نامہ قدیم اور توحید ۶۶
- عقیدہ تثلیث عہد نامہ جدید کی روشنی میں ۷۵
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام حواریوں اور اپنے دور کے لوگوں کی نظر میں ۸۳
- عقیدہ تثلیث کے مخالف عقلی دلائل ۸۴

باب نمبر۳:

عقیدہ کفارہ

- عقیدہ کفارہ سے متعلق کتابِ مقدس کی تعلیمات ۱۰۱
- نجات/توبہ کا تصور ۱۰۹
- توبہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نظر میں ۱۱۴
- عہد نامہ جدید کی روشنی میں عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پانے اور پھر زندہ ہونے کا تجزیہ .. ۱۲۱
- عقیدہ کفارہ کے خلاف عقلی دلائل ۱۳۶

باب نمبر۴:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب مقدس میں بشارت

- بشارت نمبر 1 .... ۱۴۴

- بشارت نمبر 2 .... ۱۵۰
- بشارت نمبر 3 .... ۱۵۱
- بشارت نمبر 4 .... ۱۵۶
- بشارت نمبر 5 .... ۱۵۷
- بشارت نمبر 6 .... ۱۵۹
- بشارت نمبر 7 .... ۱۶۶
- بشارت نمبر 8 .... ۱۶۷
- بشارت نمبر 9 .... ۱۶۸
- بشارت نمبر 10 .... ۱۷۴
- بشارت نمبر 11 .... ۱۷۵
- بشارت نمبر 12 .... ۱۷۸
- بشارت نمبر 13 .... ۱۸۱
- بشارت نمبر 14 .... ۱۸۲
- بشارت نمبر 15 .... ۱۸۴
- بشارت نمبر 16 .... ۱۸۷
- بشارت نمبر 17 .... ۱۸۹
- پہلی دلیل ۱۹۲
- دوسری دلیل ۱۹۲

■ تیسری دلیل ۱۹۳

■ چوتھی دلیل ۱۹۳

■ پانچویں دلیل ۱۹۳

■ چھٹی دلیل ۱۹۳

■ ساتویں دلیل ۱۹۴

■ آٹھویں دلیل ۱۹۵

■ نویں دلیل ۱۹۵

■ دسویں دلیل ۱۹۶

■ گیارہویں دلیل ۱۹۶

■ بارہویں دلیل ۱۹۷

■ تیرہویں دلیل ۱۹۸

■ چودہویں دلیل ۱۹۹

● انجیل برناباس سے بشارت کی مثال ۱۹۹

● بحیرا راہب کا حضرت محمدؐ کی تصدیق کا واقعہ ۲۰۱

● ورقہ بن نوفل کا حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کا واقعہ ۲۰۲

● نجاشی۔شاہ حبشہ کا نبی کریم ﷺ کی تصدیق کا واقعہ ۲۰۳

● حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ ۲۰۳

● (شاہ روم) ہرقل کے نبی کریم ﷺ کی تصدیق کا واقعہ ۲۰۴

● عیسائی قوم کا نبی کریم ﷺ سے مباہلہ سے انکار ۲۰۴

باب نمبر ۵:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن وحدیث کی روشنی میں

● عقیدہ تثلیث کی تردید ۲۱۸
● حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب سے عقیدہ تثلیث کی تردید ۲۲۴
● حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بطور نبی معجزات ۲۲۸
● حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی حضرت محمد ﷺ کی بشارت ۲۳۱
● حضرت عیسیٰ کا عروجِ آسمانی ۲۳۳
● حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کی فضیلت ۲۳۵
● حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی قیامت کی علامات میں سے ہے ۲۳۶

عرضِ مصنف

بائبل اور دیگر کتب کے مطالعے سے یہ بات بہت زیادہ واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ موجودہ عیسائیت کی تعلیمات کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہیں بلکہ پولس (St. Paul) نے رکھی اور اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے منسوب کر دیا۔ اس کتاب میں حتی الامکان اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ الفاظ کا آسان استعمال ہو اور کوئی بات حوالے کے بغیر نہ ہو تا کہ عام قاری کو با آسانی سمجھ آئے۔

اس کتاب کو لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ عیسائی بہن بھائیوں پر کتاب مقدس کی روشنی میں یہ بات واضح کی جائے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیائے کرام علیہ السلام کی تعلیمات سے اتنے دور ہیں کہ ان کے بالکل برعکس تعلیمات پر عمل کر رہے ہیں اور دوسرا یہ کہ آپ سب کو اس دین کی طرف بلایا جائے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت تمام انبیائے کرام علیہ السلام کا دین ہے اور جس کا ثبوت یہ ہے کہ تمام انبیاء اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دی تھی۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔" (صحیح بخاری حدیث نمبر 13)

الحمد اللہ میں مسلمان ہوں اور اس کتاب کو لکھنے کا مقصد آپ کو اس دین کی طرف بلانا بھی ہے جو مجھے خود اپنے لیے بھی پسند ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو قبول فرمائے اور اپنی رحمت سے اسے اپنے بندوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ اس کتاب کے

لکھنے میں جن لوگوں نے تعاون کیا ہے میں ان سب کی شکرگزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس تعاون کے لیے اجرِ عظیم عطا فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کی ہدایت اور اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور عالم اسلام اور ہمارے ملک کے حالات بہتر فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

نازش شہزاد

6اپریل 2009

ہم پر کفار کی کتابوں کا تعارف حاصل کرنا کیوں ضروری ہے؟

میں اس وقت اس ایک کتاب ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کتاب بنام ''عظمتِ اسلام فی القرآن و بائبل'' مجھے پڑھنے کا موقع ملا جس میں مصنفہ نے بائبل اور قرآن کے مطابق حقانیت اسلام پر بحث کی ہے جو ہر مسلمان کو کرنی چاہیے اس بات بہت خوش ہوں کہ مصنفہ نے یہ حق ادا کیا اللہ تعالیٰ اس کو مزید مدد دے اور راہنمائی فراہم کرے۔ (آمین)

کرسمس اور بڑا دِن

عیسائیوں کے ہاں ۲۵ دسمبر کا دن بہت اہم ہے۔ اس دن یہ اپنا سب سے بڑا تہوار ''کرسمس'' مناتے ہیں۔ اس دن ان کے ہاں نئے کپڑے، نئے سامان، زیب و زینت اور بچوں کے تحفوں کا اہتمام ہوتا ہے۔ کرسمس کو عیسائی حضرات دراصل یوم ولادتِ مسیح کے طور پر مناتے ہیں۔ یہ دن ان کے ہاں ''یوم میلاد المسیح'' ہے۔ ہماری عید کی طرح کرسمس بھی ان کے ہاں بے حد خوشی و شادمانی کا دن مانا جاتا ہے۔ اس دن عقیدت میں ان کے ہاں شراب کو بھی پانی کی طرح پیا جاتا ہے۔ (ہم نے بھی عید کے دن شراب کو حلال سمجھ لیا ہے)۔

لیکن کرسمس کا آغاز کس طرح ہوا، اس کے پیچھے کیا کہانی ہے، یہ ایک دلچسپ اور علمی موضوع ہے اور مذاہب عالم کا مطالعہ کرنے والوں کو اس سے ضرور واقف ہونا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے کم از کم تین سو سالوں تک عیسائیوں میں یہ تہوار نہیں منایا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ روم کا بادشاہ کونسٹنٹائن تھا جس نے اپنے دور میں اس تہوار کو ایجاد کیا۔ اس وقت تک تمام رومی سلطنت میں ستارہ پرستی، سورج پرستی اور بت پرستی عام تھی۔ یہی ان لوگوں کا مذہب تھا۔ اس لیے شاہ کونسٹنٹائن نے اپنی سلطنت کے بت پرست عوام کو عیسائیت کے قریب لانے کی خاطر کرسمس یا عید میلاد المسیح کو ایجاد کیا۔ سورج پرست

اقوام میں (اور اس وقت دنیا کی بیشتر قومیں سورج وستارہ پرست ہوا کرتی تھیں)، سال میں ایک دفعہ سورج دیوتا کا دن ضرور منایا جاتا تھا اور یہ ٹھیک ۲۵ دسمبر ہی کا دن ہوتا تھا۔ سورج پرست قوموں کا خیال تھا کہ اس تاریخ کو سورج دیوتا نے دنیا میں جنم لیا تھا۔ اس تہوار کو اہل بابل، اہل عرب اور اہل ایران کے سورج دیوتا کا نام ''متھرا'' تھا۔ شاہ کونسٹنٹائن اور اس دور کے اہل کلیسا نے طے کیا کہ بت پرستوں کے تہوار کے مقابلے میں عیسائیوں کا بھی ایک تہوار ہونا چاہیے۔ لہٰذا انھوں نے سورج دیوتا کی پیدائش کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے ساتھ منسوب کر دیا تاکہ بت پرست جشن بھی مناتے رہیں اور ان کا رخ دیوتا سے ہٹ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہو جائے۔ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کے لحاظ سے کوئی ذکر موجود نہیں ہے اس لیے اس تاریخ کو فی الواقع مذہبی ماننا حماقت ہے۔ پہلے یہ دن عیسائیوں میں 6 جنوری کو منایا جاتا تھا جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بپتسمہ دیا گیا یعنی انھیں BAPTISE کیا گیا تھا۔ بعد میں پادریوں نے اسے بدل کر 25 دسمبر کر دیا۔ ممتاز سائنس داں جیمز جارج فریزر (Frazer) نے لکھا ہے کہ چرچ نے 25 دسمبر کو کرسمس منانے کا فیصلہ رومی مشرکوں کو عیسائیت میں داخل کرنے کے لیے کیا تھا۔ درحقیقت عیسائیت کے بیشتر عقائد کا پس منظر مشرکانہ ہے جس کا آغاز سینٹ پال نے کیا تھا۔ یہودی نژاد اس شخص نے بعد میں (منافقت کے طور پر؟) عیسائیت قبول کر کے اسے زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کے لیے اس میں بے شمار مشرکانہ اور بت پرستانہ عقائد داخل کر دیئے جب کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات کو مذہب سے بالکل بے دخل کر دیا۔ نہ جانے اس نے یہ کام دانستہ طور پر یہودی سازش کے طور پر کیا تھا کیونکہ اس زمانے میں عیسائی یہودیوں کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے تھے یا اس نے یہ تمام تبدیلیاں جوش عقیدت میں کی تھیں؟ اسلام میں بھی بے شمار تبدیلیاں محض جوش عقیدت کی بنیاد پر کی گئی ہیں۔ بقول ایک اہم عیسائی مفکر کے کہ ''مشرکانہ مذہب میں عیسائی عقائد داخل کرنے کی بجائے خود عیسائیت میں 'مشرکانہ عقائد' کو داخل کر دیا گیا۔''

اصل عیسائی تعلیمات کو برباد کرنے میں دو اہم شخصیتوں کا کردار بہت اہم ہے۔ اول سینٹ پال جس نے اصل عقائد مسخ کر کے بالکل نئے عقائد عیسائیت میں داخل کر دیئے یعنی کفار کا عقیدہ تثلیث کا نظریہ، خدا کے بیٹے کا نظریہ، ختنے کی سنت کا خاتمہ، ایسٹر کی ایجاد اور مصلوب کیے جانے کا عقیدہ۔ دوسری شخصیت رومی شہنشاہ کونسٹنٹائن کی ہے جس نے عیسائیت قبول کر لی تھی جس کے باعث عیسائیت کو بے حد فروغ حاصل ہوا۔ اس کے دور تک کئی ایسی انجیلیں موجود تھیں اور ان کا باقاعدہ مطالعہ کیا جاتا تھا جن میں بڑی حد تک صحیح مواد موجود تھا۔ انہی میں سے ایک انجیل برناباس تھی لیکن اس بادشاہ نے بت پرستانہ عقائد کی خاطر چار ملاوٹ شدہ انجیلیں بزورِ حکم قابلِ مطالعہ قرار دیں اور باقی تمام انجیلوں کو جلا دینے کا حکم دیا۔ اس طرح دنیا سے صحیح عقائد والی انجیلیں غائب ہوگئیں۔ البتہ گزشتہ چار پانچ سو سالوں سے انجیل برناباس برآمد ہوگئی ہے جو آج بھی مارکیٹوں میں مل جاتی ہے۔

کرسمس میں جو درخت لگایا اور سجایا جاتا ہے اس کے بارے میں اگرچہ کوئی مستند روایت تو موجود نہیں البتہ ضعیف عیسائی روایات کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ یہ وہی درخت ہے جس کے قریب جانے کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو منع کیا تھا۔

اسی طرح کرسمس میں علامتی طور پر ستارے بھی ٹانکے جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں عیسائی روایتیں بتاتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر آسمان میں ایک روشن ستارہ نمودار ہوا تھا۔ کرسمس کا آج کا ستارہ اسی ستارے کی علامت کے طور پر بنایا اور سجایا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک عیسائیت بڑی حد تک اپنی اصل شکل میں موجود تھی جس کا ثبوت ورقہ بن نوفل ہیں جنھوں نے نبوت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی اپنی صحیفوں کی بنیاد پر پیشین گوئی کر دی تھی۔ نیز ہمیں سیدنا سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے واقعے سے بھی عیسائی درست تعلیمات کی موجودگی کا پتہ لگتا ہے جبکہ انھیں تین یا چار پادریوں نے مدینے میں ایک خاتم النبیین کے آنے کی پیشگوئی کی تھی۔ بدقسمتی سے آج کے دور میں اس وقت تک کی موجود صحیح عیسائی تعلیمات اب عیسائی دنیا میں کہیں موجود

نہیں ہیں!

کرسمس یا عید میلاد مسیح دراصل ایک غیر مستند تہوار اور بعد کے دور کی ایجاد ہے جس کا اصل عیسوی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر ایک طرف عیسائی اپنے پیغمبر کا یوم پیدائش دھوم دھڑکے اور جشن کے ساتھ منائیں اور دوسری جانب یہودیوں کے ساتھی ہو کر ساری دنیا کا خون اپنے لیے حلال کر لیں تو اس کی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کب دی تھی؟ جشن ولادت منانا اور الہامی تعلیمات کو مسل دینا، دو متضاد رویے ہیں جس پر عیسائی اور مسلم دونوں حضرات کو غور کرنا چاہیے۔

کرسمس کی حقیقت تاریخ کے آئینے میں

دنیا بھر کے عیسائیوں کے ہاں 25 دسمبر کے روز کرسمس کا تہوار منایا جاتا ہے۔ پاکستان میں اس دن کو اُردو زبان میں ''بڑا دن'' اور پنجابی میں ''وڈا دن'' کہا جاتا ہے اگرچہ یہ دن نظام شمسی کے لحاظ سے سال بھر کے چھوٹے دنوں میں سے ایک ہے لیکن اسے ''بڑا'' دن کہا جاتا ہے۔ دنیا بھر کے عیسائی اس دن کرسمس کی چھٹی کرتے ہیں اور دیکھا دیکھی مسلمان بھی۔

کرسمس کی تاریخ

کرسمس، متعدد روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے صدیوں پہلے سے منائی جاتی رہی ہے۔ کرسمس کے 12 دن آگ روشن کی جاتی تھی، جلانے کی لکڑی تحفے میں دینے کا رواج عام تھا۔ ترانہ کرسمس بھی گھر گھر گایا جاتا تھا۔ مقدس دن کے میلوں اور چرچ کے جلوسوں کو ابتدائی طور پر میسو پوٹامینز سے جوڑا جا سکتا ہے جو کرسمس مناتے تھے۔ میسو پوٹامینز کئی خداؤں پر یقین رکھتے تھے، ان کا ایک چیف گارڈ یعنی سردار خدا ہوتا تھا۔ جو مدارک کہلاتا تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ مدارک بدنظمی کے عفریت سے جنگ کرتا ہے اور اس جدوجہد میں مدارک کا ساتھ دینے کے لیے میسو پوٹامینز نئے سال کی تقریبات کا انعقاد ہر سال موسم سرما میں کرتے تھے۔ زگ موک نامی یہ تہوار جو نئے سال کی آمد کی خوشی میں 12 دنوں تک منایا جاتا تھا اب کرسمس کے نام سے منایا جاتا ہے۔ اس وقت لوگوں کا عقیدہ تھا کہ

میسوپوٹامیز بادشاہ مدارک کی خانقاہ کی طرف واپس آ کر اللہ پر اپنے یقین کی قسم اٹھائیں گے۔ روایت کے مطابق سال کے اختتام پر بادشاہ مرتا ہے اور جنگ میں شریک ہونے کے لیے مردوک کا ساتھ دیتا ہے اپنے بادشاہ کے مرنے کے بعد میسوپوٹامیز ''ماک'' بادشاہ کا تصور استعمال کرتے تھے ایک مجرم کا انتخاب کیا جاتا اور اسے شاہی لباس پہنا کر ایک حقیقی بادشاہ جیسی عزت اوراحترام دیا جاتا تھا۔ تہوار کے اختتام پر ''ماک'' بادشاہ سے شاہی لباس اتار کر اسے قتل کرتے تھے۔ رومن اپنے خدا ''سیٹرن'' کا جشن مناتے تھے۔ ان کا تہوار یشوریلیا کہلاتا اور یہ دسمبر کے وسط سے شروع ہو کر یکم جنوری تک جاری رہتا۔ مختلف بہروپ بدل کر گلیوں میں گھومنا، دوستوں سے ملاقات اور تحائف کے تبادلے اس تہوار میں شامل ہوتے تھے۔ رومن اپنے گھروں کو پھولوں اور سرسبز درختوں سے سجاتے جن میں موم بتیاں روشن کی جاتی تھیں۔ آقا و غلام اپنی جگہ تبدیل کرتے تھے۔ جو یشوریلیا رومیوں کے لیے ایک تفریح ہوا کرتی تھی لیکن عیسائی اس تہوار کو تفریح سمجھ کر نہیں مناتے تھے۔ جیسے جیسے عیسائیت پھیلتی گئی ان کی تقریبات میں بھی رومیوں کی طرح کی رسمیں فروغ پانے لگیں۔ پہلے تو چرچ نے اس قسم کی تقریبات کو منانے سے منع کیا لیکن چرچ کی ہدایت لاحاصل رہی اور بالآخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ تہوار خدا کے بیٹے کے تہوار کی حیثیت سے منائے جائیں گے۔ 25 دسمبر کی تاریخ نہ صرف رومیوں کے لیے مقدس تھی بلکہ فارسیوں کے لیے بھی جس کا مذہب اس وقت عیسائیت کا اہم حریف تھا آخرکار چرچ نے رومیوں کے جشن روشنیوں اور تحائف کو تقریبات کرسمس میں شامل کر لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو عیسائی خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں کی تاریخ پیدائش صحیح طور پر کسی کو بھی نہیں معلوم۔ روایات سے یہ بات اخذ کی جاتی ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدائش کا جشن 98 عیسوی سے منایا جاتا ہے۔ 137 عیسوی میں روم کے بشپ نے حکم دیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سالگرہ کو بطور مذہبی رسم منایا جائے گا۔ 350 عیسوی میں ایک بشپ نے 25 دسمبر کو کرسمس کے لیے منتخب کیا۔ دسمبر کے آغاز کے ساتھ ہی مذہبی رسومات شروع کر دی جاتیں چرچ میں خصوصی عبادتیں ہوتیں بعض گرجا گھروں میں

کرسمس کے ترانے گائے جاتے۔

جرمن میں کرسمس

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کرسمس دو لفظ Cristes اور Maesse کا مرکب ہے۔ اس تہوار کا آغاز روم میں 336 عیسوی میں ہوا، ان دنوں گرجا گھر اور تخت میں بڑا ''اتفاق'' ہوتا تھا، بادشاہوں کو اپنے غیر قانونی، غیر اخلاقی اور غیر شرعی احکام کی تصدیق کے لیے چرچ کی مدد درکار ہوتی تھی۔ پادری بھی بادشاہ کے ایماء پر ایسے ایسے احکام جاری کرتے تھے کہ آج کا انسان سنے تو اس کے لیے ہنسی روکنا مشکل ہو جائے۔ بہر حال کرسمس کے تہوار کو پادریوں نے دربار تک پہنچایا، یا پھر بادشاہوں نے پادریوں کو اس کی سرپرستی کا حکم دیا، تاریخ اس کے بارے میں تو خاموش ہے لیکن یہ بات طے ہے یہ تہوار دو تین برسوں ہی میں سرکاری سرپرستی میں چلا گیا۔ روم میں اس روز سرکاری تعطیل ہوتی، شاہی خزانے سے ہزاروں موم بتیاں خریدی جاتیں اور یہ موم بتیاں پھر تمام گرجا گھروں میں جلا دی جاتی، گو اس وقت تک یہ طے نہیں ہوا تھا کہ واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام 25 دسمبر ہی کو پیدا ہوئے تھے لیکن اس اختلاف کے باوجود رومی کرسمس کا تہوار 25 دسمبر کو مناتے تھے۔

روم کے بعد جرمنی دوسرا علاقہ تھا جس میں کرسمس منائی جانے لگی، وہاں بھی اس تہوار کو سرکاری تقریب کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اس زمانے میں جرمنی کسی خاص ملک یا سلطنت کا نام نہیں تھا، یہ رومی سلطنت کا ایک مفتوحہ علاقہ تھا جس میں چھوٹے چھوٹے سرداروں کی حکومت تھی، ان لوگوں کے رہن سہن میں رومی ثقافت کی جھلک نظر آتی تھی، یہ سردار ابتداء کرسمس کا تہوار منانے روم جاتے تھے، واپس آ کر جب اپنے درباریوں کو واقعات سناتے تو وہ حیرت کا اظہار کرتے۔ بعد ازاں کوئی ایک جرمن سردار بیماری کے باعث کسی کرسمس پر روم نہ جا سکا تو اس نے مقامی سطح پر کرسمس کا اہتمام کیا، اس دن کے بعد تمام جرمن قبائل اپنے اپنے قبیلے میں کرسمس منانے لگے۔ یوں روم کے بعد اس خطے میں بھی کرسمس منائی جانے لگی۔ جسے آج کی دنیا جرمنی کا نام دیتی ہے۔

کاروبار کا آغاز

تاریخ بتاتی ہے کہ چوتھی صدی عیسوی تک دنیا میں کرسمس کا نام ونشان نہیں تھا۔ عیسائی اتوار کے دن گرجا گھروں میں عبادت تو کرتے تھے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم ولادت منانے کا تصور بھی مسیحی مذہب میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ چوتھی صدی کے شروع میں دنیا میں ایک عجیب واقعہ ہوا، روم شہر میں مشعلیں بنانے والے ایک کاریگر نے ایک ایسی مشعل بنالی جس میں تیل نہیں ڈالنا پڑتا تھا، اس مشعل کو سیدھا کھڑا کر کے اس کے فیتے کو آگ لگا دی جاتی اور یہ گھنٹوں جلتی رہتی تھی۔ یہ مشعل ایک دلچسپ ایجاد تھی، دیکھتے ہی دیکھتے مشعل ساز نوجوان امیر ہوگیا، اس کی بنائی مشعلیں دربار میں جلنے لگیں۔ یہ مشعل آگے چل کر کینڈل یا موم بتی کہلائی۔ اس زمانے میں موم بتیاں صرف شاہی خاندان تک محدود تھیں، عام لوگ انھیں خرید سکتے تھے اور نہ ہی روز جلا سکتے تھے لیکن موم بتی ایجاد کرنے والا نوجوان اس کی وسیع فروخت کا خواہاں تھا، وہ چاہتا تھا کہ اس کی ایجاد دنیا بھر میں خوب پھولے پھلے، لوگ اسے خریدیں بھی اور جلائیں بھی۔ اس کے حلقۂ احباب میں روم شہر کا ایک پادری بھی شامل تھا، ایک دن اس نوجوان نے اپنے پادری دوست کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا، پادری ایک سمجھ دار اور زندہ دل شخص تھا، اس نے اسے سمجھایا: ''دنیا میں جو چیز مذہب کے ساتھ وابستہ ہو جائے اسے دوام مل جاتا ہے، تم کسی طریقے سے گرجا گھر سے موم بتی کا رشتہ قائم کر دو، پھر دیکھو تمھاری ایجاد کس طرح دنیا میں پھیلتی ہے۔'' آئیڈیا اچھا تھا نوجوان چند روز تک سوچتا رہا، ایک روز پادری اس کی دکان پر آیا تو نوجوان نے اس کے کان پر جھک کر سرگوشی کی، پادری کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ وہ اتوار کا دن اور 25 دسمبر تھا، اس روز پادری نے ''سروس'' کے دوران ایک عجیب وغریب اعلان کیا۔ اس نے حاضرین سے درخواست کی: ''آپ تمام خواتین و حضرات سورج ڈوبنے کے بعد دوبارہ چرچ آئیں، چرچ میں ایسے خصوصی طریقے سے دعا مانگی جائے گی جو مکمل ہونے سے پہلے ہی قبول ہو جائے گی۔'' لوگوں نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، لیکن قصبے میں کیونکہ پادری کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا چنانچہ

لوگ شام کو چرچ میں جمع ہو گئے، جب خوب اندھیرا پھیل گیا تو پادری نے تمام حاضرین کے سامنے ایک ایک موم بتی جلائی اور لوگوں سے آنکھیں بند کر کے دعا کرنے کی درخواست کی، یہ دعا گھنٹہ بھر چلتی رہی، دعا کے بعد جب لوگوں کی واپسی شروع ہوئی تو ان کے ہونٹوں پر اس نئے طریقے کی دعا کی قبولیت کا چرچا تھا۔ یہ 336ء کا 25 دسمبر تھا۔

25 دسمبر کو کرسمس کیسے منایا جانے لگا

محترم نادر عقیل انصاری کی تحقیق کے مطابق تیسری صدی عیسوی کے عیسائی ماہرین تقویم کے نزدیک دنیا کی تخلیق مارچ کی 23 تاریخ کو ہوئی تھی۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش عیسائیوں کے لیے تخلیق عالم سے کم اہم واقعہ نہیں ہے، لہٰذا ان کا قیاس تھا کہ ان کی تاریخ پیدائش بھی 23 مارچ ہی ہونی چاہیے۔ گو تاریخ سے یقینی طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ تہوار پہلی مرتبہ کس سن میں منایا گیا لیکن 336ء میں روم میں اس تہوار کا سراغ ملتا ہے اور یہ اس سلسلے کی قدیم ترین تاریخی شہادت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رومی حکمران کانسٹنٹائن نے کرسمس کے تہوار کی بنیاد رکھی۔ اصل میں روم کے عیسائی علماء نے تجویز کیا کہ مقامی بت پرستوں کے مقابلے میں عیسائیوں کی شناخت کے لیے بھی ایک تہوار ہونا چاہیے۔ چونکہ روم کے مشرکین 6 جنوری کو اپنے ایک دیوتا کے احترام میں تہوار مناتے تھے، لہٰذا عیسائیوں نے بھی یہی تاریخ اپنے مقدس دن کے لیے منتخب کی۔ ابتداء میں مشرق کی تمام عیسائی دنیا کرسمس کا تہوار 6 جنوری کو مناتی تھی، لیکن یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بجائے ان کے بپتسمہ دیئے جانے کی خوشی میں منایا جاتا تھا۔ البتہ یروشلم میں 6 جنوری کا تہوار ان کی ولادت کی یاد دلانے ہی کے لیے منایا جاتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اکثر عیسائی مکاتب فکر نے یہ تہوار 25 دسمبر کو منانے پر اتفاق کر لیا۔ اس تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ 25 دسمبر روم میں سورج دیوتا کے ظہور کا دن تصور کیا جاتا تھا۔ ان کا مشاہدہ تھا کہ 25 دسمبر کے بعد دن طویل ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور سورج کا ظہور نمایاں سے نمایاں تر ہوتا جاتا ہے۔ نیز یہ سال کی ابتداء کی نوید بھی دیتا ہے۔ قدیم مصری بھی اس تاریخ کو سورج کی پیدائش کے

حوالے سے ایک نوزائیدہ بچے کی تصویر یا بت کی نمائش کر کے مناتے تھے۔ شروع کے زمانے میں عیسائی متکلمین کے ذہن میں اس معاملے میں کوئی اشتباہ نہیں تھا کہ 25 دسمبر کی تاریخ کا انتخاب مشرکین (Pagans) سے متاثر ہو کر کیا گیا ہے اور اسی لیے آگسٹائن (Saint Augustine) لوگوں کو سمجھاتا نظر آتا ہے کہ 25 دسمبر کو سورج دیوتا کے بجائے اس ذات کی شان میں منایا جانا چاہیے جس نے سورج کو پیدا کیا۔ مشہور ماہر علم البشریات سر جیمز جارج فریزر (Frazer Sir James George) نے اپنی کتاب "شاخ زریں" (The Golden Bough) میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ چرچ نے 25 دسمبر کو کرسمس منانے کا فیصلہ اس لیے کیا، تاکہ وہ مشرک جو نئے نئے عیسائی ہوئے تھے، ان کی مذہبی عقیدت کو سورج دیوتا سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کی طرف منتقل کیا جا سکے اور تبدیلی مذہب کی راہ ہموار کی جا سکے۔ بہر حال ان وجوہ کی بنا پر روم اور مصر میں کرسمس 25 دسمبر کو منایا جانے لگا۔ یروشلم کے مذہبی حلقوں نے کافی عرصے تک 6 جنوری کی تاریخ پر اصرار کیا لیکن بالآخر پانچویں صدی عیسوی میں اکثریت کی رائے اختیار کر لی۔ البتہ آرمینیائی چرچ نے پرانا مسلک اختیار کیے رکھا اور وہاں آج بھی عید میلاد مسیح، یعنی کرسمس 6 جنوری ہی کو منائی جاتی ہے۔

کرسمس کی رسمیں

چونکہ کرسمس کا خمیر یورپی مشرکین کے مذہبی تہواروں سے اٹھا تھا، اس لیے عیسائیوں نے اس میں بہت سی قدیم رسومات کو معمولی تغیر کے ساتھ اختیار کر لیا۔ ایک قدیم رومی تہوار سٹیرنیلا (Saturnala) 17 دسمبر کو منایا جاتا تھا۔ اس موقع پر خوشی منانے اور تحفے تحائف کے تبادلے کی روایت کو کرسمس کی رسم کے طور پر اختیار کر لیا گیا۔ 25 دسمبر ایرانی دیوتا متھرا کا یوم پیدائش تھا۔ رومیوں کا سال نو یعنی یکم جنوری بھی گھروں پر چراغاں اور مستحقین میں خیرات تقسیم کر کے منایا جاتا تھا۔ ان کو بھی عیسائی تہوار کا حصہ بنا لیا گیا۔ کرسمس کے درخت (Christmas Tree) اور کیک وغیرہ کی روایت جرمنی کے قدیم قبائل سے مستعار لی گئی۔ سدا بہار درختوں کی شاخوں سے گھروں کو مزین کرنا اور آگ روشن کرنا، حیات

جاوداں اور زندگی کی حرارت کی علامت کے طور موسم سرما کے تمام یورپی تہواروں کا حصہ رہے ہیں۔ چنانچہ عیسائیوں نے بھی انھیں رفتہ رفتہ کرسمس کی مذہبی رسومات کا حصہ بنا لیا۔ تاہم کرسمس کے درخت کے بارے میں بعض عیسائی علما کا خیال ہے کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کی گم گشتہ جنت کے اس درخت کی علامت ہے جس کے قریب جانے سے انھیں روکا گیا تھا۔

اسی طرح پہلا کرسمس کارڈ 1843ء میں برطانیہ میں ایک شخص (J.C. Horslely) نے اپنے دوست سر ہنری (Sir Henry Cole) کے لیے بنایا۔ اس کے بعد سے اپنے اعزہ و اقارب کو کرسمس کارڈ بھیجنا عیسائی روایت بن گیا اور اب ہر سال کروڑوں ڈالر کے کارڈ بھیجے جاتے ہیں۔ مسلمانوں میں عید کارڈ بھیجنے کا رواج بھی اسی رسم کی پیروی کا نتیجہ ہے۔

کرسمس ٹری

اس بات پر سب ہی متفق ہیں کہ کرسمس کے موقع پر کرسمس ٹری کی روایت جرمنی سے آئی دنیا کا پہلا کرسمس ٹری ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں کرسمس کا حصہ بنا واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک برطانوی راہب جرمنی میں ایک قصبے کو عیسائیت کی تبلیغ کے دوران درس دے رہا تھا اسی دوران اس نے شاہ بلوط کے ایک درخت کو یہ ظاہر کرنے کے لیے گرا دیا کہ یہ مقدس نہیں ہے، اس درخت کے برابر میں صنوبر کا ایک درخت تھا شاہ بلوط کا درخت جب گرا تو اتفاق سے صنوبر کا چھوٹا سا درخت اس سے بچ گیا راہب نے اس اتفاق کو معجزہ قرار دیتے ہوئے اس درخت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درخت کا نام دے دیا کرسمس کے روز صنوبر کے اس درخت کو تقریب کا حصہ بنا دیا گیا اور پھر سترھویں صدی عیسوی تک جرمنوں نے کرسمس ٹری کی اس روایت کو پورے یورپ میں پھیلا دیا۔ امریکہ میں 20 دسمبر 1821ء کو درخت کرسمس کا حصہ بنا۔ جرمنی اور ہمسایہ ممالک میں لوگ اس درخت کو اپنے گھروں میں نمایاں مقام پر نصب کرتے تھے اس کو رنگین کاغذوں، چھوٹے کھلونوں، کھانے پینے کی چیزوں اور موم بتیوں سے سجایا جاتا۔ جب لوگ دیگر ممالک کی طرف ہجرت کرتے تو وہ اپنے ساتھ درخت سجانے کی یہ

۱۰۲۸۹۸

روایت وہاں منتقل کرتے۔ اگرچہ ابتدائی زمانے میں درخت کو سجانے کے لیے مختلف چیزیں استعمال ہوتی تھیں لیکن انیسویں صدی میں کرسمس کے درخت کو رسیوں کارڈز، تصاویر، روئی (تاکہ درخت برف کا بنا نظر آ سکے) اور مختلف سائز اور شکل کی ٹافیوں وغیرہ سے سجانے لگے بعض اوقات موم بتیاں بھی اس سجاوٹ کا حصہ ہوتی تھیں لیکن آگ لگنے کے خدشے کے پیش نظر لوگ اس سے گریز کرتے تھے، بعدازاں برقی قمقموں سے یہ کمی پوری کر دی گئی ابتدائی زمانے میں درخت کو سجانے کے لیے ہاتھوں سے بنا ہوا سامان استعمال ہوتا تھا جو کافی مہنگا پڑتا تھا۔

کرسمس کے درخت کو سجانے کے لیے امریکہ میں ''پاپ کارن'' بھی متعارف کرایا گیا، 1800ء میں شائع ہونے والی ایک کتاب ''گڈیز لیڈیز بک'' میں گھریلو خواتین کو کرسمس درخت کو سجانے کے لیے گھر پر سامان تیار کرنے کے طریقے بتائے گئے تھے۔

1850ء میں ایک جرمنی کمپنی نے کرسمس کے درخت کے لیے شیشے کے دانے بنانا شروع کیا تھا۔ انھوں نے ٹین کے تکونی دانے بھی متعارف کرائے تھے جس پر سنہری خول چڑھایا گیا تھا اس دانے کو کرسمس کے درخت کی چوٹی پر نصب کیا جاتا ہے۔ شیشے سے تیار کی گئی آرائشی اشیاء برطانیہ میں پہلی مرتبہ 1870ء میں استعمال کی گئی جبکہ شمالی امریکہ میں یہ اشیاء 1880ء میں پہنچ گئی تھی۔ 1882ء میں شیشے کی آرائشی اشیاء کی جگہ برقی اشیاء نے لی۔ پہلی مرتبہ ایڈورڈ جانسن نے کرسمس کے درخت کو برقی قمقموں سے سجایا تھا انھوں نے 80 چھوٹے بلب استعمال کیے تھے۔ 1890ء میں برقی جھالر کثرت سے استعمال ہونے لگے جبکہ اگلی صدی میں کرسمس درختوں کی سجاوٹ معمول بن گئی۔

کرسمس کی تاریخ میں اب تک دنیا کا سب سے بڑا کرسمس ٹری 23 دسمبر 2003ء کو منظر عام پر آیا۔ یہ درخت تسمانیہ کی وادی اسٹائکس کے قدیم ترین جنگل میں تیار کیا گیا۔ 400 سال قدیم اور 84 میٹر (276 فٹ) اونچے اس درخت کو کرسمس ٹری کے طور پر سجانے میں آسٹریلیا کے علاوہ جاپان اور کینیڈا کے رضاکاروں نے بھی حصہ لیا یوکلیٹس کے اس درخت کو

دیگر بہت سی چیزوں کے علاوہ شمسی توانائی سے چلنے والے 3 ہزار سے زائد بلبوں سے بھی سجایا گیا اسٹاٹکس وادی جنوبی آسٹریلیا کے معروف شہر ہوبرٹ سے صرف 70 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اس جنگل میں دنیا کے قدیم اور بلند ترین درخت پائے جاتے ہیں جن میں بیشتر 25 منزلہ عمارتوں سے بھی اونچے ہیں ان درختوں میں سے بعض کی عمریں 400 سال سے زائد اور تنے کی موٹائی 5 میٹر سے بھی زیادہ ہے دنیا میں آج تک اتنا بڑا کرسمس ٹری اور کہیں نہیں بنایا گیا۔

کرسمس کے دوران ''کرسمس ٹری'' کا تصور بھی جرمنوں ہی کا پیدا کردہ ہے، یہ لوگ کرسمس کے دن حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پورا واقعہ نعوذ باللہ ڈرامے کی شکل میں پیش کرتے تھے، قبیلے کی کوئی لڑکی حضرت مریم علیہا السلام کا بہروپ بھرتی، کوئی ایک نوجوان حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بہروپ بھر کر اس کے پاس آتا اور اسے شادی کے بغیر ایک بچے کی نوید سناتا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی بے چینی اور پریشانی دکھائی جاتی، آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا سارا واقعہ سنایا جاتا اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور ان کے مصلوب ہونے کا قصہ دکھایا جاتا۔ اس واقعے کے دوران درخت کو حضرت مریم علیہا السلام کا ساتھی بنا کر پیش کیا جاتا، وہ اپنی ساری اداسی اور ساری تنہائی ایک درخت کے پاس بیٹھ کر گزار دیتیں۔ یہ درخت بھی اسٹیج پر مصنوعی طریقے سے لگایا جاتا تھا، اس زمانے میں عموماً زیتون کے درخت کی بڑی بڑی شاخیں کاٹ کر لائی جاتی تھیں اور پھر انھیں ایسی جگہ پر گاڑ دیا جاتا تھا جہاں لوگوں کے سامنے ''اداکاروں'' نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ دہرانا ہوتا تھا، جب یہ کھیل ختم ہو جاتا تو لوگ تبرک کے طور پر وہ شاخیں اکھیڑ کر گھر لے جاتے، ان شاخوں کو وہ کسی ایسی جگہ لگا دیتے جہاں ان کی نظریں ان پر اکثر پڑتی رہتیں، یہ لوگ ان شاخوں کو مختلف قسم کے دھاگوں سے سجاتے بھی رہتے تھے، یہ رسم آہستہ آہستہ ''کرسمس ٹری'' کی شکل اختیار کر گئی اور لوگوں نے اپنے اپنے گھروں میں اپنے کرسمس ٹری بنانے اور سجانے شروع کر دیئے، اس ارتقائی عمل کے دوران کسی ستم ظریف نے اس پر بچوں کے لیے تحائف بھی لٹکا

دیئے جس کے بعد یہ تحائف بھی کرسمس ٹری کا حصہ بن گئے جبکہ اس کرسمس ٹری اور کرسمس پر حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعے کو سوانگ کی شکل دینے کی گنجائش خود عیسائی مذہب میں موجود نہیں لیکن یہ دونوں ''بدعتیں'' عیسائی مذہب میں شامل ہو چکی ہیں۔ آج پوری دنیا کے عیسائی کرسمس پر یہ دونوں حرکتیں کرتے ہیں۔

کرسمس ٹری کی بدعت انیسویں صدی تک جرمنی تک محدود رہی۔ 1847ء کو برطانوی ملکہ وکٹوریا کا خاوند جرمن گیا اور اسے کرسمس کا تہوار جرمنی میں منانا پڑا تو اس نے پہلی مرتبہ لوگوں کو کرسمس ٹری بناتے اور سجاتے دیکھا تو اسے یہ حرکت بہت بھا گئی لہٰذا وہ واپسی پر ایک ٹری ساتھ لے آیا، اس نے یہ ٹری ملکہ کو دکھایا، ملکہ نے بھی اسے پسند کیا، یوں 1848ء میں سرکاری سرپرستی میں لندن میں پہلی بار کرسمس ٹری بنوایا گیا۔ یہ ایک دیو ہیکل کرسمس ٹری تھا جو شاہی محل کے باہر بنوایا گیا تھا، 25 دسمبر 1848ء کو پورے برطانیہ سے لاکھوں لوگ یہ ''درخت'' دیکھنے لندن آئے اور اسے دیکھ کر گھنٹوں تالیاں بجاتے رہے، وہ دن ہے اور یہ دن ہے آج تک برطانیہ میں ہر کرسمس پر تمام گھروں میں کرسمس ٹری بنائے جاتے ہیں۔ اس وقت صرف برطانیہ میں دسمبر میں 70 لاکھ کرسمس ٹری بنائے جاتے ہیں جن پر 150 بلین پونڈ خرچ آتا ہے جبکہ ان پر 200 ملین پونڈ کے بلب اور چھوٹی ٹیوب لائٹس بھی نصب کی جاتی ہیں۔ ایک سروے کے مطابق برطانیہ میں ہر کرسمس ٹری پر روزانہ سوا تین پونڈ کی بجلی جلائی جاتی ہے، یہ بجلی تقریباً پورا مہینہ جلائی جاتی ہے، یوں صرف ایک ٹری پر ہزار پونڈ یعنی ایک لاکھ روپے کی بجلی جلتی ہے۔ اب خود اندازہ کیجئے صرف برطانوی شہری ہر کرسمس پر کتنی بجلی اضافی خرچ کرتے ہیں؟

کرسمس ٹری کا جنگل

امریکی ریاست نارتھ کیرولینا کے دریائے نرلیسر کے دونوں اطراف دور تک پھیلے پہاڑوں پر ہرے بھرے صنوبر کے درخت عجیب بہار دیتے ہیں ان درختوں کی دلچسپ بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی بہت زیادہ بڑا نہیں حالانکہ ان پہاڑوں پر 5 کروڑ سے زائد

مختلف اقسام کے صنوبری درخت ہیں، اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ ان درختوں کو باقاعدہ اُگایا گیا ہے ان کی دیکھ بھال ہوتی ہے انھیں کیڑوں سے بچانے کے لیے اسپرے کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ دسمبر کا مہینہ آجاتا ہے۔ یہ مہینہ مصنوعی طور پر اگائے گئے صنوبر کے اس جنگل میں ایک ہلچل لے کر آتا ہے۔ بڑے بڑے ٹرک اس جنگل کا رخ کرتے ہیں، صنوبر کے درختوں کو بڑی احتیاط سے کاٹ کر ان ٹرکوں پر لادا جاتا ہے اور انھیں امریکہ بھر میں بڑے بڑے سپر اسٹورز پر سجا دیا جاتا ہے۔ بڑی احتیاط سے انھیں سجانے کے بعد یہ صنوبر کے درخت ''کرسمس ٹری'' کہلاتے ہیں جنھیں خریدنے کے لیے امریکی پاگل پن کی حد تک دیوانگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، نارتھ کیرولینا میں صنوبر کے درخت لگانے کی انڈسٹری ایک ارب ڈالر پر محیط ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی فروخت کس پیمانے پر ہوتی ہے۔ نارتھ کیرولینا امریکہ میں کرسمس کے قدرتی درخت فراہم کرنے والی دوسری سب سے بڑی ریاست ہے۔ یہاں لوگوں میں مصنوعی کرسمس ٹری خریدنے کے بجائے صنوبر کے جنگلی درخت سے بنے کرسمس ٹری خریدنے کا رجحان زور پکڑتا جا رہا ہے اور یہ صرف امریکہ ہی میں نہیں بلکہ یورپ بھر میں قدرتی صنوبر کے درخت کا کرسمس ٹری خریدنے کا رجحان روز افزوں ترقی پر ہے۔

صنوبر کے جنگل اُگانا یقیناً کسی فرد کے بس کا کام نہیں ہے، اس کے لیے بڑی بڑی کمپنیاں سرمایہ کاری کرتی ہیں۔

نارتھ کیرولینا میں صنوبر کے یہ درخت قدرتی طور پر نہیں پائے جاتے بلکہ انھیں 1960ء میں دنیا بھر سے زمین کی مناسبت سے یہاں لا کر پیوند کیا گیا۔ لیکن ان درختوں کے ساتھ ایک وائرس بھی ساتھ چلا آیا۔ یہ وائرس ایک درخت سے دوسرے درخت پر پھیلتا ہے اور درختوں کی جڑوں پر حملہ آور ہو کر اسے مردہ کر دیتا ہے۔ 2004ء کا سیزن بہت ہی بُرا ثابت ہوا اس سال 7 بڑے طوفان و آندھیاں آئیں ان آندھیوں نے اس وائرس کو پھیلانے میں موثر کردار ادا کیا اور نتیجتاً صنوبر کے کاشتکاروں کو بھاری خسارے کا سامنا کرنا پڑا۔ 2004ء کے سیزن میں نشونما پانے والے صنوبر کے درخت کو 2004ء کے کرسمس ٹری بننا تھا مگر

2004 کے نقصان نے بہت سارے کرسمس ٹری وقت سے پہلے ہی پیوند خاک کر دیئے۔ کرسمس ٹری کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہر کرسمس میں امریکی تقریباً 2 ارب ڈالر کے کرسمس ٹری خریدتے ہیں۔

صنوبر کے درخت بطور کرسمس ٹری اُگانا صرف امریکہ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کا سلسلہ برطانیہ سمیت پورے یورپ تک دراز ہے، لندن سے 50 کلو میٹر دور اترشاؤ نامی علاقے میں رابرٹ منڈر کے تین بڑے صنوبر فارم ہاؤس کا مالک ہے، دسمبر کے مہینے میں جب کوئی اس سے ملنے جاتا ہے تو وہ مسکرا کر کہتا ہے "میں پیش گوئی کرسکتا ہوں اب دیکھو مجھے پتہ ہے کہ تم کیوں آئے ہو؟ کرسمس ٹری خریدنا ہے نا" اپنے سوا ایکڑ کے فارم کے آخر میں صنوبر کے کرسمس ٹریز کے ڈھیر کے درمیان وہ کہتا ہے: یہ فارم 60 سال قبل میرے والد نے لگایا تھا، میں سارا سال ان درختوں کی جڑیں کھودنے، انھیں گلہریوں، چوہوں اور دیگر وائرس سے بچانے میں لگا تا ہوں اور اس کی ساری وصولی اس ایک مہینے میں ہو جاتی ہے۔

لندن میں صنوبر کے کرسمس ٹری پر تحقیق کرنے والوں کا کہنا ہے کہ ہر سال تین فیصد کے حساب سے قدرتی کرسمس ٹری کی مارکیٹ بڑھ رہی ہے۔

سانتا کلاز

کرسمس کی تقریبات میں تحفے دینا عیسائیوں کے ہاں ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ فرضی کردار سانتا کلاز جو بچوں کے لیے تحفے لاتا ہے چوتھی صدی کے ایک بشپ سینٹ نکولاس سے ماخوذ ہے۔ شمالی امریکہ میں انگریزوں نے اسے کرسمس کی تقریبات کا حصہ بنا دیا اور سینٹ نکولاس سانتا کلاز بن گیا۔ اینگلو امریکن روایات میں یہ ہنس مکھ شخصیت برف گاڑی کھینچتے ہوئے چمنی کے ذریعے گھر کے اندر داخل ہوتا ہے اور بچوں کے لیے تحائف چھوڑ کر وہاں سے اپنا کھانا کھا کر چلا جاتا ہے۔ وہ پورے سال بچوں کے لیے کھلونے اور دیگر تحفوں کی فہرست بناتے ہوئے گزارتا ہے۔ فرانس میں بھی سانتا کلاز کا یہی تصور ہے فرانسیسیوں کا خیال ہے کہ کوکا کولا کمرشل سانتا کلاز کے سرخ و سفید لباس سے متاثر ہو کر بنایا گیا ہے جو 1930ء میں

پوری دنیا میں پھیل گیا۔ کچھ حلقوں کے خیال میں سانتا کلاز وہ کھلونوں کی دکان پر کام کرتا ہے اور سارا سال کھلونے تیار کرتے ہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ اس نے مسز کلاز کے ساتھ شادی کی ہے۔ شمالی امریکہ اور برطانیہ میں سانتا کلاز کے نام سے ایک شاپنگ مال ہے جہاں بچے جا کر تحائف طلب کرتے ہیں۔ بہت سے ممالک میں بچے خالی کنٹینرز رکھتے ہیں تاکہ سانتا کلاز اس میں کھلونے، ٹافیاں یا پھل وغیرہ رکھ دیں۔ امریکہ میں بچے کرسمس کے موقع پر خالی چیزیں آتش دان میں رکھتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ سانتا کلاز چمنی کے راستے تحائف لے کر آتا ہے۔ بعض ممالک میں بچے کرسمس کی رات کو اپنے جوتے اتار کر رکھتے ہیں تاکہ سانتا کلاز اس میں تحفے رکھ دیں۔ دراصل یہ سب بچوں کو بہلانے اور خوش کرنے کے لیے قائم کیے گئے مفروضے ہیں بچوں کو تحائف سانتا کلاز نہیں بلکہ ان کے خاندان والے دیتے ہیں مگر وہ اپنے بچوں کو بتاتے ہیں کہ یہ تحائف ان کے لیے سانتا کلاز لے کر آیا ہے۔

سانتا کلاز یا کرسمس بابا

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''سانتا کلاز'' کا نام سینٹ نیکلاؤس تھا جو کہ چوتھی صدی میں ترکی میں پیدا ہوا اس کی زندگی مسیح کے لیے مخصوص تھی وہ فیاض دل شخص تھا جو غرباء اور خاص کر بچوں کی مدد کرنے میں مشہور تھا وقت کے رومی حکمران اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے انھوں نے اسے قید میں ڈال دیا اور اذیت پہنچائی لیکن جب شہنشاہ روم کنسٹنٹائن 312ء میں مسیحی ہو گیا تو اس نے سینٹ نیکلاؤس کو قید سے آزاد کر دیا۔ بادشاہ کی طرف سے 325ء میں کلیسیا کی بلائی گئی نیکائیہ کی کانفرنس میں سینٹ نیکلاؤس نے بھی نمائندہ کی حیثیت سے شرکت کی اور بچوں کے لیے اس کی محبت میں مزید اضافہ ہوا آج اسے سسلی، یونان، روس اور ملاحوں اور بچوں کا سرپرست سینٹ سمجھا جاتا ہے۔ ہالینڈ نے بالخصوص سانتا کلاز کی روایت کو زندہ رکھا جہاں بچے کرسمس کی رات لکڑی کے بڑے بڑے جوتوں کا آتشدان کے قریب اس امید پر رکھ دیتے تھے کہ کرسمس کے دن سانتا کلاز انھیں کھانے کی اشیاء اور تحائف سے بھر دے گا۔ 1822ء میں ایک شاعر کلیمنٹ سی مور نے ''کرسمس سے پہلے کی رات'' میں ''سینٹ

نک کی طرف سے ایک وزٹ'' کے عنوان سے سانتا کلاز پر نظم لکھی اور سرخ لباس میں ملبوس ایک موٹے اور خوش باش شخص کا جدید تصور متعارف کروایا جو آج پوری دنیا میں رائج ہے۔

آج کل عیسائی دنیا کرسمس سے پہلے چار اتوار مسیح کی پہلی آمد کی خوشی منانے کی تیاری میں مخصوص کرتی اور مناتی ہے۔ آمد کے ان چار اتواروں پر دنیا بھر میں گرجا گھروں میں پادری اور فادر صاحبان مسیح کی پیدائش سے متعلق مختلف پہلوؤں اور بھیدوں پر وعظ دیتے ہیں، اور کلیساء کو کرسمس کی حقیقی برکات، خوشی اور شکر گزاری کے لیے تیار کرتے ہیں۔ عملی طور پر نومبر کے مہینے ہی سے گرجا گھروں میں مخصوص پروگراموں کا انعقاد شروع ہو جاتا ہے۔

گرجا گھروں میں کرسمس کے موضوع پر موسیقی کے پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں، جن میں مسیحی (خاص طور پر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں) کرسمس کے حوالے سے تیار کیے گئے نئے گیت پیش کرتے ہیں۔ سب سے اچھے گیت پیش کرنے والوں کو انعامات (شیلڈز، کپس اور سرٹیفکیٹ) سے نوازکران کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

گرجا گھروں میں کینڈل لائٹ سروس (عبادت) کی جاتی ہے۔ یہ عبادت موم بتیوں اور چراغوں کی روشنی میں کی جاتی ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک یہ عبادت رُوحانیت کو اُجاگر کرتی ہے۔ عبادت گاہوں میں چراغوں اور شمعوں کا استعمال عبادات اور عبادت گاہوں کے حسن و آرائش کو دوبالا کرنے، خوشی کے احساسات کا اظہار کرنے، خداوند کی موجودگی اور پاکیزگی کے لیے کیا جاتا ہے۔ کینڈل لائٹ سروس کا پیغام یہ ہے کہ مسیح کی پیدائش سے ہر طرح کے گناہ کے سائے اور اندھیرے ختم ہو گئے ہیں۔

گرجا گھروں میں کرسمس سے متعلق ڈرامے اور ٹیبلوز تیار کیے جاتے ہیں اور انتہائی اہتمام کے ساتھ خوب صورت اور موٴثر انداز میں مسیح کی پیدائش کے واقعے اور پیغام کو پیش کیا جاتا ہے۔

ہم پر کفار کے تہواروں کا تعارف حاصل کرنا کیوں ضروری ہے؟

یہ بات متفق علیہ ہے کہ مسلمان شخص کے لیے کفار کے حالات جاننا کوئی معنی نہیں رکھتا

اور نہ ہی ان کے شعار اور عادات کی معرفت اس کے لیے اہم ہے۔ جب تک وہ انھیں اسلام کی دعوت نہ دینا چاہے۔ لیکن جب ان کے شعار جاہل قسم کے مسلمانوں میں سرایت کر رہے ہوں اور وہ اس میں قصداً یا بغیر قصد کے مبتلا ہو رہے اور اس پر عمل کر رہے ہوں تو اس وقت ان کے لیے ضروری ہو جاتا ہے تا کہ ان سے اجتناب کیا جاسکے، اس آخری دور میں اس کی ضرورت بہت زیادہ ہوگئی ہے جس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

۱: کفار کے ساتھ کثرت سے میل جول اور اختلاط چاہے وہ مسلمان کا ان کے ملک میں حصول تعلیم کے جانے کی صورت میں ہو یا پھر سیر وسیاحت اور تجارت کے لیے یا کسی اور سبب کی بنا پر، تو ان کے مما لک میں جانے والے یہ لوگ وہاں ان کے کچھ دینی شعار اور کام دیکھتے ہیں تو انھیں یہ کام اچھے لگتے ہیں تو یہ ان کی پیروی کرنا شروع کر دیتے ہیں اور خاص کر نفسیاتی ہزیمت وشکست کے ساتھ اور ان کا کفار کو شدید قسم کی پسندیدگی کی نظروں سے دیکھنا ان کے ارادہ کو سلب کر لیتا ہے اور ان کے دل میں فساد پیدا ہوتا ہے جس کی بنا پر دل میں دین کمزور ہو جاتا ہے۔

اسی وجہ سے بہت سے مغربی ثقافت کے دلدادہ لوگ کافروں کو ترقی یافتہ اور مہذب یافتہ لوگ کہتے ہیں حتیٰ کہ ان کی عادت اور عادتاً کیے جانے والے اعمال میں بھی ترقی یافتہ مانتے ہیں، یا پھر یہ اس طریقہ سے ہوتا ہے کہ ان کے تہواروں کو غیر مسلم افلیا افلیات اور گروہوں کے ذریعہ اسلامی مما لک میں ظاہر کیا جاتا ہے جس سے جاہل قسم کے مسلمان لوگ متاثر ہوتے ہیں۔

۲: یہ معاملہ اور بھی خطرناک اس لیے بھی ہوگیا ہے کہ میڈیا جو کہ ہر چیز کو تصویر اور آواز کے ساتھ روئے زمین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کفار کا میڈیا اپنی عادات اور شعار نشر کرنے میں مسلمانوں کے میڈیا کی بہ نسبت زیادہ قوی اور طاقتور ہے اس کے برعکس مسلمان میڈیا کے پاس کچھ بھی طاقت نہیں اس طرح کہ بہت سے فضائی چینل دوسروں کے تہوار نشر کرنے میں

لگے ہوئے ہیں اور خاص کر عیسائیوں کے تہوار نشر کیے جاتے ہیں۔ زیادہ خطرناک بات یہ ہے جس سے معاملہ اور زیادہ خطرناک صورت اختیار کر چکا ہے کہ بعض علمانی تنظیموں نے مسلم ممالک میں کافروں اور بدعتیوں کے بہت سے تہوار اور شعار اور ان کے جشن کو ترویج دی اور انھیں عرب فضائی چینلوں کے ذریعہ دنیا کے سامنے پیش کیا تو اس سے مسلمان دھوکہ کھا گئے کیونکہ یہ مسلمان ممالک سے نشر کیے جا رہے اور اسلامی ممالک میں جشن منائے جا رہے ہیں۔

۳: مسلمانوں کو تاریخ کے ساتھ ساتھ اس مشکل کا سامنا رہا ہے کہ بعض مسلمان غیر مسلموں سے میل جول کی بنا پر ان کے شعار سے متاثر ہوئے جن کی بنا پر مسلمان علماء دین کو اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ وہ عام مسلمانوں کو مسلمانوں کے علاوہ دوسروں کے تہواروں اور ان کے شعائر کی تقلید کرنے سے اجتناب کرنے کا کہیں جو ان عیسائیوں سے لیے گئے ہیں۔

۴: عصر حاضر میں ان کے بعض تہوار بہت بڑے اجتماع میں بدل چکے ہیں اس کے خصائص وہی پرانے تہوار والے ہیں اور اس میں بہت سارے مسلمان بغیر کسی علم کے ہی شریک ہو جاتے ہیں، جیسا کہ کھیلوں کے اولمپک مقابلے ہوتے ہیں جو کہ اصلاً یونانیوں اور پھر رومیوں اور پھر عیسائیوں کا تہوار ہے اور اسی طرح وہ مہر جانات جو خرید و فروخت یا پھر ثقافت وغیرہ کے نام سے منعقد کیے جاتے ہیں حالانکہ اصل میں مہر جان فارسیوں کا تہوار ہے او ان مہر جانوں کا انعقاد کرنے والے اکثر لوگ اس سے لاعلم ہیں۔

۵: شر اور برائی کو اس لیے جاننا کہ اس سے بچا اور اجتناب کیا جائے، سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ''لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر و بھلائی کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے اور میں شر و برائی کے متعلق ان سے اس ڈر کی بنا پر سوال کرتا کہ کہیں مجھے وہ پا نہ لے۔''

یہ تو ہر ایک کے علم میں ہے کہ سب سے عظیم اور خطرناک بیماری یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص کسی ایسے شعار کا مرتکب ہو جو کفار کے شعار میں ان کی خاص عادات میں سے ہو اور مسلمان اسے جانتا تک نہ ہو حالانکہ ہمیں اس سے اجتناب کرنے اور بچنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ وہ پلیدی اور گمراہی ہے۔

(گلزار احمد لاہور)

باب نمبرا:

بانی عیسائیت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائی حضرات کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے عیسائی مذہب کی بنیاد رکھی تھی اوران کی تعلیمات پر ہی عیسائی مذہب قائم ہے۔ تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ اس دعویٰ کی پہلی بات میں سچائی ہے لیکن دوسری بات میں نہیں۔ یعنی یہ بات تو سچ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بطور نبی بنی اسرائیل کو عیسائیت کی تعلیم دی تھی لیکن اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر ہی عیسائی مذہب قائم ہے تو غلط ہوگا کیونکہ ان کی دی ہوئی تعلیم اس موجودہ تعلیم سے قطعاً مختلف ہے۔

تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات والا مذہب ان کے بعد کچھ ہی عرصے میں ختم ہوگیا اور اس کی جگہ جس مذہب نے لے لی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور ارشادات کے بالکل خلاف تھا۔ یہی نیا مذہب ترقی کرتا ہوا موجودہ عیسائیت بن گیا۔ اس نئے مذہب کے بانی کو عیسائی تاریخ میں پولُس (St. Paul) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس کے چودہ خطوط بائبل میں شامل ہیں۔ اس بات پر بحث کرنے سے پہلے دیکھتے ہیں کہ اہل کتاب کے نزدیک عیسائیت کی تعریف کیا ہے؟

عیسائیت کی تعریف:

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف یہ کی گئی ہے:

> ''وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناصرہ کے باشندے ''یسوع'' کی طرف منسوب کرتا ہے، اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے۔''

(برٹانیکا مقالہ ''عیسائیت'' ص 693 ج 5)

اس تعریف کی مزید وضاحت الفریڈ ای گاروے نے انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ

آتھکس کے مقالے عیسائیت میں کی ہے، وہ لکھتا ہے:

''عیسائیت کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ وہ اخلاقی، تاریخی، کائناتی، موحدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خداوند یسوع مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعے پختہ کیا گیا ہے۔''

اس تعریف کو بیان کرنے کے بعد مسٹر گاروے نے اس کے ایک ایک جز کو مزید واضح کیا ہے۔

''اخلاقی مذہب سے مراد اِن کے نزدیک وہ مذہب ہے جس میں عبادتوں اور قربانیوں کے کوئی دنیوی مقصد حاصل کرنے کی تعلیم نہ دی گئی ہو، بلکہ اس کا تمام تر مقصد روحانی کمال کا حصول اور خدا کی رضا جوئی ہو۔''

''تاریخی مذہب کا مطلب وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس مذہب کا محورِ فکر و عمل ایک تاریخی شخصیت ہے، یعنی حضرت عیسیٰ، علیہ السلام انہی کے اقوال و عمل کو اس مذہب میں آخری اتھارٹی حاصل ہے۔''

''کائناتی مذہب کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ یہ مذہب کسی خاص رنگ و نسل کے لیے نہیں بلکہ اس کی دعوت عالمگیر ہے۔''

عیسائی مذہب کو وہ موحد اس لیے قرار دیتے ہیں کہ اس مذہب میں تین اقانیم ماننے کے باوجود خدا کو ایک کہا گیا ہے۔ ان کا بیان ہے۔

''اگرچہ عام طور پر عیسائی عقیدہ تثلیث یا صحیح لفظوں میں تثلیث فی التوحید کے بارے میں یہ سمجھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ خطرناک حد تک تین خداؤں کے عقیدے کے قریب آ گیا ہے لیکن عیسائیت اپنی روح کے اعتبار سے موحد ہے اور خدا کو ایک کلیسائی کے عقیدے کے طور پر سمجھتی ہے۔''

مندرجہ بالا تعریف میں عیسائیت کی آخری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ ''وہ کفارے پر ایمان رکھتا ہے۔''

اس جز کی تشریح میں گاروے نے لکھا ہے:

"خدا اور بندے کے درمیان جو تعلق ہونا چاہیے اس کے بارے میں عیسائیت کا یہ خیال ہے کہ وہ گناہ کے ذریعے خلل پذیر ہو گیا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اسے پھر سے قائم کیا جائے اور یہ کام صرف مسیح کو بیچ میں ڈالنے سے ہوتا ہے۔"

(انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص 581 ج 3 مقالہ عیسائیت)

عیسائیت کی تعریف کے بعد ہم اس باب میں صرف پولس اور اس کی تعلیمات پر بحث کر کے یہ ثابت کریں گے کہ موجودہ عیسائیت کا بانی صرف پولس ہے۔

پولس کا تعارف

پولس کی تعلیمات پر بحث کرنے سے پہلے بہتر ہے کہ پولس کا مختصراً تعارف کرا دیا جائے۔ بائبل میں پولس کا ذکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمین سے تشریف لے جانے کے بعد "ساؤل" (جو اس کا عبرانی نام ہے) کے نام سے کتاب "رسولوں کے اعمال" باب نمبر 7 کے آخر، میں پہلی دفعہ ہوتا ہے۔ جب یہودی ایک عیسائی کو صرف "عیسائیت کی تبلیغ کے جرم" میں سنگسار کر رہے تھے تو وہ وہاں موجود تھا اور باب نمبر 8 فقرہ نمبر 2 سے پتا چلتا ہے کہ وہ اس کے قتل پر راضی تھا۔ اس سے پہلے اس کا ذکر کہیں ذرا سا بھی نہیں ملتا لیکن کتاب اعمال اور اس کے تبلیغی خطوط سے پتا چلتا ہے کہ وہ ابتداء میں قبیلہ بنیامین کا ایک کٹر فریسی یہودی تھا۔

"آٹھویں دن میرا ختنہ ہوا، اسرائیل کی قوم اور بنیامین کے قبیلہ کا ہوں، عبرانی، شریعت کے اعتبار سے فریسی ہوں۔" (رومیوں کے نام 2:11) (فلپیوں کے نام 5:3)

یہ روم کے شہر "ترسس" کا باشندہ تھا (کتابِ اعمال 28:22) اس کو سلطنت روم کے مکمل شہری حقوق حاصل تھے جس سے اس نے اپنی تبلیغ کے دوران خوب فائدہ اٹھایا اور اس نے اس دوران اپنے رومی نام ہی کو استعمال کیا۔ (قاموس الکتاب ص 200)

وہ عیسائیوں پر بہت ظلم کرتا تھا اور کلیسا کو تباہ کرنے کے لیے گھر گھر گھس کر مردوں اور

عورتوں کو گھسیٹ (کھینچ) کر قید کراتا تھا (کتابِ اعمال 3:8) اور اس نے مسیح کے شاگردوں کو دھمکانے اور قتل کرنے کی دُھن میں سردار کاھن سے ان کو مزید تنگ کرنے کے لیے ایسے خطوط مانگے جس میں یہ اجازت ہو کہ اگر کوئی عیسائی طریقہ کار پر ہو تو وہ ان کو گرفتار کر کے لا سکے۔ (کتابِ اعمال 9:1-2)

پولُس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کے ساتھ مقرر نہیں کیا تھا انھوں نے صرف بارہ حواری اپنے ساتھ تبلیغ کے لیے مقرر کیے تھے اور بارھواں حواری یہوداہ اسکریوتی غداری کی وجہ سے کم ہو گیا تھا نہ ہی اس کو حواریوں نے اپنے ساتھ مقرر کیا بلکہ وہ خود ہی رسول بن گیا اور اُس نے یہ دعویٰ کیا کہ دمشق کے راستے میں اس نے ایک آواز سنی ''اے ساؤل، اے ساؤل تو مجھے کیوں ستاتا ہے۔'' اور اس سے کہا ''میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے'' اور یہ کہ ''اسے گواہ مقرر کیا گیا ہے'' (کتاب اعمال 9:3-7، 22:6-10، 26:9-19) اسی لیے شروع میں اس کی رسالت کا شدید انکار ہوا۔

قاموس مذہب واخلاقیات میں ہے۔

''لوگوں نے اس کی رسالت کا انکار کیا اور یہ حقیقت ہے کہ اس کی رسالت (دستور کے مطابق) باقی رسولوں کی طرف سے نامزدگی پر مبنی نہیں تھی۔''

(انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ایڈن برو 1917 جلد 9 ص 690)

ھیسٹنگز نے لکھا ہے:

''اس کے رسالت کے منصب کی بری طرح مخالفت کی گئی۔''

(جے ھیسٹنگز ڈکشنری آف دا بائبل 1990 ص 44)

پولُس کی تعلیمات کا ماٰخذ

اپنے مذکورہ مکاشفہ اور خود ساختہ نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد اس نے حواریوں کو بالکل بھی اہمیت نہ دی بلکہ گلتیوں کے نام خط میں وہ کہتا ہے ''ان سے جو کچھ سمجھے جاتے تھے مجھے کچھ حاصل نہ ہوا'' (گلتیوں 2:6) اپنے دعویٰ نبوت کے فوراً بعد وہ عرب چلا گیا اس کی

تعلیمات کا مآخذ اس کے خودساختہ مکاشفات تھے جن کے بارے میں اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یسوع مسیح اسے آئندہ بھی نظر آئیں گے۔ (کتابِ اعمال 26:16-17)

اس لیے اگر آپ ''عیسائیت'' اس مذہب کو قرار دیں جس کی بنیاد یسوع مسیح نے رکھی تو موجودہ دور میں کوئی بھی عیسائی اس تعریف پر پورا نہیں اترتا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر عمل کرنے والا ''عیسائی یا مسیحی'' ثابت نہیں ہوتا۔ اور جس مذہب پر وہ قائم ہے اور اپنے عیسائی یا مسیحی ہونے پر اصرار بھی کرتا ہے ''پولسیت'' ہے جو کہ پولُس (St. Paul) کا ایجاد کردہ ہے۔ پولُس کے بارے میں اس دعویٰ کی بنیاد کہ وہ اس ''موجودہ عیسائیت کا بانی'' ہے۔ اس کا ذاتی قول ہے جو کہ گلتیوں کے نام خط میں موجود ہے۔

''اے بھائیو! میں تمھیں جتائے دیتا ہوں کہ جو خوشخبری میں نے سنائی وہ انسان کی سی نہیں۔ کیونکہ وہ انسان کی طرف سے نہیں پہنچی اور نہ مجھے سکھائی گئی بلکہ یسوع مسیح کی طرف سے مجھے اس کا مکاشفہ ہوا۔'' (گلتیوں 1:11-12)

یعنی اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے جن کو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عیسائیت کی تبلیغ کے لیے منتخب کیا تھا ان سے کچھ نہیں سیکھا اور ان کا بالکل صاف انکار کیا ہے۔ خودساختہ نبوت اور خودساختہ مکاشفات کی بنیاد بنا کر اس نے جو اس کا دل چاہا تعلیمات بنا کر پیش کر دیں کیونکہ وہ خود کہتا ہے کہ اس واقعے کے بعد:

''نہ تو میں نے گوشت اور خون سے صلاح لی اور نہ یروشلم میں ان کے پاس گیا جو مجھ سے پہلے رسول تھے بلکہ فوراً عرب چلا گیا پھر وہاں سے دمشق واپس آیا۔''

(گلتیوں 1:16-17)

حواریوں کو اس نے کسی بھی قابل نہ جانا۔ ان میں سے بعض سے اس کی اس واقعے کے تین سال بعد مختصر ملاقات ہوئی (گلتیوں 1:18-20) اس کے خود ساختہ نظریات اور خصوصاً شریعت کو جھٹلانے کے باعث یہودیوں نے اس مارنے کی سازش کی (کتابِ اعمال 9:23) تو اس نے یروشلم پہنچ کر حواریوں میں مل جانے کی کوشش کی لیکن حواریوں کو اس

کا عیسائیت کا دشمن ہونے کی وجہ سے یقین نہیں آتا تھا اس لیے وہ اسے قبول کرتے ہوئے ڈرتے تھے لیکن ''برنباس'' جنکا حواریوں میں بڑا اونچا مقام تھا اور وہ انطاکیہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیت کے اولین معلّموں میں تھے (کتابِ اعمال 1:13) نے اسے مخلص اور دیانت دار عیسائی سمجھ کر اس کی سفارش کی۔ ان کی سفارش پر حواریوں نے پولُس کو اپنے ساتھ آنے جانے کی اجازت دے دی۔ (کتاب اعمالِ 9:26-27) کچھ عرصہ تک وہ برنباس کے ساتھ تبلیغ کرتا رہا۔ (کتاب اعمال 11:21-30, 12:25'13-14, 13:15-16) لیکن حواریوں سے ملنے سے پہلے اور ان سے علیحدگی کے بعد اس نے اپنے خود ساختہ مکاشفات کو بنیاد بنا کر یونانی فلسفہ و مذہب کے علاوہ اس دور کے دیگر مشرکانہ مذاہب کی توہم پرستیوں اور نظریات کو بھی عیسائیت میں داخل کر دیا۔ عیسائی محققین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ پولُس نے ''یونانی فلسفہ و افکار سے بڑی خوشہ چینی کی۔'' (ھیسٹنگز: ڈکشنری آف دا بائبل جلد 5، کلارک لندن 5:150)

اس کے علاوہ اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ:

> ''مقدس پولُس کے خطوط میں اس (یونانی) فلسفہ بالخصوص افلاطونیت کے واضح اثرات ہیں۔'' (ھیمرٹن: یونیورسل ھسٹری آف دا ورلڈ جلد 4 ص2330)

پولُس کی تعلیمات

پولُس کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تعلیمات کے فرق کو ذیل میں واضح کیا گیا ہے۔

عقیدہ تثلیث:

عقیدہ تثلیث کی تعریف ''تثلیث'' والے باب میں بیان کی گئی ہے اور اس باب میں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کے ساتھ ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کے اقوال کی روشنی میں اس عقیدے کو باطل ثابت کیا گیا ہے۔ یہاں ہم صرف پولُس کے کچھ اقوال جو عقیدہ تثلیث کی بنیاد ہیں، نقل کریں گے۔

۱: پولُس نے طِطُس کے نام خط (13:2) میں مسیح علیہ السلام کو ''بزرگ خدا'' کہا اور اپنے

دوسرے خطوط میں مسیح علیہ السلام کو" خدا کا بیٹا" قرار دیا۔(رومیوں 4:1 ، کرنتھیوں 19:1)(افسیوں 13:4، 1۔ تھسلنیکیوں 10:1وغیرہ)

۲: اس نے مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں شریک قرار دیتے ہوئے کہا" فضل، رحم اور اطمینان خدا باپ اور ہمارے خداوند یسوع مسیح کی طرف سے ملتا ہے۔"(1۔ تیمتھس کے نام 2:1، 2۔ تیمتھس کے نام 2:1 ، 1۔ اکرنتھیوں 3:1 وغیرہ) اس کے برعکس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی بندگی اور عاجزی کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ وہ کہتے کہ وہ اپنی مرضی سے کچھ بولتے بھی نہیں۔ انجیل یوحنا باب نمبر 12 میں ان کا بیان ہے" اسی نے مجھے حکم دیا ہے کہ کیا کہوں اور کیا بولوں۔" حکم کا لفظ بھی ظاہر کررہا ہے کہ وہ صرف وحی کی پیروی کرنے والے بندے تھے حکم دینے یا خدائی میں شریک ہونے والے بیٹے نہیں تھے۔

۳: اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدا کی صورت قرار دیا۔

"مسیح جو خدا کی صورت ہے" اور" ہم اپنی نہیں بلکہ مسیح کی منادی کرتے ہیں کہ وہ خداوند ہے۔" (2۔ کرنتھیوں 4:4-5، 1۔ تھسلنیکیوں 15:2، 2۔ تھسلنیکیوں 6:3)

۴: اس نے مسیح علیہ السلام کو" خداوند" اور اپنے آپ کو" مسیح کا بندہ" قرار دیا اور" رسالت بخشنے والا" قرار دیا۔ (1۔ تیمتھس 12:1، فلیموں 25:1 ، رومیوں 1:1)

۵: کلسیوں کے نام خط میں اس نے لکھا:

" وہ مسیح ان دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں، آسمان کی ہوں یا زمین کی، دیکھی ہوں یا ان دیکھی ،تخت ہوں یا ریاستیں ، یا حکومتیں یا اختیارات سب چیزیں اسی کے وسیلے سے اور اسی کے واسطے پیدا ہوئی ہیں۔" (کلسیوں 15:1-16)

آگے وہ لکھتا ہے:

" کیونکہ الوھیت کی ساری معموری اسی میں مجسم ہو کر سکونت اختیار کرتی ہے۔

(کلسیوں 9:2)

۶: فلپیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

"ویسا ہی مزاج رکھو جیسا کہ یسوع کا بھی تھا اس نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا، خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دیا اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو پست کر دیا اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی اسی واسطے خدا نے اسے بہت سربلند کیا اور اسے وہ نام بخشا جو سب ناموں سے اعلیٰ ہے تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک کا گھٹنا جھکے خواہ آسمانیوں کا ہو، خواہ زمینیوں کا، خواہ ان کا ہو جو زمین کے نیچے ہیں اور خدا باپ کے جلال کے لیے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے" (فلپیوں 2:5-11)

اوپر بیان کردہ تمام بیانات میں سے ایک بیان بھی عہد نامہ قدیم یا حضرت مسیح علیہ السلام کے بیانات سے نہیں ملتا۔ اس لیے "عقیدہ تثلیث" یا "تثلیث فی التوحید" کی بنیاد پولس کی تعلیمات پر ہے نہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات پر۔ یہ اتنی واضح حقیقت ہے کہ عیسائی حضرات کو بھی اسے تسلیم کرنا پڑا۔

کیتھولک انسائیکلوپیڈیا میں ہے:

"تثلیث کا عقیدہ عہد نامہ قدیم میں نہیں سکھایا گیا اور عہد نامہ جدید میں اس کی اولین شہادت "پولس کے خطوط" میں ملتی ہے۔"

(نیو کیتھولک انسائیکلوپیڈیا جلد 14 صفحہ 306)

اب یہ عقیدہ پولس نے خود کہاں سے دریافت کیا؟ اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ ھیسٹنگز کے قول کے مطابق:

"یونان میں بادشاہ اور حکمران خود کو دیوتاؤں کی نسل سے سمجھنا پسند کرتے تھے۔"

اس لیے یونانیوں کو عیسائیت کی طرف مائل کرنے کی کوششوں اور ان کے عیسائیت

قبول کرنے کے بعد مسیحی فکر پر یونانی فکر کے جو اثرات ہوئے انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ''خدا کے جوہر سے'' سمجھے جانے اور ''خدا کا بیٹا'' قرار دینے کی حوصلہ افزائی کی۔

(جے ہیسٹنگز J.Hastings OP cit P143)

اور یونانی فلسفہ میں افلاطون اور اس کے پیرو کاروں کے نزدیک ماہیت خداوندی کی تین حیثیتیں تھیں۔ جنھیں وہ سبب اول (First Cause)، حکمت و کلام (Reason or Logos) اور روح کائنات (The Soule & the spirit of the universe) کی حیثیت سے پہچانتے تھے۔ اس فکر نے بھی مسیحیت میں تین خداؤں کی بنیاد رکھی، جن میں کلام (Logos) کو ابدی باپ کے فرزند کی صورت میں دنیا کے خالق و مدبر کی حیثیت حاصل تھی۔ (Edward Gibbon: OP, cit, vol 2 p335-336)

عقیدہ کفارہ

عقیدہ کفارہ بھی پولس کے خود ساختہ مکاشفات کی بنیاد پر کھڑا ہے۔ جو اس نے یونانی اور اس زمانے کے دوسرے مذاہب سے متاثر ہو کر بیان کیے تھے۔ اس حوالے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا دوسرے انبیاء نے قطعاً کوئی تعلیم نہیں دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری بھی اس بات کو نہیں مانتے تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو کبھی اس کی تعلیم نہیں دی۔ اور ان حواریوں کی تعلیمات پر ایمان لانے والے بھی عقیدہ کفارہ کو نہیں مانتے تھے۔

عقیدہ کفارہ سے متعلق بیانات ملاحظہ فرمائیں:

۱: پس جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دنیا میں آیا اور گناہ کے سبب موت آئی اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی کیونکہ سب نے گناہ کیا...... کیونکہ جس طرح ایک ہی شخص کی نافرمانی سے بہت لوگ گنہگار ٹھہرے اسی طرح ایک کی فرمانبرداری سے بہت لوگ راستباز ٹھہریں گے۔ (رومیوں 5:12-19)

۲: لیکن خدا اپنی محبت کی خوبی یوں ظاہر کرتا ہے کہ جب ہم گناہگار ہی تھے تو مسیح ہماری خاطر مُوا۔ پس جب ہم اس کے خون کے باعث اب راست باز ٹھہرے تو اس کے

وسیلے سے غضبِ الٰہی سے ضرور بچیں گے (رومیوں 10:8)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ کہنا غلط ہے کہ وہ عیسائیوں سے محبت کی خاطر یا اپنی مرضی سے کفارہ بننے کی خاطر صلیب چڑھے یا مرے کیونکہ اناجیل متوافقہ سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ اس وقت سخت پریشانی کی حالت میں دعا کر رہے تھے کہ یہ موت ان سے ٹل جائے۔ (انجیل لوقا 22:41-46، انجیل مرقس 14:33-40، انجیل متی 20:36-42)

۳: ''کیونکہ مسیح اسی لیے موا اور زندہ ہوا کہ مردوں اور زندوں دونوں کا خداوند ہو۔''

(رومیوں 14:9)

۴: ''خدا نے اپنے بیٹے کو گناہ آلود جسم کی صورت میں اور گناہ کی قربانی کے لیے بھیج کر جسم میں گناہ کی سزا کا حکم دیا'' (رومیوں 8:3)۔

مندرجہ بالا قول کتاب حزقی ایل کے باب 18 آیت 20 سے متصادم ہے:

''بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ صادق کی صداقت اسی کے لیے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے۔''

اور نہ ہی حضرت مسیح علیہ السلام نے اس بات کی کوئی تعلیم دی کہ وہ کفارہ بننے دنیا میں آئے ہیں اس لیے یہ قول غلط ہے کہ خدا نے بلا وجہ ہی اپنے بیٹے کو دوسروں کے گناہ کے لیے قربانی کا بکرا بنا کر جسم میں گناہ کی سزا کا حکم دیا۔

۵: ''یسوع کو موت کا دکھ سہنے کے سبب سے جلال اور عزت کا تاج پہنایا گیا تاکہ وہ خدا کے فضل سے ہر ایک کے لیے موت کا مزا چکھے۔'' (عبرانیوں 2:9)

۶: اسی نے ہم کو تاریکی کے قبضے سے چھڑا کر اپنے عزیز بیٹے کی بادشاہی میں داخل کیا جس میں ہم کو مخلصی یعنی گناہوں سے معافی حاصل ہے (کلسیوں 1:13-14)۔

اور انجیل یوحنا (5:29) میں ہے:

''ہر راست کار اپنا اجر پائے گا اور ہر ایک اپنے اعمال کے مطابق اس سے حاصل کرے گا۔''

یعنی کسی بادشاہی میں بھی اس طرح گناہوں سے مخلصی حاصل نہیں ہے اپنا کیا دھرا خود ہی بھگتنا پڑے گا۔

۷: ''خون بہائے بغیر معافی نہیں ہوتی۔'' (عبرانیوں 9:22)

جبکہ ندامت کے آنسو بہانے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بدچلن عورت کو گناہوں کے معاف ہونے کی خوشخبری دے دی (انجیل لوقا 7:48)۔ اور بے شمار دفعہ گناہ بخشوانے کے لیے توبہ کرنے کا حکم دیا (انجیل متی 3:18-4، انجیل لوقا 3:13-5، انجیل لوقا 3:15-10)۔ اگر خون بہانا ضروری ہوتا اور خون بہائے بغیر معافی نہ ہوتی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام توبہ کو چھوڑ کر خون بہانا لازم ہے کی منادی کرتے نہ کہ توبہ کی۔

ہربرٹ ملر نے اس بات کو یوں بیان کیا ہے:

''اس نے ہر چیز اپنے خداوند، مردوں سے جی اٹھنے والے مسیح کے لیے بڑی خوشی سے قربان کردی۔ اور سب سے پہلی قربانی جو اس نے دی وہ خود مسیح کی (اصل شخصیت) کی تھی...... جہاں مسیح نے خدا کی ایسی بادشاہی کا اعلان کیا تھا جسے لوگ محض توبہ اور راست بازی کے ذریعے حاصل کرسکتے تھے پولس نے یہ سکھایا کہ نجات ''مسیح اور صرف مسیح'' کے ذریعے مل سکتی ہے''

(ہربرٹ ملز یوزیز آف دا پاسٹ، نیویارک، 1959ء ص156-157)

عقیدہ کفارہ بھی 100% یونانی اور اس زمانے کے بعض اور توہم پرست مشرکانہ مذہب سے اخذ کردہ ہے جیسا کہ درج ذیل تحقیقات سے ظاہر ہے۔

''(پولس کا) نیا نظریہ ان سری مذاہب سے ابھرا جو بحیرۂ روم کے خطہ میں بکثرت موجود تھے...... سری مذاہب متعدد تھے اور ان کے دیوتا جداگانہ تھے۔ مگر وہ سب ایک مر کر زندہ ہونے والے خدا کے انتساب کے ذریعہ حصول نجات پر زور دیتے تھے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ پولس نے یسوع کے لیے ''خرسس'' (خداوند) کا جو لفظ استعمال کیا ہے اسے یونانی ''مر کے جی اٹھنے والے دیوتا'' کے

لیے بکثرت استعمال کرتے تھے۔" (Ross & Hills : OP. cit P.137)

ہربرٹ ملر کے بیان کے مطابق:

"مثرا (مذہب) بالخصوص (پولُس کی) قدیم عیسائیت سے کئی طرح مشابہ تھا۔ اس کے پیرو کار خفیہ مجالس اور (آپس میں) خود کو (عیسائیوں کی طرح) "بھائی" کہہ کر پکارتے ...... وہ اپنا سبت کا دن اتوار کو مناتے اور سالانہ تہوار 25 دسمبر کو...... ان کے خدا مثرا نے (ان کے نزدیک) قربانی دی تھی، جس نے نسل انسانی کو نجات عطا کی۔ اور وہ خدائے اکبر اور انسان کے درمیان شفیع تھا۔"

(Herbert Muller : OP,cit, P156 footnote)

شریعت کے متعلق پولُس کے نظریات

پولُس نے شریعت کو پرانا' نقص والا قرار دیا، اس نے شریعت کو لعنت اور اس پر عمل کرنے والوں کو لعنت کے ماتحت قرار دیا۔ اور یہ بیان دیا کہ ایمان لانے کے بعد شریعت کی ماتحتی ختم ہوگئی ہے اور شریعت پر عمل کرنے سے فضل سے محرومی ملتی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حوالہ جات سے ظاہر ہے۔

۱: مسیح ہمارے لیے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔

(گلتیوں 13:3)

عجیب و غریب فلسفہ ہے ایک طرف خدا بنا کر رکھ دیا اور دوسری طرف خدا بنانے کے بعد لعنتی قرار دے دیا۔ خیر دونوں صورتوں میں کتاب مقدس کے مطابق وہ اس قابل ہے کہ اس کو سنگسار کیا جائے۔

۱: خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرنے والے کے لیے کتابِ استثناء (5-2:17) میں سنگسار کرنے کا حکم ہے۔ اس لیے وہ قابل سنگسار تھا۔

۲: کتابِ احبار کے حکم (16-15:24) کے مطابق "جو خدا پر لعنت کرے اسے مار ڈالا جائے اور قطعی طور سنگسار کیا جائے۔"

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ پولُس کے ماننے والوں نے کتاب مقدس نہیں پڑھی ۔ ورنہ انھیں چاہیے تھا کہ وہ اسے سنگسار کرتے ۔ اور اس کے احکام ماننے سے انکار کر دیتے ۔

۲: ''کیونکہ اگر پہلا عہد بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لیے موقع نہ ڈھونڈا جاتا''

(عبرانیوں7:8)

۳: ''آدمی شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ یسوع مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہرتا ہے۔'' (گلتیوں16:2)

۴: ''جتنے شریعت کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں وہ سب لعنت کے ماتحت ہیں۔''

(گلتیوں9:3)

۵: ''تم جو شریعت کے وسیلے سے راست باز ٹھہرنا چاہتے، مسیح سے الگ ہو گئے ہو اور فضل سے محروم۔'' (گلتیوں4:5)

۶: ''کیونکہ اگر شریعت والے ہی وارث ہوں تو ایمان بے فائدہ رہا اور وعدہ لاحاصل ٹھہرا، کیونکہ شریعت تو غضب پیدا کرتی ہے اور جہاں شریعت نہیں وہاں حکم عدولی نہیں۔''

(رومیوں4:4-5)

عیسائیوں کے اس مقدس کا بیان یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ شریعت کے احکام سے تنگ تھا اور جان چھڑانا چاہ رہا تھا اس نے سوچا کہ شریعت ہونی ہی نہیں چاہیے اس لیے بہتر ہے اس کو ختم ہی کر دیا جائے لیکن خود سے ختم کرنا اس کے لیے مشکل تھا تو اس نے سوچا کہ یسوع علیہ السلام سے منسوب کر کے جان چھڑا لیتا ہوں اس لیے اس نے درج ذیل بیان دیا۔

۷: ''مسیح نے اپنے جسم کے ذریعے سے دشمنی یعنی وہ شریعت جس کے حکم ضابطوں پر تھے موقوف کر دی۔'' (افسیوں15:2)

اگر اس کے بیانات اور خطوط سے قطع نظر صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان دیکھیں تو انھوں نے شریعت کو کہیں منسوخ نہیں کیا بلکہ فرمایا:

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابیں منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں...... جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں بڑا کہلائے گا۔" (انجیل متی 5:17-19)

دوسری طرف کتاب استثناء کے مطابق خداوند نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ عیبال پر کھڑے ہو کر جو لعنت سنانے کو کہا تھا، اس میں یہ بھی تھا:

"لعنت اس شخص پر جو اس شریعت کی باتوں پر عمل کرنے کے لیے ان پر قائم نہ رہیں اور سب لوگ کہیں آمین۔" (کتابِ استثناء 27:26)

اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مطابق شریعت اور کتابیں منسوخ نہیں ہوئیں اس لیے کتاب استثناء کے مندرجہ بالا حکم کے مطابق اس پر لعنت پڑتی ہے اور اس حکم کے مطابق سب لوگوں کو پولس پر لعنت بھیجنی چاہیے کیونکہ کتاب مقدس کا حکم ہے اس لیے بھی کہ اس نے نہ صرف شریعت پر عمل کرنا چھوڑا بلکہ شریعت کو پرانا، مٹنے والا، لعنتی اور دشمنی قرار دیا اور اس کے ساتھ سب شریعت پر عمل کرنے والوں کو لعنت کے ماتحت قرار دیا۔ اسی لیے سب عیسائی حضرات پر فرض ہے کہ وہ پولس پر لعنت بھیجیں۔

حلال و حرام کے بارے میں پولس کے نظریات

پولس نے شریعت کے تحت موجود حلال حرام کے فرق کو بھی ختم قرار دے دیا جیسے کہ اس کے بیانات سے ظاہر ہے۔

۱: "پاک لوگوں کے لیے سب چیزیں پاک ہیں۔" (طِطُس 1:15)

۲: "خدا کی پیدا کی ہوئی ہر چیز اچھی ہے اور کوئی چیز لائق انکار نہیں بشرطیکہ شکر گزاری کے ساتھ کھائی جائے۔" (1۔ تیمتھیس 4:4)

۳: "مجھے معلوم ہے بلکہ خداوند یسوع میں مجھے یقین ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں لیکن جو اس کو حرام سمجھتا ہے اس کے لیے حرام ہے۔" (رومیوں 14:14)

انہی بیانات کی روشنی میں عیسائی حضرات اپنے لیے سؤر کا گوشت کھانا بھی حلال سمجھتے

ہیں کیونکہ ان بیانات اوران سے متعلقہ دوسرے بیانات سے تو واضح طور پر ہی ثابت ہوتا ہے کہ کچھ بھی کھانا حرام نہیں۔حرام صرف اسی کے لیے ہوگا جو کسی چیز کو حرام سمجھ لے۔اس طرح اگر کوئی دنیا کی سب چیزوں کو حلال سمجھ لے تو وہ حرام ہونے کے باوجود اس کے لیے حلال ہوگئیں۔یہ بیان بھی کتاب مقدس کے احکامات کے برعکس ہے کیونکہ کتاب مقدس میں حرام پرندوں اور جانوروں کی فہرست دی گئی ہے۔خصوصاً سؤر کو کتابِ احبار(8-7:11)، کتابِ استثناء(8:14) اور کتابِ یسعیاہ(5-2:65) میں حرام قرار دیا گیا ہے جس سے پولُس کے مندرجہ بالا اقوال غلط ثابت ہوتے ہیں۔

عشاءربانی

عشاءربانی عیسائی مذہب کی اہم ترین رسوم میں سے ہے،لیکن انجیل متی اور انجیلِ مرقس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس عمل کو مستقل رسم بنانے کا کوئی حکم نہیں دیا یہ حکم بھی سب سے پہلے پولُس نے دیا(1۔کرنتھیوں24:11)

اور لُوقا چونکہ پولُس کا شاگرد ہے،اس لیے اس نے بھی پولُس کی پیروی کی۔اس بات کو خود عیسائی علماء نے بھی تسلیم کیا ہے،ایف سی برکٹ لکھتے ہیں۔

”اگر آپ عشاءربانی کا حال مرقس میں پڑھیں گے تو اس عمل کو آئیندہ جاری رکھنے کا کوئی حکم آپ کو نہیں ملے گا۔لیکن مقدس پولُس جہاں یسوع کے اس عمل کا تذکرہ کرتا ہے۔وہاں ان سے منسوب کر کے اس جملے کا اضافہ کرتا ہے کہ”میری یادگاری کے لیے یہی کیا کرو۔“

(ایف۔سی برکٹ دا کرسچن ریلیجن ص148 جلد نمبر 3)

ختنہ کی منسوخی

ختنہ کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلا آ رہا ہے،”کتابِ پیدائش“ میں اس کا حکم ہے۔

”اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان

ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے......
اور میرا عہد تمھارے جسم میں ابدی عہد ہوگا، اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو، اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے، کیونکہ اس نے میرے عہد کو توڑا۔"

(کتابِ پیدائش 17:1-14)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا:

"اور آٹھویں دن لڑکے کا ختنہ کیا جائے۔" (کتابِ احبار 3:13)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ختنہ ہوا تھا (انجیل لوقا 21:2) اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی ایسا ارشاد موجود نہیں جس سے ختنہ کے حکم کی منسوخی ثابت ہو۔ پولُس ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے ختنہ کے اہم حکم کو منسوخ کیا۔

گلتیوں کے نام خط میں اس نے لکھا:

"دیکھو میں پولُس تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ختنہ کراؤ گے تو مسیح کو تم سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔" (گلتیوں 2:5)

اور "مسیح یسوع میں نہ تو ختنہ کچھ کام کا ہے نہ نامختونی مگر ایمان جو محبت کی راہ سے اثر کرتا ہے۔" (گلتیوں 6:5)

اس خط کے آخر میں اس کا بیان ہے:

"کیونکہ نہ ختنہ کچھ چیز ہے نہ نامختونی بلکہ نئے سرے سے مخلوق ہونا۔"

(گلتیوں 15:6)

پولُس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کتاب مقدس کی تعلیمات سے کچھ مزید اختلافات

۱: کتابِ زبور (5:116) میں خدا کو صادق، رحیم و کریم کہا گیا ہے اور کتابِ زبور (145:8-9) میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا سب پر مہربان ہے اس کی رحمت اس کی ساری مخلوق پر ہے۔

اس کے برعکس پولُس کے مطابق:

''زندہ خدا کے ہاتھوں میں پڑنا ہولناک بات ہے۔'' (عبرانیوں 31:10)

اس لیے کہ:

''کیونکہ ہمارا خدا بھسم کرنے والی آگ ہے'' (عبرانیوں 29:12)

مہربان و رحیم خدا کو اس نے اپنے خود ساختہ مکاشفات سے اٹھا کر ''بھسم کرنے والی آگ'' بنا دیا۔

۲: حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے پاس نبی بنا کر بھیجے گئے تھے جیسا کہ انجیل متی میں ان کا ارشاد منقول ہے:

''میں اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔''

(انجیل متی 24:15)

اسی لیے جب انھوں نے اپنے (شاگردوں) حواریوں کو بھیجا تو:

''ان بارہ کو یسوع نے بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف جانا۔'' (انجیل متی 10:5-6)

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف اور صرف بنی اسرائیل کے نبی تھے اور انھوں نے اپنے شاگردوں کو تبلیغ کے لیے بھی کسی غیر قوم کے شہر میں داخل ہونے سے منع کیا تھا، تبلیغ کرنا تو بڑی بات ہے۔ وہ صرف بنی اسرائیل ہی کو تبلیغ کرنا چاہتے تھے اس لیے وہ خود بھی بنی اسرائیل سے ہٹ کر کسی غیر قوم کو تبلیغ کرنے نہیں گئے اور شاگردوں کو بھی منع کیا۔ اس کے برعکس پولُس خود کو غیر قوموں کا رسول قرار دے کر اس پر فخر بھی کرتا ہے۔

''میں یہ باتیں تم غیر قوموں سے اس لیے کہتا ہوں۔ چونکہ میں غیر قوموں کا رسول ہوں اسی لیے اپنی خدمت کی بڑائی کرتا ہوں۔'' (رومیوں 13:11)

۳: پولُس نے کرنتھیوں کے نام اپنے پہلے خط میں کہا:

''کیونکہ اگر مسیح میں تمھارے دس ہزار استاد بھی ہوتے تو بھی تمھارے باپ بہت

سے نہیں، اس لیے کہ میں ہی انجیل کے وسیلہ سے یسوع مسیح میں تمھارا باپ بنا۔''

(1۔کرنتھیوں 15:14)

اس کا یہ بیان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان کی مخالفت کرتا ہے کیونکہ انھوں نے زمین پر کسی دوسرے کو اپنا باپ کہنے سے منع فرمایا تھا۔

''تم ربی نہ کہلاؤ کیونکہ تمھارا استاد ایک ہی ہے اور تم سب بھائی ہو اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیونکہ تمھارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے اور نہ کہ تم ھادی کہلاؤ کیونکہ تمھارا ہادی ایک ہی ہے یعنی صرف مسیح۔'' (انجیل متی 23:9-10)

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں لوگ رب یا ربی استاد کو بھی کہتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود کو صرف ھادی یعنی ''راستہ دکھانے والا'' بتایا اور کسی بھی دوسرے کو اپنا باپ کہنے سے منع کیا۔ اس لیے پولُس کا یہ قول غلط ہے کہ وہ سب عیسائیوں کا باپ بنا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ چرچ میں جا کر بھی پادریوں کو باپ (Father) کہنا منع ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زمین پر کسی بھی دوسرے کو باپ کہنے سے منع کیا تھا۔

پولُس کا جھوٹ

ویسے تو پولُس کے مندرجہ بالا تمام بیانات ہم نے کتاب مقدس کے حوالوں سے جُھوٹ ثابت کیے ہیں لیکن پولُس نے خود بھی اپنا جھوٹا ہونے کا اقرار کیا ہے اس لیے ہم نے مناسب یہ جانا کہ اس کا ذاتی قول بھی جس سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہے نقل کر دیا جائے۔ رومیوں کے نام خط میں وہ لکھتا ہے:

''اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گناہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے۔ اور ہم کیوں نہ برائی کریں تاکہ بھلائی ہو؟ چنانچہ ہم پر یہ تہمت بھی لگائی جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا مقولہ یہی ہے مگر ایسوں کا مجرم ٹھہرنا انصاف ہے۔'' (رومیوں 3:7-8)

پولُس کے مندرجہ بالا قول سے تین نتائج نکلتے ہیں۔

۱: وہ جھوٹ بولتا تھا۔

۲: اس جھوٹ کی وجہ سے اس کی شدید مخالفت ہوئی جیسا کہ اس نے کہا ہے ''پھر کیوں گناہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے'' یعنی اس کو اس کے جھوٹے بیانات پر گناہگار قرار دیا گیا اور یقیناً ایسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ہی کیا ہوگا کیونکہ وہ اس دور میں موجود تھے۔ دوسرا اسی وجہ سے اس نے کھل کر پطرس اور برناباس کو اپنے گلتیوں کے نام خط میں برا بھلا کہا ہے (اس کی عبارت اس کتاب میں ''پولُس کی مخالفت'' کے عنوان میں دی گئی ہے)۔

۳: وہ جھوٹ بول کر تبلیغ کرتا تھا اور اس کے لیے کسی بھی حد سے گزر جاتا تھا جیسا کہ اس کے بیان میں ہے ''میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی'' اور ''پھر ہم کیوں نہ برائی کریں تا کہ بھلائی پیدا ہو'' کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ جھوٹ کو ''ثواب سمجھ کر بولتا تھا کیونکہ اپنے تئیں وہ دین کی خدمت کر رہا تھا۔ اسی لیے آج تک اس کے اس قول کے باعث عیسائی علماء اپنی بائبل میں تبدیلیاں کرتے آرہے ہیں اور بائبل کا ہر کچھ عرصے بعد ''Revised Version'' یا ''Most Easiest Version'' سننے اور دیکھنے میں آتا ہے۔ نمونے کے طور پر کتاب استثناء باب نمبر 33 آیات نمبر 2-3 کو ملاحظہ فرمائیں جو ہر کچھ عرصہ بعد بدل چکی ہوتی ہے۔

پولُس کے اس عقیدے اور قول کی جڑیں بھی یونانی فلسفہ میں ملتی ہیں جیسا کہ تاریخ سے ظاہر ہے۔ موشیم نامی مؤرخ اپنی تاریخ مطبوعہ 1832 جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 25 میں دوسری صدی کے علماء کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

''افلاطون (مشہور یونانی فلسفی، سقراط کا شاگرد، ارسطو کا استاد) اور فیثا غورث (مشہور یونانی فلسفی، آواگون کا قائل) کے عقیدہ پر چلنے والوں میں ایک مشہور مقولہ تھا کہ سچائی بڑھانے اور خدا کی عبادت کے لیے جو جھوٹ اور فریب کیے

جائیں وہ نہ صرف جائز بلکہ لائق تحسین ہیں، سب سے پہلے ان لوگوں سے مصر کے یہودیوں نے یہ بات قبل مسیح کے دور میں اختیار کی، جیسا کہ بہت سی قدیم باتوں سے یہ ظاہر ہوتی ہے، پھر یہ ناپاک غلطی ان سے عیسائیوں میں منتقل ہوگئی۔ چنانچہ اس کا مشاہدہ ان بہت سی کتابوں سے ہوتا ہے جو بڑے لوگوں کی طرف جھوٹ منسوب کر دی گئیں ہیں۔''

اس مؤرخ کے مندرجہ بالا قول سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ پولُس کے ''جھوٹ بول کر خدا کی سچائی ظاہر کرنے'' کے عقیدے کی جڑیں بھی یونانی فلسفہ میں ہیں۔ دوسرا اس قول سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ عیسائیوں کو اپنی کتابوں میں جھوٹ بڑے لوگوں سے منسوب کرنے کی عادت بھی منتقل ہوگئی تھی جو کہ اناجیل سے بھی ثابت ہے۔ آپ بائبل کے مختلف دور کے تراجم اور Versions اپنے سامنے رکھ لیں، تصدیق آسانی ہو جائے گی۔ انجیل یوحنا جو دوسری صدی میں لکھی گئی تھی اس میں حضرت مسیح علیہ السلام یہ قول منسوب کر دیا گیا، ''جتنے مجھ سے پہلے آئے وہ چور اور ڈاکو ہیں۔'' (انجیل یوحنا: 9:10)

دوسری صدی میں یونانی تفکرات بہت زیادہ غالب تھے جیسا کہ تاریخ سے بھی ثابت ہے (تفصیل ''پولُس کی کامیابی کے اسباب'' والے عنوان میں ملاحظہ کریں)۔ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود بھی یہ فرمایا تھا کہ وہ نبیوں کی کتابوں کو منسوخ نہیں بلکہ پورا کرنے آئے ہیں (انجیل متی 5:17-19) اس لیے انجیل یوحنا میں منسوب حضرت مسیح علیہ السلام سے منسوب قول غلط ہے۔

شیطان کا قاصد

پولُس نے اپنے مکاشفات کے بارے میں خود ہی یہ بیان دیا کہ اس کے مکاشفوں کی زیادتی سے ''پھول جانے کے خدشے'' سے اس پر شیطان کا قاصد مکّے مارنے کے لیے مقرر کیا گیا۔

اس قسم کا بیان کبھی بھی کسی نبی، یا اولیاء اللہ سے نہیں ملتا۔ انبیاء کرام علیہ السلام اور رسول خدا

کی طرف سے ہوتے ہیں جن کے ذریعے خدا اپنی تعلیمات اپنے بندوں تک پہنچاتا ہے اور چونکہ وحی اور پیغام خدا کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لیے ہوتا ہے اس لیے شیطان یا شیطان کا قاصد مقرر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پولُس خدا کی طرف سے مقرر کردہ نہیں تھا اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منتخب کردہ حواریوں میں تھا۔

"اور مکاشفوں کی زیادتی کے باعث، میرے پھُول جانے کے اندیشے سے، میرے جسم میں کانٹا چبھویا گیا، یعنی شیطان کا قاصد، تاکہ وہ مجھے مکّے مارے اور میں پھُول نہ جاؤں۔" (2۔کرنتھیوں 12:7)

اور جیسا کہ اس کے بیان کے مطابق اس پر شیطان کا قاصد مقرر تھا۔ لہٰذا وہ شیطان کا قاصد ہی یونانی و دیگر مشرکانہ مذاہب سے اخذ کردہ تعلیمات کو پولُس کی طرف وحی کرتا تھا جس کو وہ مکاشفوں کا نام دے کر خدا کی مخلوق کو گمراہ کرتا تھا۔ قرآن کے مطابق:

﴿اِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓـئِہِمۡ﴾ (الانعام : 121)

"بے شک شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں۔"

چونکہ پولُس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کو بدلا اور اس کے اپنے بیان سے بھی ثابت ہوا کہ وہ بلاشبہ شیاطین کا دوست تھا۔

پولُس کی مخالفت

پولُس نے خودساختہ مکاشفات کا دعویٰ کر کے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بدل ڈالیں تو ایسا نہیں تھا کہ اس کی مخالفت نہ کی گئی ہو، اس کی شدید ترین مخالفت کی گئی۔ خصوصاً اس کو شریعت کی مخالفت میں دیئے گئے بیانات پر شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ پولُس کو اس مسئلہ پر یہودی مذہبی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ وہ دو مختلف طبقات فکر یعنی صدوقی اور فریسی سے ہیں تو اس نے ان کو آپس کے اختلافات کو ابھار کر ان میں پھوٹ ڈال دی اور وہ ان کے شکنجے سے بچ گیا۔ (کتاب اعمال 23:6-10) جب اسے رومی حاکم فلیکس کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اپنی تعلیمات کے برعکس صرف اپنے باپ

دادا کے خدا کی عبادت، توریت اور نبیوں کے صحیفوں پر ایمان اور قیامت پر یقین کا اظہار کیا (کتابِ اعمال 24:1-14) اگر بادشاہ کے سامنے کے سامنے تقریر میں بھی اس نے سزا سے بچنے کے لیے شریعت کی مخالفت میں کوئی بیان نہیں دیا، نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے نظریات بیان کیے۔ بادشاہ کے سامنے تقریر میں اس نے مسیح کو مکاشفہ میں دیکھے کے علاوہ صرف ''توبہ'' اور خدا سے رجوع پر زور دیا۔ تیمتھس کے نام اس کے خط میں اس کا بیان ہے۔

''تو جانتا ہے کہ آسیہ کے سب لوگ مجھ سے پھر گئے ہیں جن میں فُوگلس اور ہِرمُگنیس ہیں۔'' (2۔ تیمتھس 1:15)

گلتیوں کے نام سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ اپنی مخالفت کی وجہ سے شدید غصے اور پریشانی کا شکار تھا۔ اس خط میں وہ پہلی دفعہ کھل کر سامنے آیا اور اس نے اقرار کیا کہ اس کی تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام منتخب کردہ حواریوں سے مختلف ہیں جیسا کہ اس کے اس بیان سے بھی واضح ہوتا ہے:

''میں تعجب کرتا ہوں کہ جس نے تمھیں مسیح کے فضل کی طرف بلایا اس سے تم کس قدر جلد پھر کر کسی اور طرح کی خوشخبری کی طرف مائل ہونے لگے ہو۔ (گلتیوں 1:6) (خوشخبری عبرانی زبان میں انجیل کو کہتے ہیں۔) یعنی اس کی انجیل سے قطع نظر۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ان کی انجیل کے مطابق تبلیغ کر رہے تھے اسی وجہ سے اس نے ان کو ملعون قرار دیا۔

''میں پھر کہتا ہوں کہ اس خوشخبری کے سوا جو تم نے قبول کی اگر تمھیں کوئی اور خوشخبری سناتا ہے تو ملعون ہو۔ (گلتیوں 1:7-9)

اس نے اپنی خود ساختہ انجیل سے ہٹ کر ان تمام تعلیمات جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تھیں اور ان سے ان کے حواریوں تک پہنچی تھیں۔ ان تعلیمات کو بکواس قرار دیا اس کے اپنے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حواریوں کی تعلیمات میں شریعت کی پابندی موجود تھی اور بہت سے لوگ

ان تعلیمات پر ایمان لا کر ان پر عمل کر رہے تھے۔

''ان کو چھوڑ کر بعض شخص بیہودہ بکواس کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں اور شریعت کے معلم بننا چاہتے ہیں، حالانکہ جو باتیں کہتے ہیں اور جن کا یقینی طور سے دعویٰ کرتے ہیں ان کو سمجھتے بھی نہیں۔'' (1۔ تیمتھس 6:1-7)

خط کے آخر میں ہم ہمیشہ تاکیدی طور پر کوئی بہت اہم بات لکھتے ہیں اور پولُس کی مخالفت اس قدر شدید تھی کہ اس نے صرف خط کے شروع میں تاکید تھی اس کو کافی نہ سمجھا اور خط کے اختتام پر بھی تیمتھس کو تاکید کی کہ وہ مخالفت پر توجہ نہ دے اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تیمتھس بھی اس شدید مخالفت سے پریشانی کا شکار تھا۔

''جس علم کو علم کہنا ہی غلط ہے، اس کی بیہودہ بکواس اور مخالفت پر توجہ نہ کر۔ بعض اس کا اقرار کر کے ایمان سے برگشتہ ہو گئے ہیں'' (1۔ تیمتھس 6:20-21)

برناباس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ حواری ہیں جو پولُس کے نظریاتی انقلاب کے بعد سب سے پہلے اسے ملے، حواریوں میں ان کے مقام کا اندازہ کتابِ اعمال کی اس عبارت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

''اور یوسف نامی ایک لاوی تھا، جس کا نام رسولوں نے برناباس یعنی ''نصیحت کا بیٹا'' رکھا تھا اور جس کی پیدائش کُپرس کی تھی۔ اس کا ایک کھیت تھا جسے اس نے بیچا اور قیمت لا کر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی'' (کتابِ اعمال 4:36-37)

یہ برناباس تھے جنھوں نے پولُس کو مخلص عیسائی سمجھ کر حواریوں کے سامنے اس کی تصدیق کی کیونکہ وہ اسے قبول کرتے ہوئے ڈرتے تھے (کتابِ اعمال 9:26-27)۔ پولُس اور برنباس کافی عرصہ تک ہمسفر رہے اور ایک ساتھ عیسائیت کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا۔

(کتابِ اعمال 11:21-30، 12:25، 13:6، 14:15)

ان کے لیے دوسرے حواریوں نے یہ شہادت دی:

''یہ دونوں ایسے آدمی ہیں جنھوں نے اپنی جانیں ہمارے خداوند یسوع مسیح پر

نثار کر رکھی ہیں۔" (کتابِ اعمال: 11:21-30)

لیکن جب پولُس نے اپنے خود ساختہ مکاشفات کی تبلیغ شروع کی تو برنباس اس سے علیحدہ ہوگئے۔ لوقا نے کتاب اعمال میں اس کی جو وجہ بیان کی وہ یہ ہے کہ ایک سفر پر جاتے ہوئے برنباس مرقس کو لے جانا چاہتے تھے اور پولُس سیلاس کو اس لیے دونوں میں جھگڑا ہوگیا اور ان کی راہیں جدا ہوگئیں (کتابِ اعمال 15:35-41) لیکن ایک دیندار حواری جنھوں نے اپنی ساری دولت اور زندگی بھی عیسائیت کے لیے وقف کردی تھی اتنی چھوٹی بات کو اتنا بڑا مسئلہ نہیں بنا سکتے تھے کہ ہمیشہ کے لیے ان میں جدائی ہوگئی۔ لوقا نے کتاب اعمال میں ان کے اختلاف اور جدائی کو بیان کرنے کے لیے جو یونانی الفاظ استعمال کیے ہیں وہ غیر معمولی طور پر سخت الفاظ ہیں۔ مسٹر ای ایم لاک اپنی کتاب اعمال کی شرح میں لکھتے ہیں "اب لوقا ایمانداری کے ساتھ دونوں رفقاء (پولُس، برنباس) کے درمیان واقع ہونے والے اختلاف کی المناک کہانی لکھتا ہے، جو لفظ اس نے استعمال کیا ہے "Paraxsums" وہ بڑا سخت لفظ ہے اور انگریزی مترجم (کنگ جیمز ورژن) نے اس لفظ کے ترجمے میں لفظ (تیز، سخت) کا اضافہ بالکل درست کیا ہے۔" پولُس اور برنباس ایک دوسرے سے جدا ہوجاتے ہیں۔ یہاں پھر جدائی کے لیے جو یونانی زبان کا ایک ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو بڑا سخت ہے اور عام طور پر استعمال نہیں کیا جاتا، یہ لفظ عہد نامہ جدید میں یہاں کے علاوہ صرف مکاشفہ (14:6) میں ملتا ہے جہاں آسمانوں کے تباہ ہو کر جدا ہونے کا ذکر ہے

(Blacklock Commentry of Acts. Edited By R.V.G Tasker P118/119)

۱: ایک شخص مرقس کو لے جانا چاہے اور دوسرا سیلاس کو یہ بات اتنی بڑی نہیں ہوسکتی کہ ہمیشہ کے لیے جدائی ہوجائے جبکہ اس بندے نے اپنی زندگی تبلیغ کے لیے وقف بھی کی ہو وہ یقیناً ایسا نہیں کرسکتا۔

۲: پولُس کے خطوط سے یہ بات ثابت ہے کہ اس کا مرقس سے بہت زیادہ اہمیت کا اختلاف نہیں تھا پولُس نے اپنے ایک خط میں تیمتھس کو مرقس کو اپنی خدمت کے لیے

ساتھ لانے کی تاکید کی (2۔ تیمتھس 11:4)۔ اور افسیوں کے نام خط میں مرقس سے اچھی طرح ملنے کی تاکید کی (افسیوں 1:4)۔ لیکن عہد نامہ جدید میں کبھی پولُس اور برنباس اس کے بعد اکٹھے نہیں ہوئے۔ پولُس اور برنباس کی تبلیغ کے دوران غیر قومیں کچھ احکامات کے ڈر سے حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات پر ایمان نہیں لا رہی تھیں اس لیے یروشلم میں حواریوں کی کونسل نے اجتماعی طور پر غیر قوموں کے نام خط میں کہا:

''ہم نے مناسب جانا کہ ان ضروری باتوں کے سوا تم پر اور بوجھ نہ ڈالیں کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے، اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرامکاری سے پرہیز کرو۔ اگر تم ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو گے تو سلامت رہو گے۔ والسلام'' (کتابِ اعمال 15:28-29)

یعنی حواریوں نے شریعت کو منسوخ نہیں کیا تھا بلکہ ایک اہم مصلحت کی وجہ سے غیر قوموں کو اس کے بغیر دین عیسوی میں داخل ہونے کی اجازت دی تھی۔ لیکن جب برنباس اور پولُس انطاکیہ پہنچے تو پولُس نے یہ تعلیم دینی شروع کر دی کہ (شریعت) تورات کے تمام احکام منسوخ ہو گئے ہیں، اس کے احکام لعنت تھے جس سے ہم چھوٹ گئے ہیں اور ان پر عمل کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ پولُس کی ان تعلیمات کو قبول کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف تھا اس لیے برنباس اور پطرس نے اس کی شدید مخالفت کی جیسا کہ اس نے گلتیوں کے نام خط میں لکھا۔

''لیکن جب کیفا (پطرس) انطاکیہ آیا تو میں رُو برو ہو کر اس کی مخالفت کی کیونکہ وہ ملامت کے لائق تھا۔ اس لیے کہ یعقوب کی طرف سے چند شخصوں کے آنے سے پہلے تو وہ غیر قوموں کے ساتھ کھایا کرتا تھا، مگر جب وہ آ گئے تو مختونوں سے ڈر کر باز رہا اور کنارہ کیا، اور باقی یہودیوں نے بھی اس کے ساتھ ریاکاری کی۔ یہاں تک کہ برنباس بھی ان کے ساتھ ریاکاری میں پڑ گیا۔''

(گلتیوں 2:11-13)

پطرس حواری جنھیں ''اعظم الحوارییں'' کا لقب دیا گیا اس کے نزدیک ملامت کے قابل ٹھہرے۔ یقیناً انھوں نے پولُس کی تعلیمات کی بہت شدید مخالفت کی تھی۔ کتابِ اعمال کے پندرھویں باب تک پطرس کی تمام سرگرمیاں بیان کی گئیں اس تمام عرصے میں پطرس اور پولُس ہم خیال نظر آتے ہیں لیکن ''حواریوں کے سردار'' پطرس بھی برنباس کی طرح پندرھویں باب کے بعد سرے سے غائب ہوگئے۔ پولُس کا شاگرد لوقا دونوں کے احوال بیان کرتا رہا لیکن جیسے ہی پولس کی تعلیمات بدلنے سے دونوں نے اس کی مخالفت شروع کی لوقا نے ان دونوں کا ذکر بند کردیا۔ پولُس کے اپنے خط (1۔کرنتھیوں) سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کیفا (پطرس) نے بھی برنباس کی طرح علیحدگی اختیار کرکے پولُس سے الگ کوئی جماعت بنائی تھی تاکہ دین وعیسوی کے صحیح عقائد کی تبلیغ کی جائے۔ اور پولُس اور کیفا (پطرس) کی جماعتوں میں آپس میں جھگڑے ہورہے تھے۔

> ''اے بھائیو! مجھے تمھاری نسبت خلوئے کے گھر والوں سے معلوم ہوا ہے کہ تم میں جھگڑے ہو رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ تم میں سے کوئی تو اپنے آپ کو پولُس کا کہتا ہے، کوئی اپلوس کا، کوئی کیفا (پطرس) کا، کوئی مسیح کا۔''

(1۔کرنتھیوں 1:11-12)

یعنی اس وقت اس کی غلط تعلیمات کی وجہ سے لوگ تفرقے میں پڑ گئے تھے اور کوئی اس کی تعلیمات کو صحیح مانتا تھا اور کوئی دوسرے حواریوں کی تعلیمات کو۔ یہ خبر جب اس تک پہنچی تو اس نے جو خط لکھا اوپر اس کا اقتباس (حوالہ) ہے۔

پولُس کی کامیابی کے اسباب

قرن اول میں ابیونی (Ebionites) فرقہ نے پولُس کے خطوط کو مکمل طور پر مسترد کرکے انھیں دین کی بنیاد بنانے سے انکار کیا۔ انھوں نے موسوی شریعت پر زور دینے کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے کی بجائے ایک عظیم انسان اور رسول قرار دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کے دور میں عیسائیوں کو نصرانی یا ناصری کہا جاتا تھا (کتابِ اعمال

5:24)۔ ابیونی نظریات نصرانی نظریات کے مماثل تھے۔

(The Oxford Dictionary of Church P941)

اس طرح ابیونی بڑی حد تک ''اس عیسائیت'' کے امین تھے جو پولسی اثرات وتحریفات سے پہلے موجود تھی۔ مسٹر جے، ایم رابرٹسن کے مطابق یہ لوگ مسیح کی خدائی کا انکار کرتے تھے اور پولس کو رسول تسلیم نہ کرتے تھے۔

(M.Robertson, History of Christanity London P5 1913)

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار آرینوس سے نقل کر کے بیان کرتا ہے، ''ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مسیح ایک انسان تھے جسے معجزات دیئے گئے تھے، یہ لوگ پولس کے بارے میں یہ تسلیم نہ کرتے تھے کہ وہ موسوی دین سے برگشتہ ہوکر عیسائی ہوگیا تھا، اور یہ لوگ خود موسوی شریعت کے احکام اور رسموں، یہاں تک کہ ختنہ پر بھی مضبوطی کے ساتھ کاربند تھے۔'' (برٹانیکا ص 881، ج 7، مقالہ Ebionities)۔ اس کے علاوہ ابتدائی دور میں دوسیتی (Docetists) فرقے نے بھی پولیست کا انکار کیا جن کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا تھا اور ان کی بجائے غدار یہوداہ اسکریوتی یا شمعون کرینی مصلوب ہوا۔(The Oxford Dictionary of Church P941)۔ پولس کے بعد کے دور میں ''رسولوں کی تعلیم (Teachings of the Apstoles) نامی تحریر کو الہامی دستاویز سمجھا جاتا تھا۔ اس کتاب میں ''مسیح کے کفارہ'' اور نجات آفرین موت کا کوئی ذکر نہ تھا۔

(Henery Chadwick: The early church (Penguin books 1984 P46-47)

(J.C Brekower: Faith & Justification, Michigan 1960 P74)

پہلی صدی کے آخر میں ''بزرگ ہرمس'' کی لکھی ہوئی کتاب ''چرواہا'' کو طویل عرصہ تک الہامی کتاب کی حیثیت حاصل رہی جس میں ''مسیح کی الوھیت'' کی بجائے ''خدا کی توحید'' کی اجاگر کیا گیا تھا۔

(Encyclopaedia Biblica, London 1899, C.1831, E.J. Goodspeed

The Apstolic Fathers, London, 1950

یہ بات ممکن تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے نتیجے میں پولُس کی تعلیمات کے اثرات کم یا ختم ہوجاتے جیسا کہ اوپر کے بیان سے بھی ظاہر ہے لیکن دوسری صدی میں پولسیت کے ساتھ ایسے لوگ وابستہ ہوگئے جنھوں نے اس کے نظریات کی بہت زیادہ اشاعت کی اور وقت گزرنے کے ساتھ ان کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل ہوگئی اصل میں عیسائیت پولسیت اور یونانی نظریات سے مغلوب ہوگئی تھی اریئیس (200م)، اور طرطلیان (220م) نے اس سوچ کے زیرِ اثر ''قاعدہ ایمان'' (Rule of Faith) وضع کیا جسے انجیل سمجھنے کی کلید (چابی) قرار دیا گیا اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ''ابن اللہ'' اور ''نجات دہندہ'' ہونے، نیز روح القدس کی عظمت پر زور دیا گیا۔ (Ibid P44-45) شاہ قسطنطین سے پہلے رومی بادشاہوں نے عیسائیوں پر بے تحاشا ظلم کیے لیکن وہ عیسائیوں کی طرف مائل ہوا اور اس نے 313ء میں عیسائیوں کے متعلق رواداری کا حکم دیا۔ (325م) نیقیہ (Nieca) کی پہلی کونسل اس بادشاہ نے اس لیے بلائی تھی کہ اس وقت آریوس اور اس کے پیروکاروں (جو کہ مؤحد اور ایک خدا کو ماننے والے تھے) اور پولُس کے حامیوں میں جھگڑے ہو رہے تھے اور وہ ان جھگڑوں کی وجہ سے اور ملک کا امن و امان خراب ہونے کی وجہ سے پریشان تھا۔

(J.Kaye: The Council of Nieca, London 1835, P25)

لیکن اس نے اس کانفرنس میں پولُس کے حامیوں کا ساتھ دیا کیونکہ وہ اس کے یونانی نظریے کے مماثل تھا۔ جیمز میک کینن لکھتے ہیں۔

> ''یہ کہنا بہت ہی مشکل ہے کہ اس کونسل میں تمام عالم عیسائیت کے نمائندے شریک تھے، اس میں مغرب کے علاقے کے بہت کم افراد شامل ہوئے تھے، کل تین سو بشپ حاضر تھے جن کی اکثریت یونانی تھی۔''

(From Christ To Constantine)

اس کونسل میں آریوس کے نظریات پر ایک منٹ کے لیے بھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا۔ تھیوڈورٹ لکھتا ہے'

''جونہی آریوس کا فارمولا کونسل کے سامنے پڑھا گیا، اسے فوراً پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا اور اسی لمحے اسے جھوٹ قرار دے دیا گیا۔''

(From Christ To Constantine)

''رومی بادشاہ قسطنطین کے زیرِ اثر، جس نے ابھی تک عیسائیت قبول نہیں کی تھی، جب نیقیہ کونسل 325ء نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور اس کے ساتھ متحد الاصل قرار دے کر ان کی الوہیت کی راہ ہموار کی تو ان کے ساتھ روح القدس کو ملا کر عیسائیت کی تثلیث مکمل کر دی۔'' (Encyclo Brit 1962 Vol 5 P576)

یہ فیصلہ خالصتاً یونانی فکر کا حاصل تھا۔''

(Encyclo Brit 1620 Vol 5 P633)

پولس کے عقائد کے تحت:

''مسیح کو کلام کا مظہر ماننا تیسری صدی کے اختتام تک عام ہو چکا تھا مگر ابھی ان کی خدائی کا انکار بکثرت کو تھا...... 325ء میں جا کر نیقیہ کونسل میں مسیح کی خدائی کو سرکاری منظوری ملی'' (Encyclo Brit 1962 Vol 5, P667) اور کلسیا نے یہ قرار دیا ''باپ بھی خدا ہے، بیٹا بھی خدا ہے اور روح القدس بھی خدا ہے، تاہم وہ تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے۔''

(Encyclo Brit 1962 Vol 22 P973)

یہ بھی کہا گیا: ''خدا تین واقعی مختلف شخصیتیں (اقانیم) ہیں اور وہ تینوں آپس میں مساوی، ازلی اور ایک ہی جوہر سے ہیں اور مساوی تسبیح و تقدیس کے حقدار ہیں۔'' (New Catholic Dictionary P973) ''اس فیصلے کے بعد بھی طویل عرصے تک عوام میں اختلافات چلتے رہے، خاص طور پر مشرقی عیسائی

تو کسی بھی طرح نیقیہ کونسل کے فیصلے ماننے کو تیار نہ تھے لیکن حکومت نے انھیں بزور ٹھنڈا کر دیا اور یہ مخالفتیں دھیمی پڑ گئیں۔"

(James Mack Canon From Christ To Constantine)

اس کے بعد جن لوگوں نے کلیسا کے اس نظریے اس اختلاف کیا انھیں جلاوطن کیا گیا (Henery Chădwick, OP cit P 120)، اذیتیں دی گئیں اور جلایا بھی گیا۔

(E.M.Wilbur A History of Unitariansm, Essay of Michael Sevitus;

A wallace: anti Tranitarian Biographies London. 1980 P44,45, 79)

عقیدہ تثلیث جس پر ایمان لائے بغیر کوئی عیسائی نہیں ہوسکتا اور جس پر عیسائیت کا ایک اور اہم عقیدہ بھی کھڑا ہے یعنی عقیدہ کفارہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ان کے حواری اور اولین دور کے عیسائی اس عقیدے کو نہیں مانتے تھے اور اس پر ان کا ذرہ برابر بھی ایمان نہیں تھا تو کیا وہ لوگ عیسائی نہیں تھے؟ یا اس دور کے لوگ عیسائی نہیں ہیں؟

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مطابق اولین دور کے عیسائی اس عقیدے کو نہیں مانتے تھے۔

"تثلیث کا عقیدہ انھیں توحید خداوندی، جس پر کتب مقدسہ میں زور دیا گیا تھا، سے متضاد معلوم ہوتا تھا، اس لیے انھوں سے اس کا انکار کیا اور یسوع مسیح کو مجسم خدا کے طور پر نہیں بلکہ خدا کی اعلیٰ ترین مخلوق کے طور پر قبول کیا۔"

(Encyclo Brit 14th Edition 1929 Vol 3 P 634)

پولُس کے عیسائیت کے بانی ہونے کے بارے میں عیسائی علماء کا اعتراف

پولُس کے عیسائیت کا بانی ہونے کو خود عیسائی علماء نے تسلیم کیا ہے۔ یہاں پر صرف چند اقوال بطور نمونہ نقل کیے جا رہے ہیں۔

1: لوئی وینک کے بقول کے مطابق:

"اس نے (یعنی پولس نے) عیسائیت کے ٹکڑے کر کے اسے یہودیت سے الگ ایک شکل عطا کی۔ اس لیے وہ ان کلیساؤں کا خالق بن گیا، جو یسوع کے

نام پر بنے۔" (Ibid P6)

اور

"اگر پولُس نہ ہوتا تو عیسائیت یہودی مذہب کا ایک فرقہ بن جاتا اور کوئی کائناتی مذہب نہ ہوتا۔" (Ibid P71)

2: وردے اور دوسرے بہت سے مفکرین نے اس کے لیے کہا

"کلیسائی عیسائیت کا بانی، جو کہ عیسیٰ کی عیسائیت سے ممتاز و مختلف ہے۔"

(Encyclo Brit 1962, Vol 17. P935; J. Lehman: OP. cit P127)

باب نمبر ۲:

عقیدہ تثلیث

(The Trinity)

تثلیث عیسائیت کے بنیادی عقائد میں سے ہے اور ساری عیسائیت اس کے گرد گھومتی ہے بلکہ اگر یہ کہیں کہ عیسائیت کی بنیاد ہی اس پر ہے تو بے جانہ ہوگا کیونکہ عیسائیت کا دوسرا مرکزی عقیدہ یعنی کفارہ بھی اس کی بنیاد پر کھڑا ہے۔

تثلیث ہے کیا؟ اگر آپ کتاب مقدس کا ایک ایک حرف بھی غور سے پڑھیں تو بھی لفظ ''تثلیث'' آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ اس عقیدے کی وہ تشریح جو عیسائیوں کے ہاں سب سے زیادہ مقبول عام ہے، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے الفاظ میں یوں ہے۔

''تثلیث کے عیسائی نظریے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ باپ خدا ہے، بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے، لیکن یہ تین مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہیں اس لیے عیسائی نظرے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں۔ اسی طرح کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کردی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔'' (The Encyclopaedie Brit 1950. P479 V22 Trinity)

عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم (Persons) سے مرکب ہے۔ 1۔ باپ 2۔ بیٹا 3۔ روح القدس۔ اسی عقیدے کو عقیدہ تثلیث کہا جاتا ہے ھیسٹنگز کی لغت میں عقیدہ تثلیث کی یہ وضاحت دی گئی ہے۔

''**تثلیث**: خدا کے بارے میں عیسائیوں کا یہ نظریہ کہ وہ تین اقانیم مگر واحد جوہر کی

حیثیت میں وجود رکھتا ہے۔"

(James Hasting; Dictionary of the Bible Edinburgh P.1015 1963)

عقیدہ تثلیث کے بارے میں عیسائی علماء کے بیانات اس قدر متضاد ہیں کہ یقینی طور پر اس کو سمجھنا ایک عام انسان کے لیے انتہائی مشکل ہے۔ ان تین اقانیم میں سے ہر ایک کی انفرادی حیثیت کیا ہے؟ اور خدائے مجموع سے اس کا کیا رشتہ ہے؟ اس سوال نے عیسائیت میں لاتعداد فرقوں کو جنم دیا۔ مثلاً فرقہ مرقولیہ، یعقوبی فرقہ، پولسی فرقہ، نسطوری فرقہ وغیرہ۔ ایک فرقہ (نسطوری فرقہ) کا کہنا تھا کہ حضرت مسیح انسان بھی تھے اور خدا بھی لیکن "مسیح دو مختلف ماہیتوں کا مجموعہ تھے، یعنی خدائی اور انسانی ماہیت، اور ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں تھا۔"

{Outline of Christanity, The story of our civiliztion, edited by A.S. Peak & R.J. Parsons). Vol2. P.28}

ایک فرقے (یعقوبی) کے بارے میں دی ورلڈ فیملی انسائیکلو پیڈیا، (ص 638، ج 10 مطبوعہ نیویارک 1957) نے ان کا نظریہ اس طرح بیان کیا "وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ مسیح میں خدائی اور انسانی حقیقتیں اس طرح متحد ہو گئیں تھیں کہ وہ صرف ایک حقیقت بن گئی تھی۔ اور ایک فرقہ (کیتھولک) کا یہ کہنا ہے کہ" ان تین میں سے ہر ایک بذات خود بھی ویسا ہی خدا ہے جیسے مجموعۂ خدا۔"

(The Encyclopaedia Brit 1950 P 479 V-22 Trinity)

گویا ایک معمہ بنا کر بیٹھ ہیں جس کو حل کرنے کے لیے خوار ہوتے رہتے ہیں۔

تثلیث فی التوحید

عیسائیوں کی ایک مستند کتاب " قاموس الکتاب" صفحہ 233 پر" تثلیث فی التوحید" کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"مسیحی ایمان کا مرکزی عقیدہ:۔ یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ مسیحی عقیدہ تثلیث نہیں " تثلیث فی التوحید" ہے۔ لفظ تثلیث کتاب مقدس میں موجود

نہیں۔ اصطلاح ''تثلیث فی التوحید'' پہلی مرتبہ، دوسری صدی عیسوی کے آخری عشرے میں ''بزرگ طرطلیان'' نے استعمال کی اور یہ مسئلہ مسیحی علم الٰہی میں اس شکل میں چوتھی صدی عیسوی میں بیان کیا گیا۔ تاہم یہ اس مذہب کا بنیادی امتیازی اور جامع مسئلہ ہے۔''

آپ نے دیکھا کہ اس میں صاف اقرار کیا گیا ہے کہ یہ غیر انجیلی اصطلاح ہے اور اس کا نام بھی دوسری صدی کے آخر سے پہلے موجود نہیں تھا۔ بزرگ طرطلیان نے پہلی دفعہ اس کو ''تثلیث فی التوحید'' کے نام سے نوازا۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ان کے حواری اور ان کے پیروکار اس نام سے بھی واقف نہیں تھے۔ اور وہ دنیا سے اس عقیدے پر ایمان لائے بغیر ہی چلے گئے۔ پھر آخر یہ عقیدہ عیسائیت میں مرکزی عقیدے کی حیثیت کیسے اختیار کر گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس عقیدے کا بانی پولُس ہے جس نے سب سے پہلے اس عقیدے کی تبلیغ کی، اسی کی تعلیمات کے نتیجے میں یہ عقیدہ پروان چڑھا (کلسیوں کے نام 1:15-16, 2:9) لیکن اس عقیدے کو نام بزرگ طرطلیان نے دیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کتاب مقدس اس بارے میں کیا کہتی ہے؟ خدا ایک ہے؟ تین ہے؟ یا تین کو ملا کر ایک اقنوم ہیں؟ بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب مقدس کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا، خدا کے بیٹے، یا اس کا مظہر نہیں تھے بلکہ انسان اور رسول تھے۔ اناجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا سے جانے کے بہت عرصہ بعد لکھی گئیں جب کہ پولسیت اصل عقائد پر غالب آچکی تھی مگر اس کے باوجود پولسیت کے ساتھ ساتھ اناجیل میں اصل عقائد کے اثرات بھی موجود تھے، جنھیں عقائد سازی میں پادریوں، کونسلوں اور بادشاہوں نے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا۔

عہد نامہ قدیم اور توحید

کتاب مقدس کو مکمل طور پر الہامی قرار دینا تو ممکن نہیں لیکن اس کے دونوں حصوں یعنی عہد نامہ قدیم و جدید میں انبیاء کرام علیہ السلام اور خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و توحید کے

اثرات کوتحریف کے باوجود مکمل طور پر دبایا نہیں جاسکا۔ پرانے عہد نامہ کی کتابِ استثناء میں قوم اسرائیل کا مشہور کلمہ شمع (Shama) (عربی اسمع) اپنے مفہوم کے اعتبار سے اسلام کے کلمہ شہادت اور سورۃ اخلاص سے بالکل بھی مختلف نہیں۔ خصوصاً اپنے عربی و عبرانی متن میں اس کے الفاظ سورۃ اخلاص کی آیت نمبر 1 کا مفہوم ہیں۔

عربی: اسمع یا اسرائیل ان الرب الهنا ،رب واحد (الکتاب المقدس عربی بیروت 1899)

Shema Yisrael Adoni Elohem Adonoi Ehod

عبرانی: شمع یا اسرائیل ادونائی الوہیم، ادونائی احاد

اردو: اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے (کتابِ استثناء 4:6)

یعنی اللہ یا خدا ایک ہی ہے تین نہیں ہیں۔ اس سے اگلی آیت میں ہے ''تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنے ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا سے محبت رکھ۔''

(کتابِ استثناء 5:6)

یہی بات عہد نامہ جدید میں یوں بیان کی گئی ہے، ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو خدائی احکام ملے تھے ان میں پہلا حکم کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

''شمع یا اسرائیل ادونائی الوهیم ادونائی احاد''

''یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے کہ اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل، اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔''

(انجیل مرقس 12:29-30، انجیل متی 22:37-38، انجیل لوقا 10:27-28)

قرآن میں سورۃ الزخرف آیات 62-63 میں بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فقط ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اس سے ڈرو یہی راہ راست ہے جو کہ اناجیل

تائید کرتا ہے۔

قرآن میں سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۝﴾

(سورة آل عمران : 164)

''آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب ایسی انصاف کی بات پر آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیرلیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔''

اسی طرح کا ایک اور حکم خدائی وحدانیت کے بارے میں کتاب استثناء میں ہے:

''پس اے اسرائیل! خداوند اتیرا خدا تجھ سے اس کے سوا اور کیا چاہتا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کا خوف مانے اور اس کی سب راہوں پر چلے اور اس سے محبت رکھے اور اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے خداوند اپنے خدا کی بندگی کرے اور خداوند کے جو احکام اور آئین میں تجھ کو بتاتا ہوں ان پر عمل کرے تاکہ تیری خیر ہو، دیکھ آسمان اور آسمانوں کا آسمان اور زمین اور زمین میں جو کچھ ہے یہ سب خداوند تیرے خدا ہی کا ہے۔'' (کتابِ استثناء10:12-14)

کتاب مقدس میں خدا کی وحدانیت کی اتنی سختی سے تاکید کی گئی ہے کہ اگر کسی کے بارے میں یہ پتا چلے کہ اس نے خدا کے علاوہ کسی اور کی پرستش کی ہے اور تحقیق کرنے پر یہ بات درست ثابت ہو تو خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے اور غیر خدا کی عبادت کرنے والے کو عبرتناک مثال بنانے کے لیے شہر سے باہر نکال کر سنگسار کیا جائے تاکہ کوئی دوسرا ایسی غلط ترین حرکت کی جرأت نہ کرسکے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہے۔

"اگر تیرے درمیان تیری بستیوں میں جن کو خداوند تیرا خدا تجھ کو دے کہیں مرد یا عورت ملے جس نے خداوند تیرے خدا کے حضور یہ بدکاری کی ہو کہ اس کے عہد کو توڑا ہو اور جا کر اور معبودوں کی یا سورج یا چاند یا اجرامِ فلک میں سے کسی کی جس کا حکم میں نے تجھ کو نہیں دیا، پوجا اور پرستش کی ہو، اور یہ بات تجھ کو بتائی جائے اور تیرے سننے میں آئے تو تُو جانفشانی سے اس کی تحقیقات کرنا اور اگر یہ ٹھیک ہو اور قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ اسرائیل میں ایسا مکروہ کام ہوا ہو تو تُو اس مرد یا عورت کو جس نے یہ برا کام کیا ہے باہر اپنے پھاٹکوں پر نکال لے جانا اور ان کو ایسا سنگسار کرنا کہ وہ مر جائیں۔" (کتابِ استثناء 17:2-5)

ایک اور جگہ اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اس کے ساتھ (خدا کے ساتھ) کوئی دیوتا نہیں اور زندگی، موت، صحت و بیماری سب اسی ہاتھ میں ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

"سو اب تم دیکھ لو کہ میں ہی وہ ہوں اور میرے ساتھ کوئی دیوتا نہیں، اور میں ہی جلاتا ہوں، میں ہی زخمی کرتا ہوں اور میں ہی چنگا کرتا ہوں اور کوئی نہیں جو میرے ہاتھوں سے چھڑائے۔" (کتابِ استثناء 32:39)۔

یہ ہی مضمون قرآن میں سورۃ الحجر آیت 23 اور سورۃ الحج آیت 6 میں بیان ہے۔

کتاب مقدس میں بت بنانے اور زمین و آسمان میں موجود خدا کے سوا کسی بھی دوسری ہستی کو سجدہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

"تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا، نہ کسی چیز کی صورت بنانا، جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے تو ان کو سجدہ نہ کرنا اور ان کی عبادت نہ کرنا۔" (کتابِ خروج 20:1-5، کتابِ استثناء 5:7-9)

کتاب خروج باب 20 آیت 23 میں حکم ہے، "تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔" یہی حکم قرآن میں موجود ہے

﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ (سورة لقمان : 13)

''تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔''

اور سورۃ الذاریت آیت 51 میں یہی حکم ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ﴾ (سورة الذاريات : 51)

''اور تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہراؤ۔''

کتابِ خروج میں خدا کے سوا کسی اور کے لیے قربانی کرنے والے کو بالکل ہی صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا حکم آتا ہے۔ یعنی جس طرح خدا کے سوا کسی اور کی عبادت جائز نہیں اسی طرح اس کے سوا کسی غیر کے لیے یا کسی غیر کے نام کی قربانی بھی جائز نہیں۔

''جو خداوند کو چھوڑ کر کسی اور کے آگے قربانی چڑھائے وہ بالکل نابود کر دیا جائے۔'' (کتابِ خروج 20:22)

اسی طرح کے مضامین کتابِ یسعیاہ میں بھی بیان ہیں:

''کیا تو نہیں جانتا؟ کیا تو نے نہیں سنا؟ کہ خداوند، خدائے ابدی تمام زمین کا خالق تھکتا نہیں ہے اور اس کی حکمت ادراک سے باہر ہے۔''

(کتاب یسعیاہ 28:40)

اور باب نمبر 44 آیت نمبر 24 کے بیان کے مطابق بھی خدا ایک ہی ہے، وہی سب کا خالق، اکیلا آسمان کو تاننے والا ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

''میں ہی خداوند سب کا خالق ہوں، میں ہی اکیلا آسمان کو تاننے والا اور زمین کو بچھانے والا ہوں، کون میرا شریک ہے؟'' (کتابِ یسعیاہ 24:44)

اسی کتاب کے باب نمبر 45 میں بیان ہے۔

''میں ہی خداوند ہوں، میرے سوا کوئی دوسرا نہیں، میں روشنی کا موجد اور تاریکی کا خالق ہوں۔'' (کتابِ یسعیاہ 7-6:45)

اور اس کتاب کے دوسرے بیانات کے مطابق اللہ ہی اول و آخر ہے اور اس کے سوا

کوئی معبود نہیں جیسا کہ بیان ہے،

"خداوند اسرائیل کا بادشاہ اور اس کا فدیہ دینے والا رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ میں ہی اول ہوں اور میں ہی آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔"

(کتابِ یسعیاہ 6:24 , 12:48)

اور کتابِ یرمیاہ باب 10 آیت نمبر 10 میں بیان ہے،

"لیکن خداوند سچا خدا ہے، وہ زندہ خدا اور ابدی بادشاہ ہے۔"

(کتابِ یرمیاہ 10:10)

یہ سارے بیانات بھی قرآن سے مطابقت رکھتے ہیں۔

﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾ (سورة الحديد : 3)

"وہی اول ہے وہی آخر ہے۔"

اور سورۃ الانعام آیت نمبر 102 میں آتا ہے

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ (سورة الانعام: 102)

"یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا، تو تم اس کی عبادت کرو، وہ ہی ہر چیز کا کارساز ہے۔"

اوپر دیئے گئے ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی حکمت انسان کے ادراک (بس) سے باہر ہے۔ وہ اس کی عظمت کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکتا۔ وہ ہی اول ہے، وہ ہی آخر ہے یعنی نہ اس سے پہلے کوئی خدا تھا، نہ ہی اس کے بعد، اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے۔ اس لیے اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ زمین کو بچھانے والا اور آسمان کو تاننے والا صرف اور صرف وہی ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے، اسی طرح کائنات کی ہر شے کا خالق و موجد بھی اس سے ہٹ کر یا اس کے ساتھ کوئی نہیں ہے۔

تو جب اول و آخر بھی ہے، تھکتا بھی نہیں اور ہر شے کا بنانے والا بھی وہی ہے تو اس

سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اس کی اولاد بھی کوئی نہیں کیونکہ اولاد بنانے یا بادشاہی میں کسی کو شریک کرنے کی ضرورت تب ہی پڑ سکتی تھی جب وہ خود تھک جاتا تو اپنا بیٹا بنا کر کچھ کام اس کے سپرد کر دیتا لیکن چونکہ وہ اول و آخر بھی ہے اور تھکتا بھی نہیں اور سارے کام خود بھی اکیلا کرتا ہے جس میں اس کا کوئی شریک بھی نہیں تھا اور نہ ہے تو اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ وہ اس (بیٹا ہونے کی) ضرورت سے بے نیاز ہے۔ اس لیے اس بات کا یعنی بیٹا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کتاب مقدس میں اس شخص پر بھی لعنت کی گئی ہے جو خدائے واحد کو چھوڑ کر کسی انسان پر توکل کرتا ہے اور خدا سے مایوس ہو کر کسی انسان ہی سے بھلائی کی امید کرتا ہے عقیدہ تثلیث یا تثلیث فی التوحید یقیناً خدائے برحق کی خدائی میں دو شریک بناتا ہے جن میں سے ایک انسان ہے جسے خدا کا شریک اور بیٹا سمجھ کر اس عقیدے پر ایمان رکھنے والے اس انسان (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو پکارتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ لعنت ایسا کرنے والے حق میں بھی ہے جیسا کہ ذیل میں موجود بیان سے ظاہر ہے۔

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ ملعون ہے وہ آدمی جو انسان پر توکل کرتا ہے اور بشر کو اپنا بازو جانتا ہے اور جس کا دل خداوند سے برگشتہ ہو جاتا ہے۔"

(کتابِ یرمیاہ 5:17)

کتاب یرمیاہ میں غیر معبودوں کی پیروی اور ان کی عبادت نہ کرنے کو خدا کے غضب سے بچنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے اگر آپ کو کوئی غیر خدا کی پرستش کرنے اور خدا کے ساتھ کسی کے شریک کرنے کو بلاتا ہے تو اسے اس بات کا انکار کر دیں تاکہ آپ اپنے خدا کے غیض و غضب اور عذاب سے محفوظ رہ سکیں۔

"غیر معبودوں کی پیروی نہ کرو کہ ان کی عبادت و پرستش کرو اور اپنے ہاتھوں کے کاموں سے مجھے غضب ناک نہ کرو اور میں تم کو کچھ نقصان نہ پہنچاؤں گا۔"

(کتابِ یرمیاہ 6:25)

یہ صرف دنیا کی نہیں بلکہ آخرت کی بات بھی ہو رہی ہے کیونکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ عذاب

لانے اور غضب ناک ہونے کے باوجود آپ کو وقت دے رہا ہے کہ آپ اس کے ساتھ شریک بنانے سے باز آجائیں اس کو ایک مان لیں اور کسی بھی دوسرے کی پرستش بند کردیں لیکن اگر آپ پھر بھی باز نہ آئے تو اللہ کا عذاب کسی بھی وقت آسکتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ عذاب اس دنیا کی بجائے آخرت میں ہو جو کہ کبھی نہ ختم ہونے والا عذاب ہے۔

عہد نامہ قدیم سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ دنیا میں جتنے بھی انبیائے کرام علیہ السلام تشریف لائے ان کی تعلیمات یکساں تھیں، ان سب نے غیر خدا کی پیروی اور عبادت سے منع کیا سب نے ایک ہی طرح کے احکامات دیئے یعنی انسانوں کو اپنے اعمال کو درست کرنے، غلط کاموں سے بچنے اور راہ راست پر چلنے کی تلقین کی۔

"میں نے اپنے تمام خدمت گزار نبیوں کو تمھارے پاس بھیجا اور ان کو بر وقت یہ کہتے ہوئے بھیجا کہ تم ہر ایک بری راہ سے باز آؤ اور اپنے اعمال درست کرو اور غیر معبودوں کی پیروی اور عبادت نہ کرو۔" (کتابِ یرمیاہ 6:25)

کتاب 1- سلاطین، (8: 60-61) میں بھی خدا کو ایک ماننے اور اس کے حکموں کو ماننے کی خصوصی طور پر تاکید کی گئی ہے۔

"زمین کی سب قومیں جان لیں کہ خداوند ہی خدا ہے اور کوئی نہیں۔ سو تمھارا دل آج کی طرح خداوند ہمارے خدا کے ساتھ اس کے آئین پر چلنے اور اس کے حکموں کو ماننے کے لیے کامل رہے۔"

کتاب دانی ایل باب نمبر 4 آیت نمبر 35 میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ خدا کے آگے کسی کی بھی ہستی خواہ آسمان میں ہو، خواہ زمین میں ہو، کوئی حیثیت نہیں رکھتی یعنی اس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں اور وہ جو چاہتا ہے کرسکتا ہے نہ ہی کسی کی اتنی حیثیت ہے کہ اس کا ہاتھ روک سکے نہ ہی کسی میں اتنی ہمت و جرأت ہے کہ وہ اس سے یہ پوچھے کہ وہ کیا کام اور کیوں کر رہا ہے۔ یہ بیان بھی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ زمین و آسمان میں موجود ہر کوئی صرف اور صرف اس خدائے واحد کی مخلوق ہے۔ کوئی بیٹا نہیں، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، نہ

رت عزیز علیہ السلام ، نہ فرشتے اور جنات اور نہ کوئی دوسرا انسان۔ کیونکہ ایسا زبردست صرف خالق و مالک اور قادر ہی ہوسکتا ہے جیسا کہ خدائے واحد ہے۔ ورنہ اگر اس کا کوئی بیٹا ہوتا یا اس نے بنانا ہوتا تو اس بیان کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥﴾ (سورۃ المائدہ : 117)

''یقیناً وہ لوگ کافر ہوگئے جنھوں نے کہا اللہ ہی مسیح بن مریم ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم اور اس کی والدہ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کردینا چاہے تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ زمین و آسمان اور دونوں کے درمیان کا کل ملک اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

وحدانیت کی تعلیم کتابِ حکمت اور کتابِ یوشع بن سیراخ میں بھی موجود ہے۔

''اے خداوند تیرے سوا کوئی خدا نہیں۔'' (کتابِ یوشع بن سیراخ 5:36)

''کیونکہ تیرے سوا کوئی خدا نہیں جو سب پر مہربان ہے۔'' (کتابِ حکمت 12:12)

کتاب 2۔ مکابین سے بھی خدا کے واحد اور مالک کل ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔

''اے خداوند، اے خداوند خالق کل! اے مہیب، اے جبار، اے عادل، اے رحیم، تو ہی اکیلا بادشاہ اور نیک ہے، تو ہی اکیلا منعم ہے، تو ہی اکیلا عادل اور قدیر اور ازلی ہے۔'' (کتاب 2۔ مکابین، 1:24-25)

کتابِ زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی اس دعا میں یہ الفاظ ہیں ''تو ہی واحد خدا ہے''
(کتابِ زبور 10:86)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول کتاب 1۔سلاطین (22:8) میں یوں موجود ہے۔ ''اے خداوند اسرائیل کے خدا، تیری مانند نہ تو اوپر آسمان میں ہے، نہ نیچے زمین پر کوئی خدا۔''

کتاب زکریاہ بھی خدا کے واحد ہونے کی گواہی دیتی ہے۔

''ایک دن ایسا آئے گا جو خداوند ہی کو معلوم ہے...... خداوند ہی ساری دنیا کا بادشاہ ہوگا...... اس روز ایک ہی خداوند ہوگا اور اس کا نام واحد ہوگا۔'' (کتابِ زکریاہ 14:7-9)

عہد نامہ قدیم کے تمام حوالہ جات سے صرف توحید ہی ثابت ہوتی ہے۔ مسیحی علماء کا خود ساختہ عقیدۂ تثلیث کہیں سے بھی نہیں ثابت ہوتا، بعض مسیحی علماء اس کو (عقیدہ تثلیث) عہد نامہ قدیم سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ عہد نامہ قدیم سے ''تین ہم پلہ اقانیم'' کا وجود ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اس بات اعتراف کیتھولک انسائیکلو پیڈیا نے بھی کیا ہے۔

" The Doctrine of the Holy Trinity is not taught in O.T."

''ثالوث مقدس کا نظریہ عہد نامہ قدیم میں نہیں سکھایا گیا۔''

(The New Catholic Encyclopaedia vol 4 P.306)

عقیدہ تثلیث عہد نامہ جدید کی روشنی میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزدیک عقیدہ تثلیث غلط اور شرک تھا کیونکہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول تھے اور توحید کی تعلیم دینے دنیا میں تشریف لائے تھے، ان کے اقوال سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ انجیل یوحنا میں باب نمبر 17 آیت نمبر 3 کے مطابق انھوں نے خدا سے دعا کے دوران کہا

''اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق اور یسوع مسیح جیسے تو نے بھیجا جانیں۔''

یعنی حضرت مسیح علیہ السلام نے واضح فرمادیا کہ ابدی زندگی کا حاصل یہ ہے کے انسان اللہ کو واحد مالک حقیقی اور حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا رسول مانے۔ انھوں نے اللہ کا ذکر علیحدہ اور

اپنا ذکر علیحدہ فرمایا ہے اور وہ دو علیحدہ ہستیوں کے طور پر ہی اپنا اور اللہ کا ذکر فرماتے ہیں۔

انھوں نے یہ نہیں فرمایا کہ ابدی زندگی یہ ہے کہ آپ (خدا) کو، خدا کی ذات کو تین ایسے اقنوم والا سمجھیں جو کہ آپس میں حقیقی امتیاز رکھتے ہیں، اور نہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا بھی ہیں اور انسان بھی، نہ ہی انھوں نے یہ فرمایا کہ وہ جسم والے خدا ہیں۔ یہ قول دعا کرتے فرمایا گیا ہے۔ اس لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ یہودیوں کے ڈر سے ایسا کہہ رہے ہوں۔ اس لیے اگر تثلیث کا عقیدہ نجات کے لیے ضروری ہوتا تو وہ اس کو کم از کم دعا میں خاص طور بیان فرماتے۔

بقول لغات ھیسٹنگز:

"یسوع نے اپنی تعلیمات میں خود کو خدا نہیں کہا، بلکہ وہ خدا کا ذکر ایک الگ اور دوسری ہستی کے طور پر کرتے ہیں" (J.Hastings : Op. cit; P338)

انجیل متی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان یوں نقل کیا گیا ہے،

"تم ربی نہ کہلاؤ کیونکہ تمھارا استاد ایک ہی ہے، اور تم سب بھائی ہو، اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیوں کہ تمھارا باپ ایک ہے جو آسمانی ہے، اور نہ تم ہادی کہلاؤ کیونکہ تمھارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح۔" (انجیل متی 23:9-10)

ان آیات میں انھوں نے صاف طور پر فرما دیا ہے کہ اللہ ایک ہی ہے۔ اس آیت کے مطابق انھوں یہ بات تبلیغ کرتے ہوئے کہی تھی اور اس میں انھوں نے "سب کا باپ آسمانی" جو کہا ہے مجازی معنوں میں کہا ہے، اور اس سے مراد صرف اہل ایمان ہیں۔ اور انھوں نے واضح طور پر اپنے آپ کو صرف ہادی (ہدایت کا راستہ دکھانے والا) قرار دیا ہے یعنی اس سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ ان کی حیثیت اللہ کے بندے اور رسول کی تھی۔

انجیل لوقا باب نمبر 4 کے مطابق جب شیطان نے یسوع علیہ السلام کو تمام دنیا کی سلطنتیں دکھا کر لالچ دینے کی کوشش کی اور ان سے کہا کہ یہ تمام میرے سپرد ہیں اور میں انھیں جنھیں چاہتا ہوں انھیں دیتا ہوں اور اگر تو میرے آگے سجدہ کرے تو میں انھیں تجھے دے دوں گا تو

"یسوع نے جواب میں اس سے کہا لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔" (انجیل لوقا 8:4)

گویا انھوں نے شیطان کے لالچ کو ٹھکرا کر اس کو سجدہ کرنے سے انکار بھی کیا اور اس بات کی بھی گواہی دی کہ پہلی کتابوں میں بھی یہی لکھا ہے کہ صرف خدا کو سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔ ورنہ وہ اس کو کہتے کہ میں تو خود خدائی میں شریک دوسرا اقنوم والا خدا ہوں اس لیے یہ تو میری ملکیت ہی ہیں۔ میں کیوں تمہیں سجدہ کروں، اور نہ ہی اس کو یہ کہا میں جسم والا خدا ہوں۔ اس باب کے بیان سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کم از کم خدا، یا خدائی میں شریک نہیں تھے ورنہ شیطان کی یہ جرأت ہرگز نہ ہوتی کہ وہ ان کو لالچ دے کیونکہ اس طرح تو وہ ان کی مخلوق میں سے ہوتا اور ڈر کے مارے اُن کے قریب بھی نہ آتا۔ اناجیل میں موجود ان کے بیانات جو کہ جگہ جگہ ملتے ہیں ان کی بندگی کی واضح گواہی دے رہے ہیں۔

"میرا آسمانی باپ مجھ سے بہت عظیم ہے۔" (انجیل یوحنا 28:14)

اس میں بھی وہ اپنے معبود ہونے سے انکار اور خدا کی عظمت کا بیان فرما رہے ہیں۔ کیونکہ خدا کے برابر یا اس سے بڑا کوئی نہیں ہوسکتا۔

انجیل مرقس باب نمبر 13 میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان اس طرح ہے

"لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے، نہ بیٹا مگر باپ۔" (انجیل مرقس 33:13)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی عقیدہ تثلیث کو غلط اور باطل قرار دے رہا ہے اس لیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے قیامت کے علم کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص فرمایا ہے اور خود اپنی ذات سے اس علم کی نفی بالکل اسی انداز میں کی، جس طرح اللہ کے دوسرے بندوں سے۔ اور اس معاملے میں اپنے اور ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی۔ ان کا یہ بیان بالکل وہی ہے جو کتابِ زکریاہ باب 14، آیات 7-9 میں حضرت زکریا علیہ السلام کا ہے۔ ورنہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام معبود ہوتے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنے لیے بندہ ثابت ہونے والا بیان ہی خود دے

دیتے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی قیامت کا علم صرف اللہ کے ساتھ مخصوص کیا تھا وہی حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی کیا۔ یہ یقیناً صرف اس لیے ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام باقی نبیوں کی طرح اللہ کے نبی اور بندے تھے اور تمام انبیاء بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن کا علم صرف اور صرف اللہ رب العزت کے لیے مخصوص کیا ہے انجیل لوقا کے مطابق کسی نے ان سے سوال کرتے ہوئے انھیں ''نیک'' کہا تو انھوں نے اس سے بھی منع کر دیا۔

> ''پھر کسی سردار نے اس سے یہ سوال کیا کہ اے نیک استاد میں کیا کروں کہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں؟ یسوع نے اس سے کہا کہ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا۔'' (انجیل لوقا 18:18-19)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد تو تثلیث کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دیتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اس بات پر بھی تیار نہیں ہوئے کہ انھیں ''نیک'' کہا جائے اگر وہ معبود اور خدا کے ساتھ اس کی خدائی میں شریک ہوتے تو یہ فرماتے سوائے باپ بیٹے اور روح القدس کے کوئی نیک نہیں اور پھر جب انھوں نے اپنے حق میں نیک کہلانا پسند نہیں فرمایا تو عقیدہ تثلیث والوں کے ان کلمات سے جنھیں وہ اپنی نمازوں میں بھی کہتے ہیں (اے ہمارے رب! اور اے ہمارے معبود یسوع مسیح! جس مخلوق کو آپ نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے اس کو تباہ نہ کیجیے) کیسے راضی ہو سکتے ہیں۔ انجیل یوحنا میں حضرت مسیح علیہ السلام نے مریم (مگدلینی) سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا،

> ''مجھے نہ چھو کیونکہ میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا، لیکن میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ اور تمھارے باپ اور اپنے خدا اور تمھارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں۔'' (انجیل یوحنا 17:20)

اس قول میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو باقی تمام انسانوں کے برابر قرار دیا ہے (کہ میرا باپ اور تمھارا باپ، میرا خدا اور تمھارا خدا) تاکہ باقی لوگ ان پر یہ الزام نہ

لگائیں کہ وہ معبود ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں۔ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے تمام شاگرد خدا کے بندے ہیں اور خدا کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ ان کو صرف مجازی معنوں میں بیٹا کہہ دیا گیا ہے بالکل اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام بھی مجازی طور پر خدا کے بیٹے اور بندے ہیں۔ چونکہ اس قول سے عیسائیوں کی یہ مراد ہے کہ موت کے بعد زندہ ہونے پر اور آسمان پر چڑھنے سے کچھ دیر پہلے ارشاد فرمایا گیا ہے اس لیے اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں اپنے آخری وقت تک، آسمان پر جانے تک اپنے بارے میں یہی بیان کرتے رہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہیں۔ انجیل متی میں ہے،

''جب زبدی کے بیٹوں کی ماں آ کر یسوع سے کچھ عرض کرنے لگی تو انھوں نے اس سے پوچھا کہ تو کیا چاہتی ہے اس نے اُس سے کہا فرما کہ میرے یہ دونوں بیٹے تیری بادشاہی میں ایک تیری داہنی...... اور ایک تیری بائیں طرف بیٹھیں، یسوع نے جواب میں کہا...... اپنے (دائیں) داہنے بائیں کسی کو بٹھانا میرا کام نہیں، مگر جن کے لیے میرے باپ کی طرف سے تیار کیا گیا ہے۔ ان ہی کے لیے ہے۔'' (انجیل متی 23:20)

یہاں پھر حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے اختیار کی نفی کر دی اور جس طرح آپ علیہ السلام نے قیامت کے علم کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کیا تھا اسی طرح اس اختیار کو بھی صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ اگر وہ خود ہی معبود ہوتے تو جواب میں ان کا ارشاد اس طرح نہیں ہوسکتا تھا۔ انجیل یوحنا میں ان کے بیانات ملاحظہ کیجیے۔

''کیونکہ میں آپ سے نہیں آیا بلکہ مجھے اسی نے بھیجا ہے۔'' (انجیل یوحنا 42:8)

اور

''جو کلام تم سنتے ہو وہ میرا نہیں بلکہ میرے باپ کا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے'' (انجیل یوحنا 24:14)۔ انجیل یوحنا باب نمبر 12 آیت نمبر 4 میں ان کا بیان ہے۔

''کیونکہ میں نے اپنی طرف طرف سے کچھ نہیں کہا بلکہ باپ جس نے مجھے بھیجا

ہے اسی نے مجھے حکم دیا ہے کہ کیا کہوں اور کیا بولوں۔'' (انجیل یوحنا 4:12)

ان تمام آیات میں صاف موجود ہے کہ میں صرف رسول اور پیغمبر ہوں اور جو کلام تم سنتے ہو وہ اللہ کی طرف سے وحی آئی ہے۔ اگر وہ خود معبود ہوتے تو ہرگز یہ باتیں نہ فرماتے۔ انجیل یوحنا کے باب نمبر 5 آیت نمبر 30 میں بھی ان کا جو ارشاد منقول ہے اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قدرت کی نفی فرمائی ہے اور یہی فرمایا کہ وہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہی فیصلہ کرتے ہیں اور خود سے کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔

''میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کرسکتا۔ جیسا سنتا ہوں، عدالت کرتا ہوں اور میری عدالت راست ہے کیونکہ میں اپنی مرضی نہیں بلکہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی چلتا ہوں۔''

یہی اسلامی عقیدہ ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمان تھے جیسا کہ اور تمام نبی بھی مسلمان تھے، کیونکہ مسلمان ہوتا ہی وہ ہے جو اپنی رضا کو اللہ کے تابع کردے۔ مسلم کے معنی فرمانبردار کے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اوپر والے قول سے جو انھوں نے حواریوں سے فرمایا تھا ''میں خود کچھ نہیں کرسکتا بلکہ (اللہ کی) اپنے بھیجنے والے کی مرضی پر چلتا ہوں'' سے ظاہر ہے کہ وہ مسلمان یعنی فرمانبردار تھے اور اللہ کے بندے اور رسول تھے۔ مؤحد عیسائیوں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ وہ انسان تھے ایک موحد عیسائی تھامس ایملسن کے بقول:

" Surely, this is not voice of God, but of man".

(A.Wallace OP cit essay of Thomas Emly)

''یقیناً یہ خدا کی نہیں بلکہ ایک انسان کی آواز (گفتگو) ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں سے خطاب فرماتے ہوتے بھی اپنے خطاب میں صرف ''خدا کی وحدانیت'' کا تذکرہ کیا۔ آپ علیہ السلام نے یہودیوں سے فرمایا، ''تم جو ایک دوسرے سے عزت چاہتے ہو، اور وہ عزت جو خدائے واحد کی طرف سے ہوتی ہے نہیں چاہتے، کیونکر

ایمان لا سکتے ہو۔" (انجیل یوحنا44:5)

جب یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کرنے کی سازشوں میں مصروف تھے تب بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے بات کرتے ہوئے خود کو بندہ قرار دیا۔ انجیل یوحنا باب 8 آیت نمبر 40 کے مطابق انھوں نے فرمایا، "اب تم مجھ جیسے شخص کو قتل کی کوشش میں ہو۔"

انجیل متی میں باب نمبر 12 آیت 50 میں ان کا فرمان ملاحظہ کیجئے۔

"کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی، میری بہن اور میری ماں ہے۔"

یعنی ان کے نزدیک خالصتاً اللہ کی رضا ہی اہمیت کی حامل ہے۔ اور آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کے نزدیک اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کتنی اہم ہے کہ انھوں نے ان تمام لوگوں کو جو کہ اللہ کی رضا اور اس کے فرمان کے مطابق چلتے ہیں۔ اپنا بھائی، ماں اور بہن قرار دیا۔ جس طرح ان کو اللہ کا فرمانبردار بندہ اور رسول ہونے کی وجہ سے حقیقتاً نہیں بلکہ مجازاً اللہ کا بیٹا کہا گیا تھا اسی طرح انہوں نے ان تمام لوگوں کو جو اللہ کی رضا، اس کے فرمان اور خوشنودی کو مدِّنظر رکھتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں مجازاً اپنا بھائی، بہن اور ماں قرار دیا۔ جس طرح آپ حقیقتاً حضرت مسیح علیہ السلام کے ماں، بہن اور بھائی نہیں ہو سکتے بلکہ صرف اللہ کی رضا کی پیروی کرکے مجازی طور پر ہی ان کے ماں، بہن، بھائی ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مجازاً اللہ کے بیٹے کہلائے تھے۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ ان کی بتائی ہوئی تعلیم پر عمل کرکے، اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات، صفات، ماھیت، حقیقت اور تعداد کے لحاظ سے "واحد" مان کر ان کے بھائی بہن یا ماں کی طرح بن جائیں یا پولُس کی دی ہوئی تعلیمات پر عمل کرکے اس کے خود ساختہ "عقیدہ تثلیث" کے عقیدے پر برقرار رہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت پر قائم رہیں۔ اور اگر آپ سب ان کی مخالفت پر ہی قائم رہیں گے، ان کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں شریک قرار دیں گے تو ایسا کرنے کے لیے ان کا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا قول ملاحظہ فرمالیجئے!

"جو مجھ سے اے خداوند، اے خداوند! کہتے ہیں، ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا، مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے۔ اس دن بہتیرے مجھ سے کہیں گے، اے خداوند! اے خداوند، کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے بدروحوں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سے معجزے نہیں دکھائے؟ اس وقت میں ان سے صاف کہہ دوں گا کہ میری تم سے کبھی واقفیت نہ تھی۔ اے بدکارو! میرے پاس سے چلے جاؤ۔ پس جو کوئی میری باتیں سنتا اور ان پر عمل کرتا ہے وہ اس عقلمند آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا۔ اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر پر ٹکریں لگیں لیکن وہ نہ گرا کیونکہ اس کی بنیاد چٹان پر ڈالی گئی تھی۔ اور جو کوئی میری یہ باتیں سنتا ہے اور ان پر عمل نہیں کرتا وہ اس بیوقوف آدمی کی مانند ٹھہرے گا جس نے ریت پر اپنا گھر بنایا۔ اور مینہ برسا اور پانی چڑھا اور آندھیاں چلیں اور اس گھر کی صدمہ پہنچا اور وہ گر گیا اور بالکل برباد ہو گیا۔" (انجیل متی 7:21-27)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام اقوال سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے خود کو ہمیشہ خدا بندہ اور اس کا رسول سمجھا ہے اس سے بڑھ کر کبھی کچھ اور نہیں سمجھا۔ جس طرح باقی رسولوں نے بھی ہمیشہ خود کو خدا کا بندہ سمجھا اور اس کی مرضی پر چلنے کو ہی زندگی بھر اپنا نصب العین بنائے رکھا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنے رب کی رضا کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کا منتخب بندہ اور رسول ہونا ہی عین حقیقت ہے جیسا کہ انجیل متی میں یسعیاہ نبی کی طرف منسوب قول موجود ہے،

"تاکہ یسعیاہ نبی کی معرفت جو کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو یہ میرا خادم ہے جسے میں نے چنا۔" (انجیل متی 12:17-18)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو بشارت دوسرے انبیاء نے دی تھی اس میں بھی ان کو اللہ کا خادم، یعنی بندہ اور رسول ہی کہا، یہ نہیں کہا کہ اللہ کا بیٹا یا خود اللہ مجسم ہو کر انسانی صورت میں آرہا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود خدا یا خدا کا بیٹا ہوتے تو انبیاء کی دی ہوئی بشارت میں بھی خادم کی بجائے مجسم خدا یا خدا کے بیٹے کا ذکر ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حواریوں اور اپنے دور کے لوگوں کی نظر میں

حضرت مسیح علیہ السلام کے اپنے حواری اور ان کے دور کے لوگ انھیں ان کے معجزات دیکھ کر خدا کی تمجید کرتے تھے اور زیادہ سے زیادہ قدرت والا نبی ہی سمجھتے تھے۔ مقدس پطرس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کے بارے میں یہودیوں سے یہ بیان کیا:

> ''اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور کاموں سے ثابت ہوا ہے جو خدا نے اس کی معرفت تم میں دکھائے۔'' (کتابِ اعمال 22:2)

عیسائیت کے اولین معلم برناباس نے انطاکیہ پہنچ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کی تبلیغ کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یوں نصیحت کی کہ ''وہ نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا'' (کتابِ اعمال 24:11)۔ پطرس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں سے بات کرتے ہوئے کہا ''ابراھام اور اضحاق اور یعقوب کے خدا یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے خادم یسوع کو جلال بخشا۔''

(کتابِ اعمال 3:13)

کتابِ اعمال کے مطابق حواریوں نے خدا سے دعا کرتے ہوئے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا خادم قرار دیا، کہ زمین کے تمام سردار اور بادشاہ اٹھ کھڑے ہوئے ''کیونکہ واقعی تیرے پاک خادم یسوع کے برخلاف جسے تو نے مسح کیا، ھیرودیس اور پُنطس اور اسرائیلیوں کے خلاف جمع ہوئے'' (کتابِ اعمال 27:4)۔ اور دعا کے اختتام پر انھوں نے خدا سے التجا

کی" تو شفاء دینے کو اپنا ہاتھ بڑھا اور تیرے پاک خادم یسوع مسیح کے نام سے معجزے اور عجیب کام ظہور میں آئیں" (کتاب اعمال 30:4)

انجیل لوقا باب 5، آیات 26-27 کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک معجزے سے کسی مفلوج کے ٹھیک ہونے پر وہاں موجود لوگوں نے خدا کی تمجید کرنی شروع کردی۔ انجیل متی باب نمبر 9، آیت نمبر 8 کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کے اس معجزے پر وہاں موجود لوگ ڈر گئے اور خدا کی تمجید کرنے لگے جس نے آدمیوں کو ایسا اختیار بخشا۔

(انجیل لوقا 7:13-16) میں بیان ہے کہ جب انھوں نے خدا کے حکم سے ایک مردہ کو زندہ کیا تو وہاں موجود سب لوگوں پر دہشت چھا گئی اور وہ خدا کی تمجید کر کے کہنے لگے کہ ایک بڑا نبی ہم میں برپا ہوا ہے۔

انجیل لوقا (47:23) کے بیان کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیب کے وقت صوبہ دار نے انہونے واقعات دیکھ کر خدا کی تمجید کی اور کہا "بیشک یہ آدمی راست باز تھا"۔ انجیل لوقا باب نمبر 24 آیت نمبر 19 میں بھی ان کو قدرت والا نبی بیان کیا گیا ہے۔ (انجیل یوحنا 14:6) میں ان کا "تکثیر طعام" والا معجزہ (تھوڑے سے کھانے سے بہت سے لوگوں کو سیر کرنا) دیکھ کر بھی لوگوں نے کہا "جو نبی دنیا میں آنے والا تھا۔ فی الحقیقت یہی ہے۔"

عقیدہ تثلیث کے مخالف عقلی دلائل

1: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی بشریت پر بہت زیادہ زور دیا۔ انھوں نے اپنے لیے ابن آدم کا لفظ 78 دفعہ استعمال کیا (قاموس الکتاب ص 15) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو صرف ایک انسان سمجھتے تھے (انجیل یوحنا 51:1، انجیل مرقس 31:8، 19:19، 23:10، انجیل لوقا 24:5، 5:6، 22، انجیل متی 21:8، 6:9، 23:10، 19:11 وغیرہ)

2: بائبل میں خدا کے لیے جس لفظ کا ترجمہ "باپ" (Father) کیا جاتا ہے وہ عربی لفظ "رب" یعنی مالک و پروردگار۔ (Master, Nourisher) اور خالق و باری

(Auther & Founder) کا ہم معنی لفظ ہے (J.P Boyd: Dictionary of the Bible P37) اور جن الفاظ کا ترجمہ "خدا کا بیٹا" کیا جاتا ہے اور ان میں دو یونانی الفاظ (Piadia) Pias اور (Tiata) Tiatsa اہم ہیں، جن کا مطلب لڑکا اور خادم ہے (Boy & Servant) ہے اور وہ عربی لفظ "غلام" یا "فتی" کے ہم معنی ہیں۔

(Thomas Green: A Greek English Lexicon London P 134)

چونکہ خادم کو بھی بیٹا یا لڑکا کہہ کر پکار لیا جاتا تھا اس لیے بعض مترجمین نے ان الفاظ کو خادم (Servant) اور بعض نے (Son) بیٹا لکھا۔ مثلاً کتابِ اعمال باب 3 کی آیت 13 کا ترجمہ دیکھیں۔

"ابراھام اور اضحاق اور یعقوب کے خدا یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے خادم یسوع کو جلال دیا۔" (کیتھولک اردو بائبل کراچی 1999ء، پروٹسٹنٹ اردو بائبل لاہور 1990ء)

"ابراھام اور اضحاق اور یعقوب کے خدا یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے بیٹے یسوع کو جلال دیا۔" (اردو بائبل مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور 1985ء)

کنگز جیمز ورژن میں مندرجہ بالا آیت میں "His Servant" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

3: حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک تمام امتوں اور قوموں میں سے کسی نے بھی "عقیدہ تثلیث" نہیں اختیار کیا۔ کتاب پیدائش کی کچھ آیات کا عیسائی علماء اپنی مرضی کے معنی پہنا کر استعمال کرتے ہیں لیکن کسی ایک بھی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یا ان سے پہلے کسی بھی امت کا یہ عقیدہ رہا ہو۔ اس بات کی تصدیق کے لیے کوئی بھی خود توریت پڑھ کر دیکھ سکتا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بھی اپنی آخری عمر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی خاطر یہ شک پیدا ہوگیا تھا کہ وہ مسیح ہیں یا نہیں۔ انجیل متی (3-2:11) میں بیان ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو بھیج کر یہ دریافت کرایا تھا کہ "آنے والا تو ہی ہے یا ہم کسی دوسرے کی راہ دیکھیں۔" اب اگر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہوتے تو (نعوذ باللہ) حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کافر ہونا لازمی بات ہے کیونکہ خدا کی نسبت شک کرنا کفر ہے۔انجیل متی باب نمبر 11 میں موجود حضرت مسیح علیہ السلام کی شہادت کے مطابق حضرت یحییٰ علیہ السلام تمام نبیوں سے افضل تھے تو افضل ترین نبی جو حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے میں موجود بھی ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ''اپنے معبود'' کو نہ پہچان سکے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے جتنے بھی پیغمبر گزرے ہیں وہ سب اور تمام یہودی عالم اس عقیدے سے انکار کرتے ہیں۔اگر ''عقیدہ تثلیث'' سچا اور رب العالمین کی طرف سے ہوتا تو تمام انبیائے کرام علیہ السلام پر واجب تھا کہ وہ اس عقیدے کی تبلیغ ضرور کرتے۔شریعت موسیٰ علیہ السلام جو تمام بنی اسرائیل کے لیے واجب الاطاعت تھی جس کے بارے میں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہ شریعت کو منسوخ کرنے نہیں آئے (انجیل متی 5:17-20) اس میں ایک دفعہ بھی اس عقیدے کو بیان نہیں گیا گیا۔

اہلِ تثلیث کے دعویٰ کے مطابق یہ ''عظیم الشان عقیدہ'' ہر شخص کے لیے خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی، کسی کے لیے بھی اس عقیدے پر ایمان لائے بغیر نجات ممکن نہیں ہے۔اس سے بھی زیادہ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھول کر بھی اس عقیدے کو بیان نہیں کیا، مثلاً آپ فرماتے کہ خدا تین اقنوم ہیں، باپ بیٹا اور روح القدس تینوں خدا ہیں اور اس کو سمجھنا تمھارے بس کی بات نہیں۔

کوئی بھی عیسائی عالم خود اس عقیدے کو مکمل طور پر نہیں سمجھتا۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس عقیدے کو ہر کوئی اپنے نظریے کے مطابق بیان کرتا ہے۔اور اس وجہ سے بہت سے عیسائی فرقے وجود میں آئے ان میں سے کچھ کی مثال اس باب کے شروع میں دی گئی ہے۔عیسائی علما، جب اس نظریے کی تشریح سے کسی کو مطمئن نہ کر پائیں تو کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ اسرار و رموز میں سے ہے اور انسانی عقل اس کے ادراک سے قاصر ہے۔(مثال کے طور پر مفتاح الاسرار دیکھیں)۔

4: بائبل میں بہت جگہ غیر اللہ کے لیے ''خدا'' کا لفظ مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے اس لیے اگر عیسائی یہ کہتے ھیں کہ حضرت عیسیٰ کے لیے لفظ ''بیٹا'' استعمال ہوا ہے، اس لیے وہ حقیقتاً اللہ کے بیٹے ہیں غلط ہے۔

1: کتاب خروج میں (4:22-23) ہے'' تو فرعون سے کہنا کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ پہلوٹھا ہے۔

اور میں تجھ سے کہہ چکا ہوں کہ تو میرے بیٹے کو جانے دے۔'' ان عبارات میں دو جگہ اسرائیل کو بیٹا بلکہ پہلوٹھا قرار دیا گیا ہے۔

2: کتاب یرمیاہ میں (9:31) اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس طرح نقل کیا گیا ہے'' میں اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم میرا پہلوٹھا ہے۔'' اس میں اللہ تعالیٰ کو اسرائیل کا باپ اور افرائیم کو پہلوٹھا بیٹا قرار دیا گیا ہے۔

3: کتابِ خروج (1:7) میں ہے'' پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا دیکھ میں نے تجھے فرعون کے لیے گویا خدا ٹھہرایا۔'' اور تیرا بھائی تیرا پیغمبر ہوگا۔'' کتابِ خروج (16:4) میں ہے'' اور وہ تیری طرف سے لوگوں سے باتیں کرے گا۔ اور وہ تیرا منہ بنے گا اور تو اس کے لیے گویا خدا ہوگا۔'' ان دونوں آیتوں میں ''خدا'' کا لفظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے استعمال ہوا ہے۔

4: کتابِ زبور (89:19-27) میں اللہ تعالیٰ سے خطاب کرتے وقت حضرت داؤد علیہ السلام کا ارشاد اس طرح نقل ہے'' اس وقت رویاء میں تو نے اپنے مقدسوں سے کلام کیا اور فرمایا میں نے ایک زبردست کو مددگار بنایا ہے اور قوم میں سے ایک کو چن کر سرفراز کیا ہے، میرا بندہ داؤد مجھے مل گیا...... وہ مجھے پکار کر کہے گا تو میرا باپ، میرا خدا اور میری نجات کی چٹان ہے اور میں اس کو اپنا پہلوٹھا بناؤں گا اور دنیا کا شہنشاہ۔''

یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کا باپ خدا کو کہا گیا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کو خدا کا پہلوٹھا (پہلا بیٹا) قرار دیا گیا ہے۔

5: کتاب 1- تواریخ (13:17) میں اللہ تعالیٰ کا قول حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے یوں بیان ہوا ہے" میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا" یہی بات دوبارہ باب نمبر 28 آیت نمبر 6 میں بیان ہے، یعنی دو دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو کتاب 1۔تواریخ میں خدا کا بیٹا اور خدا کو ان کا باپ کہا گیا ہے۔ اب حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت افرائیم علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آباؤ اجداد میں سے ہیں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان سے پہلے آئے تھے، اس لیے یہ تمام (حضرات) انبیاء علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے آنے کی وجہ سے اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کو معبود مانا جائے۔ اور چونکہ یہ ماننا غلط ہے کہ ان سب کو معبود مانا جائے تو اس وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معبود ہونا بھی نہیں ثابت ہوتا۔

6: کتابِ استثناء 19:32، 1:14 میں، کتاب یسعیاہ 8:63، ہوشیع کی کتاب 10:1 میں اللہ کے بیٹے تمام بنی اسرائیل کو کہا گیا ہے۔

7: کتاب یسعیاہ میں باب نمبر 63 آیت نمبر 16، اور باب نمبر 64 آیت نمبر 8 میں حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو اپنا اور تمام بنی اسرائیل کا باپ قرار دیا۔

8: کتابِ زبور (5:68) میں اللہ تعالیٰ کو یتیموں کا باپ کہا گیا ہے۔

9: انجیل متی (9:5) میں صلح کرانے والوں کو خدا کے بیٹے کہا گیا ہے۔

10: کتابِ ہوسیع (3:12) میں فرشتے کے لیے بھی خدا کا لفظ استعمال ہوا۔

11: کتابِ زبور (6:82) میں تمام انسانوں کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہا گیا ہے۔

12: انجیل متی (9:23) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زمین پر کسی دوسرے کو اپنا باپ کہنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

"کسی کو زمین پر اپنا باپ نہ کہو کیونکہ تمھارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے۔"

13: انجیل یوحنا (17:20) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا،

"میں اپنے باپ اور تمھارے باپ کے پاس جاتا ہوں۔"

اوپر دیئے گئے تمام حوالہ جات کے علاوہ بائبل میں اور بھی بہت سی جگہوں پر بیٹے کا لفظ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ بھی دوسروں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مندرجہ بالا حوالوں میں خدا کا لفظ فرشتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی استعمال ہوا اور بیٹے اور پہلوٹھے کے الفاظ حضرت داوٗد علیہ السلام، حضرت افرائیم علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، بنی اسرائیل اور تمام تیموں بلکہ تمام انسانوں کے لیے بھی استعمال ہوئے ہیں تو صرف اس وجہ سے آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کیسے قرار دے سکتے ہیں؟

5) انجیل یوحنا (13:3) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک اور فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور اوپر آسمان پر نہیں چڑھا (گیا)۔

"اور آسمان پر کوئی نہیں چڑھا، سوا اُس کے جو آسمان سے اترا، یعنی ابن آدم جو آسمان میں ہے۔"

لیکن اس ایک وجہ سے بھی ہم حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا نہیں قرار دے سکتے کیونکہ بائبل کے مطابق ان سے پہلے حضرت حنوک علیہ السلام اور حضرت ایلیاہ علیہ السلام آسمان پر لے جائے گئے، جیسا کہ ذیل کے حوالوں سے ثابت ہے۔

"اور حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، اور وہ غائب ہو گیا کیونکہ خدا نے اسے اٹھالیا۔" (کتابِ پیدائش 24:5)

"اور آتشی گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا، اور ایلیاہ بگولے میں آسمان پر چلا گیا۔" (کتاب 2۔ سلاطین 11:2)

6: انجیل یوحنا باب نمبر 8 آیت نمبر 23 میں ہے "اس نے کہا تم نیچے کے ہو میں اوپر کا ہوں، تم دنیا کے ہو میں دنیا کا نہیں ہوں۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد سے عیسائی حضرات یہ مراد لیتے ہیں کہ ان کا مطلب تھا میں معبود ہوں انسانی جسم میں اتر کر نیچے آیا ہوں۔ لیکن اس طرح کے اقوال تو انھوں نے اپنے شاگردوں کے بارے میں بھی فرمائے ہیں۔ انجیل یوحنا باب نمبر 15 آیت نمبر 19 میں ہے:

”اگر تم دنیا کے ہوتے تو دنیا تم کو عزیز رکھتی لیکن چونکہ تم دنیا کے نہیں بلکہ میں نے دنیا میں سے تم کو چن لیا ہے اس واسطے دنیا تم سے عداوت رکھتی ہے۔“

جس طرح انھوں نے اپنے بارے میں فرمایا کہ میں دنیا کا نھیں بالکل اسی طرح انھوں نے اپنے شاگردوں کے بارے میں بھی یہی بات فرمائی، اگر یہ بات ہی ان کو معبود ماننے کی وجہ ہے تو لازمی طور پر پھر ان کے شاگردوں کو بھی معبود مانا جانا چاہیئے۔

لیکن ظاہر ہے ان کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ ان کو معبود مانا جائے بلکہ صرف یہ مطلب تھا کہ وہ دنیا نہیں بلکہ اللہ کی رضا اور آخرت چاہتے ہیں اور ان کے شاگرد بھی یہی چاہتے ہیں جبکہ دنیا کے باقی لوگ ان کی اور ان کے شاگردوں کی طرح اللہ کی رضا اور آخرت نہیں چاہتے بلکہ دنیا ہی چاہتے ہیں۔

7: انجیل یوحنا باب نمبر 14 آیت نمبر 20 میں ہے

”میں اپنے باپ میں ہوں، تم مجھ میں اور میں تم میں۔“

یعنی اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام معبود میں سمائے ہوئے ہیں تو وہ اپنے حواریوں میں سمائے ہوئے ہیں اور ان کے حواری ان میں سمائے ہوئے ہیں، تو اس مطلب ہے کہ حواری بھی (نعوذ باللہ) معبود ہوئے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام معبود میں، حواری ان میں اور حواریوں میں وہ خود سمائے ہیں۔ کیونکہ عیسائی حضرات انجیل یوحنا باب نمبر 10 آیت نمبر 30 کے اس قول سے ”میں اور باپ ایک ہیں“ یہ مراد لیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ ایک ہیں تو پھر تو ان دونوں اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے (نعوذ باللہ) یہ ماننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے حواری اور روح القدس سب ایک ہیں۔

لیکن ظاہر ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا، جب کوئی چھوٹا، مثلاً قاصد، غلام یا شاگرد اپنے کسی بڑے کے تابع ہوتا ہے تو دراصل اس کی عزت کو بڑے کی عزت، اس کی بے عزتی کو بڑے کی بے عزتی اور اس کی محبت کو بڑے کی محبت سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو تبلیغ کے لیے بھیجتے وقت ارشاد فرمایا تھا

”جو تمھاری سنتا ہے وہ میری سنتا ہے، اور جو تمہیں نہیں مانتا وہ مجھے نہیں مانتا، اور جو مجھے نہیں مانتا وہ میرے بھیجنے والے کو نہیں مانتا“ (انجیل لوقا 16:10)

8: عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کو بھی ان کے خدا ہونے کی دلیل بتاتے ہیں، اگر صرف باپ کے بغیر پیدا ہونا بڑی وجہ ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام اس بات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آگے ہیں کیونکہ وہ ماں، باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے ہیں۔ اس لیے پھر وہ زیادہ بڑے خدا ہوئے۔ لیکن ان دونوں کا اس طرح معجزانہ طور پر پیدا ہونا ان کے خدا ہونے کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی دلیل ہے کیونکہ وہ دونوں اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے۔ اور ان میں کوئی بھی خدا کا بیٹا نہیں اور نہ ہی خدا ہے۔

9: بائبل کی رو سے معبود کو موت نہیں آسکتی۔ مثال کے طور پر کتاب یسعیاہ کی یہ آیات ملاحظہ فرمائیں،

”خداوند فرماتا ہے، تم میرے گواہ بھی ہو اور میرے خادم بھی جسے میں نے برگزیدہ کیا، تا کہ تم جانو اور مجھ پر ایمان لاؤ اور سمجھو کہ میں وہی ہوں، مجھ سے پہلے کوئی خدا نہ ہوا، اور میرے بعد بھی کوئی نہ ہوگا۔“ (10:43)

اسی طرح کتابِ یسعیاہ 28:40، 12:48، کتاب یرمیاہ 10:10 میں بھی یہی بیان ہے کہ وہ اول و آخر ہے اور ابدی بادشاہ ہے۔ اس لیے جو ذات کمزوری اور تھکاوٹ سے پاک ہو، لازوال اور غیر فانی ہو، جو اول و آخر، ازل سے ابد تک ہو اس کو موت نہیں آسکتی جبکہ عیسائی عقیدے کے مطابق وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پھانسی لگ کر مر چکے ہیں۔

10: اگر آپ معجزات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معبود ہونے کی دلیل قرار دیں تو یہ دلیل انتہائی کمزور ہے۔ معجزات تو انبیاء کی نبوت کی تصدیق اور نشان کے طور پر ملتے ہیں، اور نبی کی نہیں بلکہ خدا کی قدرت کا اظہار ہوتے ہیں۔ اناجیل سے یہ پتا چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب دیئے جانے سے پہلے صرف تین اشخاص کو زندہ کیا تو کتاب

حزقی ایل (37:1-14) کے مطابق حضرت حزقی ایل علیہ السلام نے ہزاروں انسانوں کو زندہ کیا۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے ایک مردے کو خدا سے دعا کر کے زندہ کر دیا (کتاب 1۔ سلاطین 17:10-23)۔ حضرت الیشع علیہ السلام نے ایک مردے کو زندہ کر دیا (کتاب 2۔ سلاطین 4:32-35)۔ اور ان (حضرت الیشع علیہ السلام) سے یہ معجزہ وفات کے بعد بھی ہوا کہ ایک مردہ ان کی قبر میں ڈالا گیا تو وہ زندہ ہو گیا (کتاب 2۔ سلاطین 13-21)۔ اسی کتاب میں باب 14 آیت 5 کے مطابق کوڑھی کو تندرست کر دیا۔ تو یہ ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ دوسرے انبیاء نے بھی مردوں کو زندہ کیا اور حضرت حزقی ایل علیہ السلام نے تو ہزاروں انسانوں کو زندہ کیا، اس دلیل کے تحت تو وہ سب معبود کہلانے کے حقدار ہیں، جو کہ غلط ہے کیونکہ معجزات ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنائیت ہوئے تھے۔ اور بھی بہت سے انبیائے کرام علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے معجزات عنائیت فرمائے۔ قرآن کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کتاب خروج (7:10) کے مطابق حضرت ہارون علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بنی۔ کتابِ پیدائش (46:4) میں حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں ٹھیک کرنے کے لیے انھیں ہاتھ لگایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان کے مطابق پختہ ایمان کے ساتھ کوئی عام انسان بھی اگر پہاڑ سے کہے گا کہ اکھڑ کر سمندر میں گر جا تو اس کے کاملِ ایمان کی وجہ سے ایسا ہو جائے گا (انجیل متی 21:21-22) اس لیے ہم معجزات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معبود ہونے پر ایمان نہیں لا سکتے۔

11: معبود اپنی مخلوق سے بے خبر نہیں ہو سکتا جیسا کہ کتاب 2۔ تواریخ (16:9) سے ظاہر ہے لیکن انجیل متی باب نمبر 21 کی آیات 18-19 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بے خبری کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان آیات کے مطابق جب ان کو بھوک لگی تو انھوں نے انجیر کے درخت کے پاس جا کر دیکھا کہ اس پر پھل نہیں ہے تو انھوں نے اس کو بد دعا دی جس سے وہ سوکھ گیا۔ اس سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

(i) وہ معبود نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ معبود ہوتے تو اس لحاظ سے درخت ان کی مخلوق ہے ان کو پہلے سے پتا ہوتا کہ انجیر کے درخت پر پھل موجود نہیں، اس کے لیے انھیں اس کے پاس جا کر دیکھنے کی ہرگز ضرورت نہیں تھی۔

(ii) دوسرا یہ کہ وہ معبود اس لیے بھی نہیں کہ ان کو بھوک لگی تھی تو وہ درخت کے پاس گئے، خالق یا معبود کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے درخت یعنی مخلوق کے پاس جانے کی کیا ضرورت تھی اور اگر یہ ضرورت تھی تو جو معبود اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے اپنی مخلوق کے پاس جا رہا ہے تو وہ اپنی لاتعداد مخلوق کی ضروریات کیسے پوری کرے گا؟ جو معبود اپنی مخلوق سے روزی لے رہا ہے وہ مخلوق کو روزی کیسے دے گا؟

(iii) وہ معبود اس لیے بھی نہیں کہ وہ انجیر کے درخت کے پاس بھوک لگنے کی صورت میں گئے اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی عام انسان کی طرح کھانے پینے کے محتاج تھے، انھیں بھی عام انسان کی طرح بھوک پیاس لگتی تھی۔ وہ ایک عام انسان کی طرح پریشان بھی ہوتے تھے، ان کی پیدائش بھی ایک عورت یعنی حضرت مریم علیہا السلام سے ہوئی۔ ان کے بچپن کو سامنے رکھ کر جب نسطوریس نے ان کے حق خدا ہونے کے دعوے کو سامنے رکھ کر کہا۔

"God is not a baby of two or three months old"

''خدا ایک دو یا تین ماہ کا بچہ نہیں ہو سکتا''

تو اس سے بڑا ہنگامہ پیدا ہوا اور نسطوریس کو عیسائی کلیسا سے خارج کر دیا گیا۔

{Outline of Christanity, The Story of Our Civilization (edited by A.S. Peak and R.Y. Parsons) vol 2 P.82 }

(iv) جیسا کہ اس واقعے میں بیان ہے کہ انھوں نے درخت کو بددعا دی جس سے وہ سوکھ گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بددعا دینا بھی اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ وہ معبود ہرگز نہیں تھے کیونکہ دعا چاہے نیک ہو یا بد، دعا کرتے تو آپ اپنے سے ہٹ کر کسی دوسری

بزرگ و برتر ہستی سے ہیں کیونکہ جس سے آپ دعا کرتے ھیں اس کے بارے میں آپ کو دعا کرتے وقت یقین ہوتا ہے کہ یہ میری طرح بے بس نہیں ہے اور یقیناً میری حاجت پورا کرنے پر قادر ہے اسی لیے آپ اس کو پکارتے ہیں۔

12: انجیل لوقا (46:23) میں ہے:

”پھر یسوع نے بڑی آواز سے پکار کر کہا اے باپ! میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں اور یہ کہہ کر دم دے دیا۔“

اور انجیل متی (46:27) میں ہے:

”یسوع نے بڑی آواز میں چلا کر کہا ایلی، ایلی لماسبقتنی یعنی اے میرے خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔“

مندرجہ بالا دونوں اقوال اناجیل کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیب پر مرنے سے پہلے کہے، گرچہ دونوں مختلف ہیں لیکن دونوں یہ ہی ثابت کر رہے ہیں کہ وہ کسی اور سے مخاطب تھے۔ اب اگر حضرت مسیح علیہ السلام خود معبود ہوتے تو اپنی روح کسی دوسرے کو کیسے سونپ سکتے تھے؟ ظاہر ہے معبود ہونے کی صورت میں ان کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ ”میں اپنی روح آپ کے ہاتھوں میں سونپتا ہوں۔“

دوسری انجیل متی (انجیل مرقس میں بھی یہی بیان (34:15) موجود ہے) میں بھی وہ کسی دوسرے کو اپنی مدد کے لیے بے بسی سے پکار رہے ہیں، اگر وہ خود معبود ہوتے تو انسانوں کے ہاتھوں اس طرح بے بس نہ ہوتے اور نہ کسی دوسرے معبود سے اس طرح فریاد کرتے۔ اس عالم میں جس طرح انھوں نے پکارا ہے وہ صاف اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ علیہ السلام خدا خود کو نہیں بلکہ اپنے سے بلند و بالا کسی ایسی ہستی کو سمجھتے تھے جو قادر مطلق ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بندہ سمجھ کر ہی اپنے معبود، اپنے خدا کو مدد کے لیے پکار رہے تھے۔

13: انجیل متی (26:36-44) میں ہے،

”اس وقت یسوع ان کے ساتھ گستمنی نامی ایک جگہ میں آیا، اور اپنے شاگردوں سے

کہا یہیں بیٹھے رہنا۔۔۔پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دُعا کی کہ اے میرے باپ ہوسکے تو مجھ سے یہ پیالہ ٹل جائے، تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو، پھر شاگردوں کے پاس آ کر۔۔۔ پھر دوبارہ یوں دعا کی۔اے میرے باپ اگر یہ میرے پیے بغیر ٹل نہیں سکتا تو تیری مرضی پوری ہو، پھر آ کر انہیں سوتے پایا...... پھر وہی بات کہہ کر تیسری دفعہ دعا کی''

انجیل مرقس میں بھی باب نمبر 14 آیات 32-36 میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اسی پریشانی کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے بارے میں نہایت بے قرار اور غمگین ہونے کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔انجیل لوقا میں باب نمبر 22 آیت 44 میں یہ الفاظ موجود ہیں ''پھر وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہوکر اور بھی دلسوزی سے دعا کرنے لگا اور اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہوکر ٹپکتا تھا۔'' اس ساری صورتحال میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دشمن پکڑ کر صلیب دینا چاہ رہے تھے تو وہ جس طرح گھبراتے ہیں، پریشان ہوتے ہیں اور موت اور آنے والی مصیبت سے بچنے کی دعا کرتے ہیں وہ یقیناً ان کی بندگی کا حقیقی ثبوت ہے، کیونکہ معبود اتنا عاجز نہیں ہوسکتا اور عیسائی عقیدے کے مطابق ان پر بے چارگی کی موت آئی۔ ان تمام باتوں سے صرف یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو صرف ایک بندہ سمجھتے تھے۔کیا کوئی معبود اس طرح غمگین ہوسکتا ہے؟ کیا کوئی معبود کسی دوسرے معبود کے لیے نماز پڑھ کر اس کے سامنے گڑگڑاتا ہے؟ یقیناً کوئی بھی ذی ہوش اور عقل والا بندہ اپنے ہوش وحواس کے سلامت ہونے کی صورت میں اس بات کو قبول نہیں کرسکتا۔

14: پطرس کی انجیل میں یہ بات صاف لکھی ہے کہ ان کو (موت) صلیب سے کچھ دیر پہلے آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔انجیل پطرس کا یہ جملہ ھلمن اسٹریٹر نے اپنی کتاب ''دافور گوسپلز'' The Four Gospels (ص 5 مطبوعہ میکملن، نیویارک 1961) میں نقل کیا ہے، جس میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں He was taken out ''اس کو اوپر اٹھا لیا گیا'' ظاہر ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اوپر اٹھانے والا کوئی اور تھا وہ خود خدا نہیں تھے

کیونکہ اگر پطرس کی مراد یہ ہوتی کہ وہ خدا ہیں تو یوں کہا جاتا کہ وہ اوپر چلا گیا، کیونکہ خدا کو کوئی نہیں اٹھا سکتا۔

15: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خصوصی طور پر صرف بنی اسرائیل کے لیے ہی بطور نبی تشریف لائے تھے نہ کہ دنیا کے کسی بھی دوسرے بندے کے لئے۔ اسی لیے انھوں نے فرمایا تھا کہ میں اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (انجیل متی 24:15)

ان کا یہ بیان بھی ثابت کرتا ہے کہ وہ معبود نہیں تھے کیونکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں آئے تھے بلکہ خاص طور پر بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے یعنی کسی دوسرے کے اپنے سے بلند اور قادر مطلق ہستی کے ماتحت تھے جس نے انھیں بھیجا، معبود کو کوئی نہیں بھیج سکتا۔ اس کے اختیارات کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہر شے اور کائنات میں موجود تمام مخلوقات اس کے تابع ہیں اور وہ کسی کے تابع نہیں۔ یہ بات کتاب دانی ایل (35:4) میں موجود معبود کی شان کے بھی خلاف ہے جس میں کہا گیا ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے، اور اس کو بھیجنا تو بہت بڑی بات ہے اس کو تو کوئی یہ پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتا ہے کہ وہ کیا کام اور کیوں کر رہا ہے۔ اس لیے اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معبود نہیں تھے۔

16: انجیل مرقس (9:1) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے توبہ کا بپتسمہ لینے کا بیان ہے "اور ان دنوں ایسا ہوا کہ یسوع نے گلیل کے ناصرہ سے آ کر یردن میں یوحنا سے بپتسمہ لیا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بپتسمہ لینے کا بیان انجیل لوقا (21:3) اور انجیل متی (18:3) سے بھی ثابت ہے۔ اور اناجیل سے یہ بھی ثابت ہے کہ بپتسمہ توبہ کا ہی تھا "اس وقت خدا کا کلام بیابان میں زکریا کے بیٹے یوحنا پر نازل ہوا اور وہ یردن کے سارے گردونواح میں جا کر گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرنے لگا۔" (انجیل لوقا 4:3)

انجیل مرقس (1:4-5) سے بھی بپتسمہ کا توبہ کے لیے ہونا ثابت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توبہ کا بپتسمہ لیا اور چونکہ توبہ صرف خدا سے ہی کی جا سکتی ہے اس سے بھی ثابت ہوا کہ وہ

خدا نہیں تھے کیونکہ خدا کسی دوسرے سے توبہ نہیں کرسکتا۔

17: عقیدہ تثلیث تین اقنوم پر مشتمل ہے، باپ، بیٹا اور روح القدس۔ اب باپ اور روح القدس کا وجود روحانی ہے جب کہ انسان گوشت پوست کا بنا ہوا ہے۔ انسان کو زندہ رہنے کے لیے کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ خدا ان ضرورتوں سے پاک ہے۔ دونوں مختلف ہوکر ایک جیسے کیسے ہوسکتے ہیں؟ یہ بات خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ انجیل لوقا باب نمبر 24 آیات 28-48 میں ان کا فرمان ہے،

''تم کیوں گھبراتے ہو؟ اور کس واسطے تمھارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں؟ میرے ہاتھ اور پاؤں دیکھو کہ میں ہی ہوں، مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی جیسا مجھ میں دیکھتے ہو اور یہ کہہ کر انھیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔ جب مارے خوشی کے ان کو یقین نہ آیا اور تعجب کرتے تھے تو اس نے ان سے کہا کیا یہاں تمھارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے اسے بھنی ہوئی مچھلی کا قتلہ دیا، اس نے لے کر ان کے رُوبرو کھایا۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہاں خود فرما رہے ہیں کہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی، سائنسی طور پر انھوں نے ثابت کرنے کے لیے کہ وہ خدا نہیں ہیں ان کے سامنے مچھلی کا ٹکڑا کھایا اور اس طرح باپ، بیٹا اور روح القدس کے عقیدے کو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رد کر دیا۔

18: بائبل کا واحد بیان جو تثلیث کے قریب ہوسکتا ہے، یہ ہے

''اور جو گواہی دیتا ہے وہ روح ہے کیوں کہ روح سچائی ہے، اور گواہی دینے والے تین ہیں، روح، پانی اور خون۔ اور یہ تینوں ایک ہی بات پر متفق ہیں۔'' (یوحنا کا پہلا خط 5:7-8)

اس آیت کے بارے میں بائبل کے Revised Standerd Version میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ آیت الحاقی ہے، یعنی اسے بائبل سے نکال ہی دیا گیا ہے۔ گویا اس بات سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی الوہیت کا دعویٰ کیا ہی نہیں۔

باب نمبر۳:

عقیدہ کفارہ

(The Atonment)

عیسائیت کے بنیادی عقائد میں سے ایک انتہائی اہم عقیدہ ''کفارہ'' ہے۔ اور یہ انتہائی پیچیدہ قسم کا عقیدہ ہے جس کو انسانی عقل تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں عقیدہ کفارہ کی مختصر تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

''عیسائی علم عقائد میں ''کفارہ'' سے مراد یسوع مسیح کی وہ قربانی ہے جس کے ذریعے ایک گنہگار انسان یک لخت خدا کی رحمت سے قریب ہوجاتا ہے، اس عقیدے کی پشت پر دو عقیدے کارفرما ہیں، ایک تو یہ کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا تھا۔ دوسرا یہ کہ صفت کلام (بیٹا) اس لیے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کردے۔''

(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص 651 ج 2 مقالہ "Atonment")

عقیدہ کفارہ کی مزید تشریح کے لیے ہم عیسائی مفکرین کے بیانات سے مدد لیں گے۔ ان مفکرین نے حضرت آدم علیہ السلام کے ممنوعہ پھل کھانے کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا بقول آگسٹائن:

''ایک پھل سے بچنے کا حکم جب کہ اس کے علاوہ بہت سے دوسرے موجود تھے، پورا کرنے کے لیے آسان تھا اور یاد رکھنے کے لیے خاصا مختصر تھا۔ پھر اس وقت قوت ارادی کے مقابلے میں حرص بھی موجود نہ تھی۔ اس طرح عمل میں آسان ہونے کے لحاظ سے اس حکم کا توڑنا بہت ظالمانہ فعل تھا۔'' (St. Augustine The city of God, Vol 2 P42)

آدم کی قوت ارادی کو استعمال کرنے کی انھیں اجازت دی گئی جس کا انھوں نے غلط

استعمال کیا اور وہ شجر ممنوعہ کو کھا کر ایک عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے۔ یہ گناہ اپنی کیفیت اور کمیت دونوں کے اعتبار سے بڑا سنگین تھا...... حکم کی تکمیل جتنی آسان ہو اس کی خلاف ورزی اتنی ہی سنگین ہوتی ہے، دوسرے اس لیے کہ یہ انسان کا پہلا گناہ تھا جس نے پہلی بار اطاعت کی بجائے نافرمانی کی جنم دیا۔ اس سے پہلے انسان نے کوئی نافرمانی نہیں کی تھی۔ اور جس طرح اطاعت تمام نیکیوں کی جڑ ہے اسی طرح نافرمانی تمام گناہوں کی بنیاد ہے۔ آدم کے گناہ نے یہ بنیاد قائم کردی۔"

(دی سٹی آف گاڈ کتاب 14 باب نمبر 12 ص 257 ج 2)

سینٹ آگسٹائن کے خیال میں ان کا گناہ اس نافرمانی کی وجہ سے ان کی فطرت بن گیا۔ اس گناہ کو اصطلاح میں "اصلی گناہ" (Original Sin) کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے آج تک ان دونوں سے جتنے بھی انسان پیدا ہوئے یا ہوں گے وہ سب چونکہ ان کے صلب اور پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور آئندہ بھی ہوں گے اس لیے یہ گناہ تمام انسانوں میں منتقل ہوا۔

"اور واقعہ یہ ہوا کہ تمام انسان جو اصلی گناہ سے داغ دار ہو گئے آدم سے اور اس عورت سے پیدا ہوئے جس نے آدم کو گناہ میں مبتلا کیا اور (وہ) جو آدم کے ساتھ سزا یافتہ تھی۔"

(Augustine: The Enchridine XXVI P637 vol-1)

آگسٹائن لکھتے ہیں:

"اس طرح انسان کی پوری نسل پر لعنت چھا گئی جس میں بڑے اور چھوٹے، والد و مولود سب شامل ہیں اور جس سے کبھی کوئی نہیں بچ سکتا، سوائے خدا کے آزادانہ و کریمانہ فضل کے۔" (The City of God P334-335)

آگسٹائن اور دوسرے مفکرین کے مطابق خدا نے اس لعنت سے انسان کو نکالنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ اپنے بیٹے کو قربان کردیا۔ بقول آگسٹائن

Sin is quelled by the love of God, which none but He Gives

and He Only by Jesus Christ, the madiator of God and man, who made himself mortal, that we might be made eternal.

''گناہ کی آگ کو خدا کی محبت ہی بجھاتی ہے، جو وہی عطا کرتا ہے اور یسوع مسیح کے ذریعے عطا کرتا ہے۔ جو خدا اور انسان کا درمیانی واسطہ اور شفیع ہیں، اور جنھوں نے ہمیں جاودانی زندگی بخشنے کے لیے خود کو فانی بنایا اور (موت قبول کی)''

(The City of God P338)

قاموس الکتاب (P790) کے مطابق:

''گناہ اتنا سنگین مسئلہ ہے کہ خدا کے قدوس کو گنہگاروں کو مخلصی دینے کے لیے اپنا خون بہانا پڑا، لہٰذا انسان اس مسئلے کو خود نہیں حل کرسکتا۔''

اور

''اگر انسان اپنے آپ پر اور نیک اعمال پر بھروسہ کرے تو وہ ہرگز نجات حاصل نہیں کرسکے گا۔''

اس عقیدے کے مطابق خدا گنہگار انسان پر اپنا فضل نہیں کرسکتا تھا اور چونکہ وہ رحیم ہے اس لیے انسان کو اس گناہ میں چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا اور عادل ہونے کی وجہ سے معاف بھی نہیں کرسکتا تھا اس لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے بندوں کا خیال کرتے ہوئے کوئی ایسا بدلہ لے کہ گناہ کا بدلہ بھی لے اور انسان بچ بھی جائے۔ ایسا صرف قربانی ہی کے ذریعے ممکن تھا لیکن دنیا میں ایسا کوئی انسان جو گناہوں سے پاک ہو نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے خدا نے اپنے بیٹے کو قربانی کے لیے بھیجا۔ اس کی وجہ سے انسانوں کا نہ صرف اصلی گناہ معاف ہوگیا بلکہ انھوں نے اصلی گناہ کے سبب جتنے بھی گناہ کیے تھے وہ سب معاف ہوگئے۔

(The Enchridion L P687 VI)

اور پھر یہی بیٹا تین دن بعد زندہ ہوگیا اور اس سے تمام انسانوں کو نئی زندگی مل گئی۔ اس نئی زندگی میں وہ آزاد قوت ارادی کے مالک ہیں۔ اگر وہ اپنی قوت ارادی کو نیکیوں میں

استعمال کریں گے تو اجر پائیں گے اور اگر بدی میں استعمال کریں گے تو بدی کی کیفیت کے لحاظ سے عذاب کے مستحق ہوں گے۔ (IBID) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسیحی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی صرف اس شخص کے لیے ہے جو یسوع مسیح پر ایمان رکھے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرے وراس ایمان کی علامت ''بپتسمہ'' کی رسم ادا کرنا ہے اس رسم کا مطلب یہی ہے کہ بپتسمہ لینے والا یسوع مسیح کے کفارے پر ایمان رکھتا ہے لہٰذا جو شخص بپتسمہ لے گا صرف اسی کا ازلی گناہ معاف ہوگا اور جو نہیں لے گا اس کا ازلی گناہ معاف نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ جو بچے پیدا ہوتے ہی بپتسمہ لیے بغیر مر گئے ان کا ازلی گناہ معاف نہیں ہوگا اس سلسلے میں انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس میں بیان دیکھیں

Infants dying in infanity are justly condemned to eternal punishment.

''وہ بچے جو (بغیر بپتسمہ لئے) مر گئے، ان کے لیے ابدی عذاب عین انصاف ہے۔''

(Encyclopaedia of Religion and ethics vol 5 P644)

اور جو لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے مر گئے ان میں بھی یہ دیکھا جائے گا کہ وہ یسوع مسیح پر ایمان رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر ایمان رکھتے ہوں گے تو یسوع مسیح کی موت ان کے لیے بھی کفارہ ہوگی اور وہ بھی نجات پائیں گے ورنہ نہیں

(Augustine,on original sin ChXXXI V1, P611)

عقیدہ کفارہ سے متعلق کتاب مقدس کی تعلیمات

اب دیکھنا یہ ہے کہ عقیدہ کفارہ کے بارے میں ہمیں بائبل سے کیا تعلیمات ملتی ہیں؟ کیا خدا رحیم و مہربان نہیں ہے؟ کیا خدا عادل اور قادر مطلق نہیں ہے؟ کیا وہ اپنے کسی عمل کے لیے کسی کو جوابدہ ہے کہ وہ بغیر قربانی کے انسان کو معاف نہیں کرسکتا تھا؟ کیا یہ بات واقعی اس کے عدل کا تقاضا تھی کہ وہ ایک شخص کے گناہ کے طور پر تمام انسانوں پر لعنت ڈال دے اور ان کو اپنی رحمت سے دور کردے اور اس لعنت کو دور کرنے کے لیے ہزاروں سالوں تک اپنے

بندوں کا بالکل خیال نہ کرے؟ اور دو ہزار سال پہلے اس کو اچانک ہی یہ خیال آئے کہ اس نے اپنے بندوں پر جولعنت ڈال دی تھی اس کو ہٹانے کا انتظام کرنا بھی بہت ضروری ہے اور اگر وہ اس کے لیے کوئی انتظام کرے تو وہ اس سے بھی بڑھ کر غیر منصفانہ نہ ہو کہ پہلے اپنی خدائی میں کسی کو شریک کرنے کے لیے بیٹا بنائے اور اس کے کسی قصور کے بغیر صرف اس کی قربانی کو معاف کرنے کی شرط رکھ دے کہ اس کو قربان کیے بغیر کسی اور صورت معاف کرنے کو تیار نہ ہو، یعنی اور بڑی نا انصافی پہلی یہ کہ ایک انسان کے گناہ کے سبب آئندہ کے تمام انسانوں کو ملعون قرار دے، دوسرا یہ کہ ایک بے قصور بندے کو یہودیوں کے ہاتھوں ذلت آمیز موت کو ہی دوبارہ رحمت کرنے کی شرط رکھ دے۔ کیا اس کو اتنے ہزار سالوں میں کوئی ایک اور بے گناہ بندہ اس قربانی کے لیے نہیں مل سکا تھا؟ کیا وہ کسی کو جوابدہ ہے اور قادر مطلق نہیں کہ اتنی شدید قسم کی نا انصافیاں کیے بغیر اپنے بندوں کو معاف کردے؟ آئیں ان تمام سوالوں کے جواب کتاب مقدس کے حوالوں سے ہی ڈھونڈتے ہیں کہ اس میں کیا تعلیمات موجود ہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ خدا رحیم و مہربان نہیں؟ اس سوال کا جواب کتاب مقدس یہ دیتی ہے کہ وہ مہربان بھی ہے اور رحیم بھی:

کتابِ زبور (5:116) میں ہے:

”خداوند صادق اور کریم ہے، ہمارا خدا رحیم ہے۔“

اور کتابِ زبور (9-8:145) کے مطابق:

”خداوند رحیم و کریم ہے۔ وہ قہر کرنے میں دھیما اور شفقت کرنے میں غنی ہے،
خداوند سب پر مہربان ہے اور اس کی رحمت اس کی ساری مخلوق پر ہے۔“

کتاب 1۔ تواریخ کے باب نمبر 16 آیت نمبر 41 میں بیان ہے:

”کیونکہ اس کی شفقت ابدی ہے۔“

مندرجہ بالا عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ بائبل کی تعلیمات خدا کو صادق اور رحیم و

کریم قرار دیتی ہیں جو مہربان بھی ہے اور اس کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ اس کی ساری مخلوق پر ہے اور چونکہ اس کی شفقت ابدی ہے اس لیے یقیناً اس ابدی شفقت کی وجہ سے اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ انسان کو ازلی گناہ میں گرفتار ہونے کی وجہ سے تمام انسانوں پر ہمیشہ کے لیے ہی لعنت ڈال دے اور ان کا ہزاروں سال تک کوئی خیال نہ کرے۔

بے شک اس کی ایک صفت قہار ہونا بھی ہے لیکن اوپر دیئے گئے حوالہ جات سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اس کے قہر پر اس کی رحمت حاوی ہے کیونکہ وہ ''قہر کرنے میں دھیما اور شفقت کرنے میں غنی ہے۔'' اس لیے آپ یہ بیان بھی نہیں دے سکتے کہ وہ قہار ہے اس لیے اس نے یہ لعنت ہمیشہ کے لیے ڈال دی کیونکہ اس طرح کا بیان کتاب مقدس کی تعلیمات کے خلاف ہو جائے گا، اسلامی تعلیمات کے مطابق بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے۔

کیا خدا قادرِ مطلق نہیں اور اپنے کاموں کے لیے کسی کو جوابدہ ہے؟ تو کتاب مقدس میں اس بات کا جواب نفی میں ملتا ہے۔ کتاب مقدس کی تعلیمات کے مطابق خدائے بزرگ و برتر خود ہی قادر مطلق ہے اور اس بات کو ماننے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں کہ وہ کوئی شرط لگائے بغیر یا خون بہائے بغیر انسان کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ نہ ہی وہ عاجز ہے اور نہ ہی اپنے کسی عمل کے لیے کسی کو جوابدہ ہے۔ کتاب دانی ایل باب 4 آیت نمبر 35 کے مطابق خدا زمین و آسمان میں موجود اپنی تمام مخلوق میں سے کسی کے سامنے جواب دہ نہیں، وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اس کی مخلوق میں نہ ہی کوئی اس کا ہاتھ روک سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو اس کے کسی عمل پر کسی اعتراض یا سوال کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ کتاب مقدس میں خدا کے قادر مطلق ہونے کو بہت جگہ بیان کیا گیا ہے، مثلاً کتابِ ایوب باب نمبر 22 آیت نمبر 23 میں اس بات کی تلقین کی گئی ہے:

''اور اس کی باتوں کو اپنے دل میں رکھ لے اگر تو قادر مطلق کی طرف پھرے تو بحال کیا جائے گا۔''

گویا خدا کی تعلیمات کو مد نظر رکھنا اور اس قادر مطلق کی طرف خود سے پھرنا اور رجوع کرنا بہت ضروری ہے۔اس میں کہیں کسی اور یعنی یسوع مسیح کے وسیلے کی شرط نہیں لگائی گئی اور خدا کو قادر مطلق قرار دیا گیا ہے۔

کتابِ ایوب باب نمبر 34 میں خدا کے قادر مطلق ہونے کے ساتھ ساتھ عقیدہ کفارہ کو سختی سے جھٹلایا گیا ہے۔

''یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ خدا شرارت کا کام کرے اور قادر مطلق بدی کرے، وہ انسان کو اس کے اعمال کے مطابق جزا دے گا اور ایسا کرے گا کہ ہر کسی کو اپنی ہی راہوں کے مطابق ہی بدلہ ملے گا۔ یقیناً خدا برائی نہیں کرے گا۔قادر مطلق سے بے انصافی نہ ہوگی۔کس نے اس کو زمین پر اختیار دیا؟ یا کس نے ساری دنیا کا انتظام کیا ہے؟ اگر وہ انسان سے اپنا دل لگائے۔اگر وہ اپنی روح اور اپنے دم کو واپس لے لے تو تمام بشر اکٹھے فنا ہوجائیں گے اور انسان پھر مٹی میں مل جائے گا۔سو اگر تجھ میں سمجھ ہے تو اسے سن لے اور میری باتوں پر توجہ کر۔''

(کتابِ ایوب 34:10-16)

کیا خدا کو ہزاروں سالوں میں صرف حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا گناہوں سے پاک کوئی انسان میسر نہیں آیا؟ تو اس سوال کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے گزرنے والے لوگوں کے بارے میں کتابِ مقدس کی رائے دیکھتے ہیں۔

دانیال دیانتدار تھے اور ان میں کوئی خطا یا کوئی تقصیر نہیں تھی (کتابِ دانی ایل 6:4)

حزقیاہ کے بارے میں یہ بیان ہے کہ وہ ''خداوند سے لپٹا رہا اور اس کی پیروی کرنے سے باز نہ آیا بلکہ اس کے حکموں کو مانا، جن کو خداوند نے موسیٰ کو دیا تھا۔'' (کتاب 2-سلاطین 6:18)

یوسیاہ کے بارے میں اسی کتاب میں بیان ہے ''اس نے وہ کام کیا جو خداوند کی نگاہ میں ٹھیک تھا اور اپنے باپ دادا کی سب راہوں پر چلا اور دائیں یا بائیں ہاتھ کو مطلق نہ مڑا'' (کتاب 2۔سلاطین 2:22)۔سموئیل کے متعلق بیان ہے ''سموئیل نے بھی لوگوں

سے اپنی بے گناہی اور معصومیت کی شہادت مانگی، اور انھوں نے دی۔'' (کتاب 1۔ سموئیل 12:3-5) آدم کے بیٹے ہابیل راست باز انسان تھے۔ (انجیل متی 23:35) زکریا اور ان کی بیوی کے بارے میں ہے'' وہ دونوں خدا کے حضور راست باز اور خداوند کے سب احکام و قوانین پر بے عیب چلنے والے تھے۔'' (انجیل لوقا 1:6) یوحنا بپتسمہ دینے والے کے لیے مسیح نے فرمایا'' میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں، ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں ہوا'' (انجیل متی 11:11)۔ گویا دنیا کے شروع دن سے کوئی نہ کوئی گناہوں سے پاک انسان ہر زمانے میں موجود رہا ہے اس لیے اتنے ہزار سال قربانی دینے کے لیے گناہوں سے پاک انسان کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اور اگر ایسا کرنا ہوتا تو ہابیل جو دنیا کے اولین انسانوں میں سے تھے ان کو بھی قربان کر کے اس لعنت جو انسانوں پر ڈال دی گئی تھی، سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اگر پھر بھی ہابیل کو یا حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے آنے والوں میں سے کسی راست باز انسان کو قربان نہیں کیا گیا تو اس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ اس قربانی کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں تھی۔

دوسرا یہ کہ عقیدۂ کفارہ کی رُو سے اگر دیکھا جائے تو حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی گناہوں سے پاک قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ وہ حضرت مریم علیہا السلام سے پیدا ہوئے تھے جو خود بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں۔ اس طرح سے تو ان کی قربانی بھی نہیں دی جا سکتی تھی، کیونکہ وہ بھی پیدائشی طور پر گناہ گار اور ان انسانوں میں شامل ہیں جن پر لعنت ڈال دی گئی تھی۔ اور فرشتے نے حضرت زکریا علیہ السلام کو جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر دی تھی اس خبر میں یہ کہا تھا کہ وہ'' اپنی ماں کے بطن سے ہی روح القدس سے بھر جائے گا'' (انجیل لوقا 1:15)۔ اس بات سے بھی نظریہ کفارہ یا عقیدہ کفارہ کی تردید ہوتی ہے جو کہ انسان کو پیدائشی طور پر گناہ گار قرار دیتا ہے۔

اب بائبل کے حوالے سے اس بات کا جواب دیکھتے ہیں کہ کیا واقعی اگر ایک انسان گناہ کرتا ہے تو اس کی سزا دوسرے کو مل سکتی ہے؟ کتابِ ایوب کے باب نمبر 34 (10-16) میں

نظریہ کفارہ کی سختی سے تردید کی گئی ہے۔اس سلسلے میں بائبل کی مزید تعلیمات ذیل میں دی گئیں ہیں۔کتابِ استثناء باب نمبر 24 آیت 16 میں عقیدہ کفارہ کو یوں باطل قرار دیا گیا ہے۔

''بیٹوں کے بدلے باپ نہ مارے جائیں نہ باپ کے بدلے بیٹے مارے جائیں۔ہر ایک اپنے ہی گناہ کے سبب مارا جائے۔''

بالکل یہی حکم کتاب 2۔سلاطین (6:14) میں بھی موجود ہے۔تو جو خدا باپ کے بدلے بیٹے یا بیٹوں کے بدلے میں باپ مارنے کو منع کررہا ہے وہ کس طرح ایک انسان کے گناہ کے سبب سب کو لعنتی قرار دے سکتا ہے۔ جب خدا تاکید کے ساتھ اس بات کی ہدایت دے رہا ہے کہ ہر کوئی صرف اپنے ہی گناہ کے بدلے میں مارا جائے تو اس طرح عقیدہ کفارہ یقیناً فوت ہو جاتا ہے اسی بات کی تصدیق کتابِ حزقی ایل باب 18 آیت 20 میں بھی ملتی ہے:

''بیٹا باپ کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور نہ باپ بیٹے کے گناہ کا بوجھ۔صادق کی صداقت اسی کے لیے ہوگی اور شریر کی شرارت شریر کے لئے۔''

اس بات کو قرآن پاک میں سورۃ فاطر آیت نمبر 18 میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ (سورۃ الفاطر : ١٨)

''کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''

اور سورۃ البقرہ میں آیت نمبر 286 میں رب العالمین کا فرمان ہے:

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ (سورۃ البقرہ: ١٨٦)

''اسی کے لیے ہے جو اس نے کمایا اور اسی کے لیے ہے جو اس نے بوجھ اٹھایا۔''

آپ کو اس سے متعلق مضمون کتابِ واعظ باب نمبر 12 آیت نمبر 4 میں بھی ملتا ہے۔

''خدا ہر ایک فعل کو ہر ایک پوشیدہ چیز کے ساتھ، خواہ بھلی ہو خواہ بری، عدالت میں لائے گا۔''

خدا آپ کے ہر فعل کو آپ برا کریں یا اچھا کریں ہر صورت میں قیامت کے دن

اس عدالت میں لائے گا اس لیے آپ اگر کوئی کام پوشیدہ طور پر چھپ کر بھی کریں تو بھی وہ آپ کا مالک ہونے کی وجہ سے جانتا ہے۔ آپ کا کوئی بھی فعل خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ، وہ آپ کو آپ کے تمام کاموں کے ساتھ اس عدالت میں لائے گا۔ عقیدہ کفارہ پر ایمان رکھنے سے بھی آپ کو اپنے اعمال کے لیے خود ہی جوابدہ ہونا پڑے گا۔ صرف اس عقیدے پر ایمان رکھنے سے آپ کو آپ کا کوئی عمل معاف نہیں ہو رہا کیونکہ اپنے ذاتی طور پر کیے گئے تمام افعال کے لیے آپ خود جوابدہ ہیں اور خود ہی ذمہ دار ہیں۔ کتابِ یوشع بن سیراخ میں مندرجہ ذیل تعلیمات سکھائی گئی ہیں۔

"ہر راست کار اپنا اجر پائے گا اور ہر ایک اپنے اعمال کے مطابق حاصل کرے گا۔" (کتابِ یوشع بن سیراخ 15:16)

جو آپ کریں گے آپ کو صرف اپنا ہی اجر مل رہا ہے، اگر آپ اچھا عمل کریں گے تو صرف آپ ہی کو اس کا اچھا اجر ملے گا۔ اور کسی راست کار کے راست (اچھے) عمل کا بدلہ کسی دوسرے کو نہیں ملے گا تو جب کسی اچھے عمل کا صلہ کسی دوسرے کو نہیں مل سکتا، تو کسی کے برے عمل کی وجہ سے نہ صرف دوسروں بلکہ تمام انسانوں پر لعنت کیسے پڑ سکتی ہے جبکہ یہ بھی کہا گیا ہو کہ صرف اپنے اعمال کے مطابق ہی صلہ ملتا ہے اور نہ ہی کسی ایک انسان یا دوسرے انسانوں کے گناہوں کے نتیجے میں کسی ایسے انسان کو پھانسی لگ سکتی ہے جو کہ معصوم اور گناہوں سے پاک ہو۔ عقیدہ کفارہ کو خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی جھٹلایا ہے۔ جیسا کہ ان کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے،

"جنھوں نے نیکی کی ہے زندگی کی قیامت کے واسطے، اور جنھوں نے بدی کی ہے سزا کی قیامت کے واسطے۔" (انجیل یوحنا 29:5)

اس بیان سے بھی صاف ظاہر ہے کہ نیکی کرنے سے قیامت کے دن اجر ملے گا اور جو لوگ برے کام کر رہے ہیں ان کو قیامت کے دن اپنے برے اعمال کی سزا ملے گی۔

انجیل متی باب 13 میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آخرت کے بارے میں مثال بیان کی ہے

وہ بھی موجود عیسائیت کے عقیدہ کفارہ کو رد کرتی ہے۔

"آسمان کی بادشاہی اس بڑے جال کی مانند ہے جو دریا میں ڈالا گیا، اور اس نے ہر طرح کی مچھلیاں سمیٹ لیں۔ اور جب بھر گیا تو اسے کنارے پر کھینچ لائے اور بیٹھ کر اچھی اچھی مچھلیاں تو برتنوں میں جمع کریں اور جو خراب تھیں وہ پھینک دیں۔ دنیا کے آخر میں ایسا ہی ہوگا۔ فرشتے نکلیں گے اور شریروں کو راست بازوں سے جدا کر دیں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا۔" (انجیل متی 13:47-50)

اب اس مثال میں آخرت کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ قیامت کے دن جب سب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو فرشتے برے لوگوں کو نیک لوگوں سے علیحدہ کریں گے اور اگر آپ کا شمار بد قسمتی سے برے لوگوں میں ہوا تو آپ کو آگ کی بھٹی (جہنم) میں ڈال دیں گے۔ یہاں مروجہ عقیدہ کفارہ سے متعلق کہیں ہلکا سا بھی اشارہ نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عقیدہ کفارہ پر ایمان رکھنے کا آپ کو یا کسی بھی عیسائی کو بالکل کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ماننا بہت بڑی بے وقوفی ہے کہ وہ آپ کی جگہ کفارہ بنے۔ جبکہ وہ آپ کو صاف الفاظ میں بتا چکے ہوں کہ قیامت کے دن آپ کو اپنے برے اعمال کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس بات پر عہد عتیق اور انبیائے کرام علیہ السلام کی تعلیمات سے متفق ہیں کہ جو اچھا کام اور نیکی کا کام کرے گا اس کو قیامت کے دن ہمیشہ کی زندگی، اچھے کام کی جزا اور صلہ ملے گا اور جو بھی برا کام کرے گا اس کو قیامت کے دن اپنے برے عمل کی وجہ سے سزا ملے گی اور جہنم مین ڈال دیا جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کفارے کے موجودہ عقیدے کے متعلق کوئی بیان نہیں ملتا۔ انھوں نے کبھی بھی یہ نہیں فرمایا کہ تم سب آدم علیہ السلام کے گناہ کی وجہ سے ملعون ہو اور اب اس وجہ سے میں تم سب پر سے لعنت ہٹانے کی وجہ سے خود مصلوب ہو کر ملعون بننے جا رہا ہوں تا کہ تم لوگوں کے گناہ اپنے سر پر لے کر تم لوگوں کو

نجات دلاؤں۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت کے عہدے پر متعین ہوئے تھے اس لیے وہ کبھی بھی اس طرح کی تعلیمات دے کر خدا سے منسوب نہیں کر سکتے تھے جو ناانصافی پر مبنی ہوں۔

نجات/توبہ کا تصور:

اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی انسان گناہ کرتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عقیدہ کفارہ پر ایمان رکھنا بھی نجات کا ذریعہ نہیں ہے جیسا کہ کتاب مقدس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیانات سے ظاہر ہے۔تو پھر آخر گناہ گار انسان کس طرح سزا سے بچ سکتا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول:

> ''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابیں منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں...... جو ان پر عمل کرے گا۔اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے بڑا کہلائے گا''

(انجیل متی 5:17-19)

سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت کو منسوخ کرنے نہیں آئے تھے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ عیسائیت میں بنیادی چیز ان تمام عقائد واعمال کی اہمیت ہے جن کا حکم توریت اور شریعت میں موجود ہے اور نجات کا حصول بھی عہد عتیق اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات پر ہے۔عیسائیوں نے پولس کی تعلیمات زیر اثر خدائے واحد کی واحدانیت کے عقیدے کا جس طرح برا حال کیا اسی طرح اس کے عقیدہ کفارہ کی تعلیمات کے زیر اثر نجات/توبہ کے تصور کو بھی بالکل بدل دیا۔ کتابِ مقدس کی تعلیمات کے مطابق نجات کا تصور کیا ہے اور اس کا دارومدار کس چیز پر ہے یہ اس کی تعلیمات کی روشنی میں دیکھیے۔

بائبل میں نجات کے لیے جو تعلیمات ہیں ان میں نجات کا انحصار خدا کے فضل پر تھا جو ایمان اور قانون شریعت پر عمل کر کے حاصل ہوتا ہے۔ اور جس کے حصول میں عمل کی کمی کو توبہ اور اللہ کی طرف رجوع کر کے دور کیا جاتا ہے۔یعنی نجات کا طریقہ صرف ''ایمان اور

عمل'' تھا مگر عمل میں کمی کی تلافی کرنے کے لیے توبہ کا طریقہ تھا، جس کا ایک ذریعہ قربانی بھی تھا۔ جس کے لیے مختلف قسم کی قربانیاں رائج تھیں مثلاً سوختنی قربانی ، جرم ، نذر اور خطا کی قربانیاں (کتابِ احبار باب 9) ۔توبہ کا ایک طریقہ قربانی تھا لیکن توبہ درحقیقت اپنے لیے ہوئے عمل پر پشیمان ہوکر اللہ کی طرف لوٹنا اور اس سے شرمندہ ہوکر رجوع کرنا ہے اسی لیے عقیدہ کفارہ توبہ کے تصور کے بالکل اُلٹ ہے کہ اس میں خدا ہزاروں سال بعد لعنت ڈال کے خود ہی اپنے بیٹے کی قربانی پیش کر رہا ہے۔

توبہ کا تصور اتنا اہم ہے کہ تمام آسمانی کتابوں میں توبہ کا ذکر موجود ہے۔ عہد نامہ عتیق میں توبہ کو ظاہر کرنے کے لیے دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

(1)ناحام Naham (2)شوب Shub

یہ دونوں عبرانی زبان کے الفاظ ہیں۔ ''ناحام'' (Naham) کا لفظ پچھتانا، توبہ کرنا اور رجوع لانا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(کتابِ خروج 17:13، کتاب 1۔سلاطین 47:8، کتابِ یرمیاہ 6:8)

''شوب'' (Shub) کا بنیادی مطلب پھرنا یا واپس آنا ہے، یعنی گناہ سے ہٹ کر خدا کی طرف لوٹنا۔ (کتاب 2۔سلاطین 13:17، کتابِ نحمیاہ 9:1)

خدا کی طرف پھرنا۔ (کتابِ زبور 34:78)

رجوع لانا، واپس آنا۔ (کتابِ یرمیاہ 14،12:3)

عہد نامہ عتیق میں توبہ کے لیے جو خیالات پائے جاتے ہیں ان سے مراد ہے اپنے سارے دل، اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے اپنے خداوند کی طرف لوٹ آنا۔

عہد نامہ جدید میں جس لفظ کا توبہ کے خیال میں نزدیک ترین تعلق ہے وہ اپسٹریفن (Epistrephein) ہے۔ اس کا مطلب ہے مڑنا، لوٹ آنا، یعنی گناہ سے ہٹ کر خدا اور اس کی خدمت کی طرف رجوع کرنا، یعنی گناہ اور خود غرضی کی زندگی سے خدا کی طرف رجوع کرنا۔

دوسرا لفظ ''مٹانویا'' (Metanoia) ہے اس کا لفظی مطلب، رویہ اور نیت کی تبدیلی ہے۔ یہ ایک حقیقی تبدیلی ہے جو شخص توبہ کرتا ہے اس کا رویہ اور نیت، خدا، تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور گناہ و راست بازی کے بارے میں مکمل طور پر بدل جاتے ہیں پہلے وہ گناہ کی طرف راغب رہتا تھا مگر توبہ کی وجہ سے سمت بدل جانے سے اس کا رخ خدائے واحد کی طرف مڑ جاتا ہے۔ توبہ عارضی افسوس کا نام نہیں، توبہ میں ابتدائی طور پر اللہ کی طرف مڑنا یا پھرنا پایا جاتا ہے لیکن نتیجہ کے طور پر اس کی زندگی اور شخصیت ہمیشہ کے لیے بدل جاتی ہے۔ بائبل میں اس سے متعلق بیانات ذیل میں دیئے گئے ہیں۔

کتابِ حزقی ایل باب نمبر 18 آیت نمبر 23 میں ہے

''خداوند فرماتا ہے کہ کیا شریر کی موت میں میری خوشی ہے اور اس میں نہیں کہ وہ اپنی شرارت سے باز آئے اور زندہ رہے؟''

اس میں دو سوال موجود ہیں:

1: کیا خداوند کو شریر کی موت میں خوشی ہے؟

2: کیا اس کی خوشی، اس کی رضا اس بات میں نہیں کہ شریر جو اس کا بندہ بھی ہے وہ اپنی شرارت سے باز آئے اور زندہ رہے؟

یقیناً خدا کو اپنے بندوں کی موت سے یا ان کو مارنے سے کوئی خوشی حاصل نہیں ہوگی بلکہ اس کو زیادہ خوشی اس بات ہی سے ہوگی کہ اس کے جو بندے غلط کام کر رہے ہیں، راستے سے بھٹک گئے ہیں اور اپنی شرارت کی وجہ سے اس سے، اس کے راستے سے اور اس کی رحمت سے اپنے غلط اعمال، غلط طور طریقوں اور غلط عقائد کی وجہ سے دور ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے مہربان و رحیم خدا کی نافرمانی، شرارت، تمام غلط عقائد و اعمال اور طور طریقے اور ایسے کام جس کی وجہ سے خدا کی رحمت ان سے دور ہو گئی ہے چھوڑ دیں۔ اس کی طرف واپس آئیں، اس سے رجوع کریں اور ایسی سب باتوں سے توبہ کریں تو اس کی خوشی یہ ہی ہے کہ وہ زندہ رہیں، جیسا کہ یہ جواب کتابِ حزقی ایل ہی کے باب نمبر 33 آیت نمبر 11 میں موجود ہے:

''تو ان سے کہہ دے خداوند خدا فرماتا ہے مجھے اپنی حیات کی قسم شریر کے مرنے میں مجھے کوئی خوشی نہیں بلکہ اس میں ہے کہ شریر باز آئے اور زندہ رہے۔''

اس سے بڑی کیا بات ہے کہ آپ کا خالق آپ کا خدا خود آپ کو اپنی حیات کی قسم کھا کر بتائے کہ شریر کے اپنے شر سے باز آنے سے، شرمندہ ہونے سے اور زندہ رہنے سے خدا کو خوشی ہے اور اس کے مرنے میں اور سزا دینے میں نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے نزدیک شریر کا اپنی شرارت اور غلط حرکت سے توبہ کر کے سدھرنا اس کو سزا دینے، اور اس کی موت سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے

کتاب 2۔سلاطین (13:17) میں بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے خداوند نے فرمایا

''تم اپنی بری راہوں سے باز آ جاؤ اور اس شریعت کے مطابق جس کا حکم میں نے تمھارے باپ دادا کو دیا، اور جسے میں نے اپنے بندوں، نبیوں کی معرفت تمھارے پاس بھیجا ہے میرے احکام و آئین کو مانو۔''

اور کتابِ نحمیاہ (9:1) میں کہا گیا ہے:

''تم میری طرف پھر کر میرے حکموں کو مانو اور ان پر عمل کرو۔''

اس بات میں شک نہیں کہ خدا کی مقرر کردہ شریعت کے بارے میں یہود کا یہ تصور تھا کہ اس کی خلاف ورزی پر خدا ناراض ہوتا ہے اور اس نے بار بار اپنے حکموں کے ماننے اور ان پر عمل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔لیکن خدا خالق ہونے کی وجہ سے اپنے گناہ گار بندوں کی کمزوری کو جانتا ہے اور اپنے رحمان رحیم ہونے کی وجہ سے اپنے گناہ گار بندوں کے گناہ اور نافرمانی کے بعد توبہ اور رجوع کرنے والوں پر مہربانی فرما کر ان کو معاف بھی کر دیتا ہے۔اور توبہ کرنا اس کو کس قدر پسند ہے اس کے لیے آپ دیکھیں کہ وہ کتنی محبت سے اپنے بندوں کو واپس اپنی طرف بلاتا ہے وہ فرماتا ہے:

''اے برگشتہ اسرائیل واپس آ۔ میں تجھ پر قہر کی نظر نہیں کروں گا کیونکہ خداوند فرماتا ہے میں رحیم ہوں، میرا قہر دائمی نہیں...... خداوند فرماتا ہے، اے برگشتہ بچو

واپس آؤ کیونکہ میں خود تمھارا مالک ہوں۔" (کتابِ یرمیاہ 3:12-14)

اب خدا آپ کو خود بتا رہا ہے کہ اس کا قہر دائمی نہیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک انسان کے کیے ہوئے گناہ کی وجہ سے تمام انسانوں پر لعنت ڈال دے، وہ تو خود آپ کو واپس اپنی طرف بلا رہا ہے کہ میری طرف واپس آؤ میں ہی تمھارا مالک ہوں اور رحیم بھی ہوں اور میری رحمت اتنی زیادہ ہے کہ میں اس کی وجہ سے تمھاری غلطیوں، کوتاہیوں اور برے اعمال کو بھی تمھارے لوٹ آنے پر، توبہ کرنے پر معاف کر دوں گا۔ اس کو اس بات کا خود بھی علم ہے کہ انسان فطری طور پر کمزور ہے، خالق و مالک ہونے کی حیثیت سے وہ جانتا ہے کہ انسان خطا کا پتلا ہے، اسی لیے وہ فرماتا ہے۔

"کیا لوگ گر کر پھر نہیں اُٹھتے؟ کیا کوئی برگشتہ ہو کر واپس نہیں آتا۔"

(کتابِ یرمیاہ 4:8)

وہ خود بھی جانتا ہے کہ شیطان ہر وقت انسانوں کو بہکانے کے عمل میں مصروف رہتا ہے اس لیے اس نے اپنے بندوں کی واپسی کے لیے توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھا ہے اور اگر کوئی سچے دل سے اپنے کیے پر نادم ہو، شرمندہ ہو اور اس کی طرف رجوع کر کے اس سے توبہ کرے تو وہ اس عمل سے اتنا خوش ہوتا ہے کہ اگر اس نے اس قوم پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ بھی کیا ہو تو انعام کے طور پر اس کو روک دیتا ہے (لیکن عذاب کی واضح نشانیاں دیکھنے کے بعد اور موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی) جیسا کہ خدا کا ارشاد ہے:

"اگر وہ قوم جس کے حق میں میں نے کہا کہ برائی سے باز آئے، تو میں بھی اس بدی سے جو میں نے اس پر لانے کا ارادہ کیا باز آؤں گا۔" (کتابِ یرمیاہ 8:18)

توبہ کا دروازہ انسان کے لوٹ آنے کے لیے ساری زندگی کھلا رہتا ہے جیسا کہ کتابِ حزقی ایل باب نمبر 33 آیت نمبر 12 میں ارشاد ہے

"اور شریر کی شرارت جب وہ اس سے باز آئے تو اس کے گرنے کا سبب نہ ہوگی۔"

توبہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نظر میں

عہد عتیق کی تعلیمات کے مطابق انسان کی برائیاں اور خطائیں معاف کرنے کے لیے خدا کی رحمت کسی سہارے کی پابند یا محتاج نہیں ہے جیسا کہ کتابِ میکاہ میں اس کے بیان سے ظاہر ہے:

''وہ اپنا قہر ہمیشہ تک نہیں رکھ چھوڑتا۔کیونکہ وہ شفقت کرنا پسند کرتا ہے۔'' (18:7)

گویا عقیدۂ کفارہ جس کے تحت خدا نے ہزاروں سال تک بلاوجہ ہی انسانوں پر لعنت ڈال دی تھی غلط ہے کیونکہ اس کا قہر ہمیشہ کے لیے نہیں کیونکہ اس کو اپنے بندوں پر شفقت کرنا ان کے لیے زیادہ پسند ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی کتابِ زبور میں دعا ہے:

''اے خدا! اپنی شفقت کے مطابق مجھ پر رحم کر۔ اپنی رحمت کی کثرت کے مطابق میری سب خطائیں مٹا دے۔ میری بدی کو مجھ سے دھو ڈال اور میرے گناہ سے مجھ کو پاک کر۔'' (کتابِ زبور 51:1-2)

اور اسی کتاب میں مزمور 86 آیات 2-5 میں ہے:

''اے میرے خدا! اپنے بندے کو جس کا توکل تجھ پر ہے بچالے۔ یا رب مجھ پر رحم کر...... اس لیے کہ تو یا رب! نیک اور معاف کرنے پر تیار ہے اور اپنے سب دعا کرنے والوں پر شفقت میں غنی ہے۔''

حضرت یوایل علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''لیکن خداوند فرماتا ہے۔ اب بھی پورے دل سے اور روزہ رکھ کر اور گریہ زاری و ماتم کرتے ہوئے میری طرف رجوع لاؤ اور اپنے کپڑوں کو نہیں بلکہ اپنے دلوں کو چاک کر کے خداوند اپنے خدا کی طرف متوجہ ہو کیونکہ وہ رحیم، مہربان، قہر کرنے میں دھیما اور شفقت کرنے میں غنی ہے اور عذاب نازل کرنے سے باز رہتا ہے۔'' (کتابِ یوایل 2:12-13)

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت یوایل علیہ السلام کے مندرجہ بالا بیانات سے ظاہر ہے کہ پوری عاجزی سے اپنے گناہوں پر شرمندہ ہوکر اپنے رب کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ معاف کرنے پر تیار رہتا ہے اور توبہ کرنے سے خدا کا عذاب ٹلتا ہے اور اس کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

حضرت یرمیاہ علیہ السلام اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں،

"تو مجھے پھیر تو میں پھروں گا۔ کیونکہ تو ہی میرا خداوند ہے، کیونکہ پھرنے کے بعد میں نے توبہ کی۔" (کتابِ یرمیاہ 31:18-19)

حضرت یرمیاہ علیہ السلام توبہ کی اہمیت کی وجہ سے دعا کر رہے ہیں کہ تو مجھ کو اپنی طرف پھرنے کی توفیق دے کیونکہ تو میرا خدا ہے اور میرا تیری طرف پھرنا بھی تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور تیرے ہی اس توفیق دینے کے سبب میں نے توبہ کی۔

حضرت حزقی ایل علیہ السلام کی کتاب میں باب 18 آیات نمبر 21-22 سے معلوم ہوتا ہے کہ شریر کے اپنے شر سے باز آنے اور توبہ کرنے سے اور خدا کے حکموں کو ماننے سے وہ سزا کے طور پر مرے گا نہیں بلکہ زندہ رہے گا اور اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اس کو ان کی سزا نہیں دی جائے گی۔

"شریر اپنے تمام گناہوں سے جو اس نے کیے باز آئے اور میرے سب آئین پر چل کر جو جائز اور روا ہے کرے تو وہ یقیناً زندہ رہے گا، وہ نہ مرے گا۔ وہ سب گناہ جو اس نے کیے ہیں اس کے خلاف محسوب نہ ہوں گے۔"

اس کے علاوہ حضرت حزقی ایل علیہ السلام کی مندرجہ ذیل تعلیمات میں بھی توبہ کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے اور عیسائیت کے موجودہ نظریہ کفارہ کو جھٹلایا گیا ہے۔

"خداوند فرماتا ہے اے بنی اسرائیل! میں ہر ایک کی روش کے مطابق تمھاری عدالت کروں گا۔ توبہ کرو اور اپنے تمام گناہوں سے باز آؤ تا کہ بدکرداری کے سبب تمھاری ہلاکت نہ ہو۔ ان تمام گناہوں کو جن سے تم گناہ گار ہوئے ہو، دور

کرو اور اپنے لیے نیا دل اور نئی روح پیدا کرو۔ کیونکہ خداوند خدا فرماتا ہے کہ مجھے مرنے والے کی موت سے شادمانی نہیں اس لیے باز آؤ اور زندہ رہو۔''

(کتابِ حزقی ایل 32-30:18)

اب یہاں بھی واضح طور پر معلوم ہورہا ہے کہ ہرایک اپنے کیے ہوئے عمل کے مطابق اپنے رب کی عدالت میں پیش ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کفارہ بننے سے اس عدالت سے بچنے کا تصور کہیں بھی نظر نہیں آرہا ہے اس کے برعکس واحد راستہ جو دکھائی دے رہا ہے وہ یہ ہی ہے کہ جو گناہ کر کے گناہ گار ہو چکے ہیں وہ اپنے گناہوں سے باز آجائیں کیونکہ ان کے گناہ صرف انھی کے لیے ہلاکت کے سبب ہیں اس لیے ان کی نجات اس میں ہے کہ اپنے رب سے سچے دل سے توبہ کی جائے اور اس طرح کرنا گویا اس کے اندر نئی روح اور نیا دل پیدا ہونا ہے کہ وہ اپنے گناہ پر نادم ہوکر توبہ کر کے آئیندہ اپنے رب کی رضا کے مطابق چلنے اور گناہ نہ کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اور میں خاک اور راکھ سے توبہ کرتا ہوں۔'' (کتابِ ایوب 6:42)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے خدا سے دعا کرتے ہوئے اپنی قوم کے لیے اپنے رب سے عرض کیا:

''اور اگر وہ تیرا گناہ کریں (کیونکہ ایسا کوئی آدمی نہیں جو گناہ نہ کرتا ہو)......سو اگر وہ......اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے تیری طرف پھریں......اور اس گھر کی طرف جو میں نے تیرے نام کے لیے بنایا ہے رخ کر کے تجھ سے دعا کریں تو تُو ان کی سب خطاؤں کو جو ان سے تیرے خلاف سرزد ہوئی ہوں معاف کر دینا۔'' (کتابِ 1۔ سلاطین 50-46:8)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو جب نبوت و رسالت عطا کی گئی تو آپ نے دریائے اردن کے کنارے ایک خانقاہ بنائی جہاں لوگوں کو گناہوں سے معافی اور توبہ کی دعوت دیتے تھے۔

''یوحنا آیا اور بیابان میں بپتسمہ دیتا اور گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتا تھا اور یہودیہ کے ملک کے سب لوگ اور یروشلم کے سب رہنے والے نکل کر اس کے پاس گئے اور انھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے دریائے یردن میں اس سے بپتسمہ لیا۔'' (انجیل مرقس 1:4-5)

انجیل لوقا کے مطابق حضرت یحییٰ علیہ السلام کو خصوصی حکم ہوا کہ وہ توبہ کی منادی کریں:

''اس وقت خدا کا کلام بیابان میں زکریا کے بیٹے یوحنا پر نازل ہوا اور وہ یردن کے سارے گرد و نواح میں جا کر گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرنے لگا۔'' (انجیل لوقا 3:4)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود بھی توبہ کا بپتسمہ لیا جیسا کہ اناجیل کے مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ جو بپتسمہ حضرت یحییٰ علیہ السلام دیتے تھے وہ توبہ کا بپتسمہ تھا۔

''اور ان دنوں ایسا ہوا کہ یسوع نے گلیل کے ناصرہ سے آ کر یردن میں یوحنا سے بپتسمہ لیا۔'' (انجیل مرقس 1:9)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بپتسمہ لینے کا بیان انجیل لوقا (3:21)، اور انجیل متی (3:18) میں بھی موجود ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود بھی تبلیغ کرتے ہوئے توبہ کا حکم دیا جیسا کہ انجیل مرقس باب نمبر 1 آیات 14-15 سے یہ حکم واضح ہے

''یسوع نے گلیل میں آ کر خدا کی خوشخبری کی منادی کی اور کہا کہ وقت پورا ہو گیا ہے اور خدا کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے، توبہ کرو اور خوشخبری پر ایمان لاؤ۔'' (انجیل عبرانی کا لفظ ہے جس کے معنی خوشخبری کے ہیں)۔ انجیل لوقا باب نمبر 7 آیت نمبر 48 کے مطابق جب ایک ایک بدچلن عورت نے آنسو بہائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو گناہ معاف ہونے کی خوشخبری دی۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر آپ سچے دل سے توبہ کر کے ندامت کے آنسو ہی بہا دیں تو آپ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نہ صرف توبہ کرنے کا حکم دیا بلکہ اپنے ماننے والوں کو اس بات کی تبلیغ فرمائی کہ اگر کوئی آپ سے برا کرنے کے بعد آپ سے بھی اس بات کی معافی مانگے اور توبہ کرے تو اس کو معاف کر دیں بلکہ نہ صرف یہ بلکہ اگر وہ ایک ہی دن میں سات دفعہ بھی آپ سے برا سلوک کرنے کے بعد ہر دفعہ آ کر وہ اس بات کی آپ سے معافی مانگے تو نہایت فراخدلی سے اس کو معاف کر دیجیے۔

''اگر تیرا بھائی تیرا گناہ کرے تو اسے ملامت کر۔ اگر توبہ کرے تو اسے معاف کر۔ اور اگر وہ ایک دن میں سات دفعہ تیرا گناہ کرے اور ساتویں دفعہ تیرے پاس آ کر کہے کہ میں توبہ کرتا ہوں تو اسے معاف کر۔'' (انجیل لوقا 17:3-4)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ تبلیغ کی کہ برے اعمال پر قائم رہنا ہلاکت کی وجہ سے ہے اور ہلاکت سے صرف توبہ ہی کے ذریعے بچا جا سکتا ہے۔ انھوں نے فرمایا:

''اگر تم سب توبہ نہ کرو گے تو سب اسی طرح ہلاک ہو گے یا کیا وہ اٹھارہ آدمی جن پر شیلوخ کا برج گرا اور وہ دب کر رہ گئے۔ تمھاری دانست میں یروشلم اور سب رہنے والوں سے زیادہ قصور وار تھے؟ میں تم سے کہتا ہوں کہ نہیں بلکہ اگر تم توبہ نہ کرو گے تو سب اسی طرح ہلاک ہوں گے۔'' (انجیل لوقا 13:3-5)

انجیل متی کے باب نمبر 18 آیات 3-4 میں منقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشاد سے پتا چلتا ہے کہ سچے دل سے گناہوں سے معافی، مانگنے اور توبہ کرنے سے انسان گناہوں سے پاک صاف ہو کر چھوٹے بچوں کی طرح کی ہو جاتا ہے، جو گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم توبہ نہ کرو اور بچوں کی مانند نہ ہو تو آسمان کی بادشاہی میں ہرگز نہ داخل ہو گے۔ پس جو کوئی اپنے آپ کو اس بچے کی مانند چھوٹا بنائے گا وہی آسمان کی بادشاہی میں بڑا ہوگا۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بندے کے زمین پر توبہ کرنے سے آسمان پر اس بات کی خوشی منائی جاتی ہے کہ اللہ کا ایک گناہ گار بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اپنے

رب کی طرف لوٹ آیا ہے جیسا کہ ان کا فرمان انجیل لوقا باب نمبر 15 آیات 3-10 میں موجود ہے۔

"تم میں سے کون ایسا ہے جس کے پاس سو بھیڑیں ہوں اور ان میں سے ایک کھو جائے تو ننانوے کو بیابان میں چھوڑ کر اس کھوئی ہوئی کو جب تک وہ مل جائے ڈھونڈتا نہ رہے۔ پھر جب مل جاتی ہے تو وہ خوش ہو کر اسے کندھے پر اٹھا لیتا ہے اور گھر پہنچ کر دوستوں اور پڑوسیوں کو بلاتا اور کہتا ہے کہ میرے ساتھ خوشی کرو، کیونکہ میری کھوئی ہوئی بھیڑ مل گئی۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ننانوے راستبازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے کی نسبت آسمان پر زیادہ خوشی ہوگی یا کون سی ایسی عورت ہے جس کے پاس درہم ہوں اور ایک کھو جائے تو وہ چراغ جلا کر گھر میں جھاڑو نہ دے اور جب تک مل نہ جائے کوشش سے ڈھونڈتی نہ رہے اور جب مل جائے تو اپنی دوستوں اور پڑوسنوں کو بلا کر یہ نہ کہے کہ میرے ساتھ خوشی کرو کیونکہ میرا کھویا ہوا درہم مل گیا۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ایک توبہ کرنے والے گناہگار کے باعث خدا کو فرشتوں کے سامنے خوشی ہوتی ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے روزمرہ زندگی کے معمولات میں سے مثالیں دے کر توبہ کرنے کی اہمیت کو واضح کیا تو یہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ خدا نے ایک انسان کی وجہ سے سب پر لعنت ڈال دی اس کے لیے تو اپنا ایک ایک بندہ اس قدر اہمیت رکھتا ہے جب بھی کوئی گناہگار بندہ توبہ کر کے اپنے رب کی طرف لوٹتا ہے تو صرف اس کی توبہ کے باعث ہی خدا کو اپنے فرشتوں کے سامنے خوشی ہوتی ہے کہ میرا بندہ میری طرف واپس آ گیا اور اس بات کی آسمان پر باقاعدہ خوشی منائی جاتی ہے۔

عہد عتیق اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیانات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ کفارہ کا تصور کسی بھی نبی نے نہیں سکھایا اور عقیدہ کفارہ تمام

نبیوں کی تعلیمات کے بالکل الٹ ہے اس کو ماننے کا مطلب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کو جھٹلانا ہے۔

کیتھولک انسائیکلوپیڈیا میں اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ نئے عہد نامہ میں عقیدہ کفارہ کا کوئی اہم کردار نہیں ہے۔

In the N.T. Atonment does not play a primary role.

(The new Catholic Encyclopaedia Vol-1 P1025)

''نئے عہد نامہ میں کفارہ (کا عقیدہ) کوئی اہم کردار سر انجام نہیں دیتا۔''

آپ بغیر تحقیق کیے ایک گمراہ انسان پولس کی باتوں میں آ کر جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کر کے ان کو ملعون قرار دیتا ہے(گلتیوں 13:3) اور جس نے ان کی تعلیمات کو خراب کیا ہے، (جو اس کے خطوط سے صاف ظاہر ہے اور اس کے کچھ حوالے پہلے باب میں بیان کیے گئے ہیں) اس کی تمام بکواسات کو سچ مان کر اس نام نہاد نجات کے عقیدے پر یقین کیے بیٹھے ہیں ۔ کتاب مقدس اور خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اتنی زیادہ واضح تعلیمات کے باوجود'' مرغے کی ایک ٹانگ'' یعنی عقیدہ کفارہ پر قائم رہنے کی منطق یقیناً جہالت ہے اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اس عقیدے پر قائم رہنے والوں نے کبھی اپنی کتاب کو بھی کھول کر پڑھنے کی کوشش نہیں کی ورنہ شائد وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پڑھ کر ہی اس عقیدے سے باز آ جاتے۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں کا بھی عقیدہ یہ ہی تھا کہ نجات شریعت پر عمل میں مضمر ہے اور عمل میں کمی کی تلافی توبہ کے ذریعے ہوتی ہے۔ کفارہ کا یہ عجیب وغریب عقیدہ جس کی رو سے حضرت مسیح علیہ السلام کی قربانی کو انسانیت کی نجات کا طریقہ بتایا گیا تھا، پولس کی تعلیمات کی وجہ سے وجود میں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک پولس کے حامیوں اور اس کی تعلیمات کو ماننے والوں کو سرکاری سرپرستی حاصل نہیں ہوئی تھی لوگ اس عقیدے کو نہیں مانتے تھے جس کا اعتراف انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

''ابتدائی زمانہ کے آبائے کلیسا مسیح کی تکالیف (اور تصلیب) کو خدا کے غضب کا بالواسطہ طور پر ٹھنڈا کرنے کا ذریعہ نہیں گردانتے تھے۔''

(Encyclo. Brit. 1962, 5:634)

عہد نامہ جدید کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پانے اور پھر زندہ ہونے کا تجزیہ:

عقیدہ کفارہ کی تشریح سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ:

1: حضرت عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہوئے۔

2: وہ موت پر فتح پا کر جی اٹھے۔

آئیں یہ دیکھتے ہیں کہ کیا عہد نامہ جدید واقعی اس بات کو بیان کرتا ہے؟

حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب پانے کی کوئی حقیقی شہادت موجود نہیں ہے۔ انجیل نگاروں نے سنی سنائی باتوں کو اکٹھا کر کے جو کچھ لکھا ہے اس میں جابجا نمایاں اختلافات ہیں۔ جن کا کوئی بھی منصف مزاج شخص ایمانداری سے جائزہ لے تو اس نتیجے پر پہنچے گا کہ جس کو صلیب دی گئی وہ حضرت مسیح علیہ السلام نہیں بلکہ کوئی اور تھا، مسیحی فاضلین نے خود بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب دیئے جانے کے وقت ان کے شاگرد وہاں موجود نہیں تھے۔ (Encyclopaedia Biblica C-1879)

جب یہودی گرفتار کرنے آئے تو:

''سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔''

(انجیل مرقس 50:14، انجیل متی 56:26)

ان دونوں کی مشترکہ شہادت یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت ایک بھی شاگرد ان کے ساتھ نہ تھا۔

انجیل مرقس کے بیان کے مطابق جب گرفتاری کے وقت سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے ''مگر ایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین چادر اوڑھے ہوئے اس کے پیچھے ہو لیا۔ اسے لوگوں نے پکڑا مگر وہ چادر چھوڑ کر ننگا بھاگ گیا۔'' (انجیل مرقس 14:51-52)

انجیل لوقا کے بیان کے مطابق:

''پطرس فاصلہ پر اس کے پیچھے پیچھے جاتا تھا۔'' (انجیل لوقا22-54)

لیکن مصیبت پڑے پر اس نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور تین دفعہ کہا کہ میں انھیں نہیں جانتا۔ (انجیل لوقا22:51-66، انجیل متی 26:69-75، انجیل مرقس 14:66-72)

حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی شاگردوں سے فرمایا تھا:

''دیکھو وہ گھڑی آتی ہے بلکہ آ پہنچی کہ تم سب پراگندہ ہو کر اپنے اپنے گھر کی راہ لوگے اور مجھے اکیلا چھوڑ دو گے تو بھی میں اکیلا نہیں ہوں کیونکہ باپ میرے ساتھ ہے۔'' (انجیل یوحنا16:32)

اوپر موجود بیانات سے موجود ہوتا ہے کہ ایک بھی شاگرد ان کے ساتھ نہ تھا اور جو ذکر انجیل یوحنا نے باب 19 آیات 26-27 میں کیا ہے کہ ایک شاگرد صلیب کے وقت ساتھ تھا وہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کے بیان کے علاوہ انجیل متی و مرقس کے بیانات کے بھی خلاف ہے۔ اب شاگرد وہاں موجود نہیں تھے، اور جو یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرنے گئے تھے وہ ان کو پہچانتے بھی نہ تھے کیونکہ اگر وہ جانتے ہوئے تو انھیں اسی بات کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ وہ یہوداہ کو تیس روپے دیتے۔

''اس وقت ان بارہ میں سے ایک نے جس کا نام یہوداہ اسکریوتی تھا، سردار کاہنوں کے پاس جا کر کہا کہ اگر میں اسے تمھارے حوالے کردوں تو مجھے کیا دو گے، انھوں نے اس کو تیس روپے تول کر دیئے۔''

(انجیل متی 26:14-15)

اس نے یہودیوں کو یہ شناخت بتائی تھی کہ میں جس کا بوسہ لوں وہی یسوع ہے۔ (انجیل متی 26:47-49، انجیل مرقس 14:43-46، انجیل لوقا22:47-49)

یہاں پھر انجیل یوحنا کا بیان ان سے مختلف ہے۔

''جب یہودی پکڑنے کو پہنچے تو اس نے ان سے کہا کسے ڈھونڈتے ہو؟ انھوں

نے جواب دیا یسوع ناصری کو۔ یسوع نے ان سے کہا، میں ہی ہوں اور اس کا پکڑ وانے والا یہوداہ بھی ساتھ ہی کھڑا تھا۔ اس کے یہ کہتے ہی کہ میں ہوں وہ پیچھے ہٹ کر زمین پر گر پڑے۔ پس اس نے ان سے پھر پوچھا کہ تم کسے ڈھونڈتے ہو، انھوں نے کہا یسوع ناصری کو۔ یسوع نے ان سے کہا کہ میں تم سے کہہ تو چکا ہوں کہ میں ہی ہوں۔'' (انجیل یوحنا 18:5-9)

لیکن ان بیانات کے مختلف ہونے کے باوجود یہ بات تو ظاہر ہے کہ پکڑنے والے ان کو پہچانتے نہیں تھے ورنہ نہ ان کو رشوت دینے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی یہ ممکن تھا کہ وہ پہچاننے کے باوجود حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس ہی کھڑے ہو کر ان کو ڈھونڈ رہے ہوتے اور ان کو یہ نہ پتا ہوتا کہ جس کو ڈھونڈ رہے ہیں، اسی کے پاس کھڑے ہیں۔ اس وقت اندھیرا بھی تھا اور پکڑنے والے ان کو پہچانتے بھی نہ تھے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت بھی تبدیل ہو چکی تھی۔

(انجیل لوقا 9:26، انجیل مرقس 9:2، انجیل متی 17:2)

حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیب سے بچنے کی دعا بڑی عاجزی سے کی تھی۔

(انجیل متی 26:29، انجیل مرقس 14:35، انجیل لوقا 22:41-46)

کتابِ امثال میں بیان ہے کہ ''خداوند شریروں سے دور ہے پر وہ صادقوں کی سنتا ہے۔''

(کتابِ امثال 15:29)

اور حضرت مسیح علیہ السلام یقیناً صادقوں میں سے تھے۔ آزمائش، موت اور تکلیف تو صادقوں پر بھی آ سکتی ہے لیکن جب انھوں نے اس سے بچنے کی خواہش کی تو کتاب مقدس کے مندرجہ بالا بیان کے مطابق انھیں یقیناً موت سے یعنی صلیب سے محفوظ رہنا چاہیے تھا اور قیاس کہتا ہے کہ وہ محفوظ رہے کیونکہ ان کے لیے فرشتوں کی مدد کا وعدہ پہلے ہی ہو چکا تھا جیسا کہ درج ذیل بیانات سے یہ بات ظاہر ہے:

''وہ تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دے گا کہ تیری حفاظت کریں اور یہ بھی کہ وہ

تجھے ہاتھوں پر اٹھالیں گے، مبادا تیرے پاؤں کو پتھر سے ٹھیس لگے۔"

(انجیل لوقا4:10-11، انجیل متی 6:4)

اس وعدے کے مطابق جب یہودی انھیں گرفتار کرنے آئے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتہ ان کی مدد کے لیے بھیج دیا جیسا کہ انجیل لوقا کے بیان سے ظاہر ہے۔

"آسمان سے ایک فرشتہ اس کو دکھائی دیا، وہ اسے تقویت دیتا تھا۔"

(لوقا22:43)

انجیل برنباس میں بھی اس کی تائید ہے کہ ان کی فرشتوں سے مدد کی گئی تھی

"پس جب اللہ نے اپنے بندے کو خطرے میں دیکھا، اپنے سفیروں جبرائیل، میخائل اور رفائل کو حکم دیا کہ یسوع کو دنیا سے لے لیویں تب پاک فرشتے آئے اور یسوع کو دکھن سے دکھائی دینے والی کھڑکی سے لے لیا پس وہ اس کو اٹھا لے گئے اور اسے تیسرے آسمان میں ان فرشتوں کی صحبت میں رکھ دیا جو ابد تک اللہ کی تسبیح کرتے رہیں گے۔" (فصل 215:4-6)

(عیسائیت کے اوّلین معلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری برنباس کی انجیل کے بارے میں پانچویں صدی میں پوپ جیلاشس اول نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ انجیل برنباس کا مطالعہ کرنے والا مجرم سمجھا جائے گا۔ انسائیکلو پیڈیا امریکانا ص262 ج3 مقالہ برنباس، چیمبرس انسائیکلو پیڈیا ص 197 ج 6 مقالہ جیلاشس اور مقدمہ انجیل برنباس از ڈاکٹر خلیل سعادت مصری مسیحی)

مقدس پطرس کی انجیل کی پانچویں فصل میں ہے:

"دوپہر کا وقت تھا اور تمام یہودیہ پر تاریکی چھا رہی تھی اور لوگ فکر مند اور خاصے مضطرب تھے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے جیتے جی سورج ڈوب جائے کیونکہ لکھا ہے کہ سورج مقتول کے ہوتے ہوئے نہ ڈوبنے پائے اور ان میں سے ایک نے کہا کہ اس کو پت میں ملا ہوا سرکہ پلاؤ اور انھوں نے اسے ہلا کر یسوع کو پلایا۔ یوں وہ

سب کچھ پورا کر کے اپنے گناہوں کو سروں پر لائے اور بہت لوگ چراغ لیے پھرتے تھے، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ رات ہوگئی اور بعض لوگ گر بھی پڑے، پھر خداوند نے چلا کر کہا، اے میری قدرت، اے میری قدرت! تو نے مجھے چھوڑ کیوں دیا، اور وہ یہ کہہ کر اُٹھا لیا گیا۔''

(پطرس کی انجیل فصل 5 بحوالہ کتاب تحریف انجیل وصحت انجیل)

انجیل پطرس کا یہ جملہ ہلمین اسٹریٹر نے اپنی مشہور کتاب "اناجیل اربعہ" (The Four Gospels) (مطبوعہ میکملن نیویارک 1961ء ص 5) میں نقل کیا ہے، اس کی تاویل اگرچہ اسٹریٹر نے یہ کی ہے کہ یہاں مسیح سے مراد ان کا خدائی وجود ہے لیکن انجیل پطرس میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں بلکہ اس کے خلاف یہ دلیل موجود ہے کہ آسمان پر اٹھانے کے لیے (Passive Vioce) استعمال کیا گیا ہے۔ خود اسٹریٹر نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

''He was taken out'' (اس کو اوپر اٹھا لیا گیا)۔

کتاب امثال سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ پھانسی حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں بلکہ یہوداہ اسکریوتی کو ہی ہوئی تھی جیسا کہ بیان ہے ''صادق مصیبت سے رہائی پاتا ہے اور شریر اس میں پڑ جاتا ہے۔'' (کتابِ امثال 11:8) اور اس کے آگے مزید بیان یہ ہے ''شریر صادق کا فدیہ ہوگا اور دغا باز راستبازوں کے بدلے میں دے دیا جائے گا'' (کتابِ امثال 21:18)۔ حضرت مسیح علیہ السلام حقیقتاً اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے صادق بندے اور رسول تھے اسی لیے انھوں نے اپنی مصیبت سے رہائی پائی اور شریر (یہوداہ اسکریوتی) اس مصیبت میں پڑ گیا اور اس دغا باز کو حضرت مسیح علیہ السلام کے بدلے میں پھانسی دے دی گئی۔ مقدس برناباس اور مقدس پطرس جنھوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد عیسائیت کی تبلیغ کے فرائض سرانجام دیئے اور جو اُن کے حواریوں میں سے بھی تھے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے قائل نہیں تھے، اس کے علاوہ مسیحیت کی ابتداء ہی سے متعدد افراد اور فرقے اس بات کے قائل رہے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب نہیں ہوئی اگر ہوئی بھی تو غدار یہوداہ اسکریوتی کو ہوئی یا

شمعون کرینی کو جو حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیب اٹھا کر صلیب گاہ تک لے کر گیا تھا۔

(Encyclo. Brit 14th Edition: 1929 vol 3.P 176)

(Encyclopaedia of Relgion and Ethics Vol 4. P 833)

ابتدائی دور میں (Docities) دوسیتی فرقے کا کہنا تھا کہ پھانسی مسیح علیہ السلام کو نہیں بلکہ غدار یہوداہ اسکریوتی کو یا شمعون کرینی کو ہوئی (The Oxford Dictionary of Church P941)۔ اس کے بعد کے دور میں ''رسولوں کی تعلیم'' نامی تحریر جس کو الہامی ''دستاویز'' کی حیثیت حاصل تھی اس میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی نجات آفرین موت کا کوئی ذکر نہ تھا۔

(Henery Chadwick: The Early Church Penguin books 1984 P-46-47)

یہودی مؤرخ یوسیفس 37ء کی کتاب میں بھی یہ مسئلہ الحاقی ہے اس کا اقرار عیسائیوں کو بھی ہے تفسیر بائبل رومن سکاٹ ڈاکٹر لارڈنر بشپ دار برٹن دیانڈل کلارک، سب اس مسئلہ کے الحاقی ہونے کے قائل ہیں۔ بعد کے زمانے میں حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کے مصلوب ہونے کا عقیدہ پولس کے حامیوں کو سرکاری سرپرستی ملنے پر عام ہوگیا لیکن ابتدائی زمانے میں اس کے برعکس عقیدہ بھی اتنا عام پھیلا ہوا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیبی موت کا پرچار کرنے کے باوجود خود پولس نے بھی اس بات کا شعوری یا غیر شعوری طور پر اعتراف کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی مذکورہ دعا سنی گئی، اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ وہ صلیب سے بچ گئے۔ عبرانیوں کے نام خط (5:7-8) میں وہ لکھتا ہے۔

''اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا کر اسی سے دعائیں اور التجائیں کیں جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب اس کی سنی گئی اور باوجود بیٹا ہونے کے اس نے دکھ اٹھا اٹھا کر فرمانبرداری سیکھی۔''

یعنی زیادہ سے زیادہ یہی ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے دکھ اٹھایا لیکن ان کی موت سے

بچنے کی دعا سنی گئی اور قبول ہوئی۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے خود بھی یہی شہادت دی تھی اور واضح طور پر پیشین گوئی فرمائی تھی کہ "تم مجھے پکڑ نہ سکو گے۔ ان کے ذیل کے بیانات سے یہ پیشین گوئی ثابت ہے۔"

1: "پس سردار کاہنوں نے اور فریسیوں نے اس کو پکڑنے کو پیادے بھیجے۔ یسوع نے کہا میں اور تھوڑے دنوں تک تمھارے پاس ہوں، پھر اپنے بھیجنے والوں کے پاس چلا جاؤں گا تم مجھے ڈھونڈو گے مگر نہ پاؤ گے اور جہاں میں ہوں تم نہیں آ سکتے۔"

(انجیل یوحنا7:32-34)

2: "اس نے پھر ان سے کہا میں جاتا ہوں اور تم مجھے ڈھونڈو گے اور اپنے گناہ میں مرو گے۔ جہاں میں ہوں تم نہیں آ سکتے۔ پس یہودیوں نے کہا کیا وہ اپنے آپ کو مار ڈالے گا جو کہتا ہے جہاں میں جاتا ہوں تم نہیں آ سکتے۔ اس لیے اس نے ان سے کہا کہ تم نیچے کے ہو میں اوپر کا ہوں، تم دنیا کے ہو، میں دنیا کا نھیں ہوں۔"

(انجیل یوحنا8:21-24)

اور ان کی پیشین گوئی کے مطابق یہودی ان کو پکڑ نہیں سکے۔

اس وقت شریعت میں یہ بات اس قدر عام اور مشہور تھی کہ عام لوگ بھی یہ بات جانتے اور اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی ابد تک دراز ہوگی کہ ان کے مصلوب ہونے پر یقین کرنا ناممکن ہے۔ تصدیق کے لیے درج ذیل بیانات دیکھیں:

1: "لوگوں نے اس کو جواب دیا کہ ہم نے شریعت کی یہ بات سنی ہے کہ مسیح ابد تک رہے گا۔" (انجیل یوحنا12:34)

2: "اس نے تجھ سے زندگی چاہی اور تو نے بخشی بلکہ عمر کی درازی ہمیشہ کے لئے۔"

(کتاب زبور21:4)

حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے دکھ پانے کی پیشین گوئی ہی کی تھی مگر اپنے صلیب پانے کی پیشین گوئی نہیں کی تھی (انجیل متی12:17، انجیل لوقا15:22، 26:24)۔ انھوں نے یہودی

علماء اور سرداروں کو انبیاء کے قاتلوں کے فرزند کہا، ہابیل سے لے کر حضرت زکریا علیہ السلام تک سب راست بازوں کا خون بہانے کا ذمہ دار قرار دیا پھر بھی اس موقع پر یہ پیشین گوئی ہرگز نہیں کی کہ تم لوگ میرا خون بھی بہاؤ گے۔ (انجیل متی 23:29-36)

قرآن پاک نے ہمیں یہ بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب ہرگز نہیں کیا گیا بلکہ ان کی جگہ کسی اور کو صلیب دی گئی اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اوپر اٹھالیا اور جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں ان کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ وہ صرف شک کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتے ہیں اس بات کی تصدیق برناباس حواری نے بھی کی ہے۔

”اور یہوداہ زور سے اس کمرے میں داخل ہوا۔ جس میں سے یسوع اٹھالیا گیا تھا۔ اور شاگرد سب سو رہے تھے۔ پس یہوداہ بولی اور چہرے میں بدل کر یسوع کے مشابہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ ہم لوگوں نے اعتقاد کیا کہ وہ یسوع ہے۔“
(انجیل برناباس: فصل 216:1-3)

اس کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

﴿وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًاo بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًاo﴾

(سورۃ النساء: 157تا158)

”اور انھوں نے کہا کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا، حالانکہ نہ تو انھوں نے اسے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لیے اس (عیسیٰ) کا شبیہ بنا دیا گیا تھا، اور بے شک عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں، انھیں اس کا کوئی یقین نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے، اتنا یقینی ہے کہ انھوں نے اسے (عیسیٰ) کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ

اللہ نے اسے (عیسیٰ) کو اپنی طرف اٹھالیا۔اور اللہ بڑا زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے۔"

اب قرآن کے اس دعوے کی تصدیق، کہ انھوں نے (یہودیوں نے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں بلکہ ان کی جگہ یہوداہ اسکریوتی کو جو اُن کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا کو مصلوب کیا۔جیسا کہ پہلے کے بیان سے ثابت ہو چکا ہے اور اولین دور کے عیسائی حضرات بھی اس بات کو نہیں مانتے تھے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب کیا گیا ہے۔گویا قرآن کا دعویٰ سو فیصد سچا ہے۔اور یہ بات بھی قرآن کے دعویٰ کو(کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کرنے کے بارے میں شک میں ہیں۔انھیں اس کا یقین نہیں ہے) سچ ثابت کرتی ہے کہ مروجہ اناجیل اربعہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیب کے متعلق واقعات بیان کرتی ہیں تو ان میں بہت زیادہ نمایاں اختلافات ہیں۔

1: ایک طرف تو انجیل لوقا و انجیل متی میں آتا ہے کہ فرشتے ان کو ہاتھوں پر اٹھالیں گے اور ان کو پتھر کی ٹھیس بھی نہ لگے گی، دوسری طرف یہ آتا ہے کہ وہ مصلوب ہوئے۔

2: ایک طرف تو مسیح علیہ السلام نے (بمطابق انجیل یوحنا) فرما دیا تھا کہ مجھے پکڑ نہ سکو گے۔ دوسری طرف آتا ہے کہ انھوں نے مسیح علیہ السلام کو پکڑ لیا۔

3: انجیل یوحنا (4:18) میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام خود نکل کر سامنے آ گئے۔دوسری طرف یہ آتا ہے کہ یہوداہ نے پکڑوانے کے لیے بوسے لئے

(انجیل متی 26:47-49،انجیل مرقس 14:43-46،انجیل لوقا 22:47-49)

4: انجیل متی 27:45،انجیل مرقس 15:33،انجیل لوقا 23:44 ان تینوں کے انگلش اور عربی تراجم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام 6 بجے کے قریب صلیب پر تھے اور انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹھیک اس وقت وہ پیلاطس کے دربار میں تھے۔

5: تین انجیلیں (لوقا 23:26،متی 27:32،مرقس 15:21) میں یہ بیان ہے کہ

"اور جب اس کو لیے جاتے تھے تو انھوں نے شمعون نامی ایک کرینی کو جو

دیہات سے آتا تھا، پکڑ کر صلیب اس پر لادی کہ یسوع کے پیچھے پیچھے چلے۔''

اور انجیل یوحنا (17:19) میں ہے:

''پس وہ یسوع کو لے گئے اور وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے اس جگہ تک باہر گیا جو کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے۔''

6: انجیل متی (44:27) کا بیان ہے:

''اسی طرح ڈاکو بھی جو اس کے ساتھ مصلوب ہوئے تھے اس پر لعن طعن کرتے تھے۔''

لیکن انجیل لوقا کا بیان ہے کہ ایک نے مسیح کو لعن طعن کیا اور دوسرے نے کہا:

''اے یسوع جب تو اپنی بادشاہی میں آئے تو مجھے یاد کرنا'' پھر مسیح نے اسے جنت کی بشارت دی۔'' (انجیل لوقا 23: 39-43)

7: انجیل متی (27:2-5) میں ہے کہ پکڑوانے والے یہوداہ نے تیس روپے سردار کاہنوں کو واپس کر دیئے اور خود اپنے آپ کو پھانسی دے لی اور کتاب رسولوں کے اعمال (18:1) میں بیان ہے کہ اس نے ان روپوں کا کھیت خود خریدا اور وہ سر کے بل گر پڑا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا، اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں اور وہ مر گیا۔

8: صلیب کے وقت انجیل متی (55:27) اور انجیل مرقس (15:40-41) کے مطابق کچھ عورتیں دور سے دیکھ رہی تھیں (تاریکی میں ان عورتوں کو دور سے کیا نظر آ سکتا تھا کہ ہم ان کے اس بیان پر یقین کریں؟)۔ انجیل یوحنا (25:19) کے مطابق عورتیں صلیب کے پاس تھیں

9: مصلوب ہوتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا کہا تھا اس میں بھی اختلاف ہے۔

انجیل متی (46:27) میں لکھا ہے:

''تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا،

''ایلی، ایلی لما سبقتنی یعنی اے میرے خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟''

انجیل مرقس (34:15) میں:

''الوهی الوهی لما سبقتنی؟ جس کا ترجمہ ہے اے میرے خدا، اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا''؟ کے الفاظ ہیں، ایلی کی جگہ الوہی کا لفظ ہے۔

انجیل لوقا (46:23) کے مطابق ان کے آخری الفاظ یہ تھے'' اے میرے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں۔''

انجیل یوحنا (30:19) کا بیان ہے:

''کہا کہ تمام ہوا اور سر جھکا کر جان دے دی۔''

10: صلیب پر جو عنوان لکھ کر لگایا گیا تھا اس کی عبارت پر چاروں انجیلوں کا اختلاف ہے۔انجیل متی کے مطابق اس کے الفاظ یہ ہیں

''یہ یہودیوں کا بادشاہ یسوع ہے۔'' (انجیل متی 37:27)

انجیل مرقس کا کہنا یہ ہے کہ اس پر صرف:

''یہودیوں کا بادشاہ'' لکھا تھا۔'' (انجیل مرقس 24:15)

انجیل لوقا (38:23) میں یہ الفاظ یوں ہیں:

''یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے۔''

جبکہ انجیل یوحنا (19:19) کے بیان کے مطابق الفاظ صرف یہ تھے

''یسوع ناصری یہودیوں کا بادشاہ۔''

11: کفن کے بارے میں اختلاف ہے ۔انجیل یوحنا (40:19) کے مطابق کفن سوتی کپڑے میں دیا، انجیل مرقس (46:15)، انجیل متی (27-59) اور انجیل لوقا (53:23) کے مطابق کتان کے کپڑے میں دیا (پروٹسٹنٹ بائبل لاہور 1990ء میں یہ فرق اس ہی طرح موجود ہے، جبکہ کراچی، کیتھولک بائبل 1999ء میں اس فرق کو ختم کر دیا گیا ہے)۔

12: صلیب پر مرنے کے وقت جو واقعات پیش آئے ان میں انجیل لوقا (23:44-45)

اور انجیل مرقس (15:33-38) کے مطابق تمام ملک میں اندھیرا چھا گیا اور مقدس کا پردہ پھٹ گیا۔ انجیل یوحنا میں کسی قسم کے خلاف معمول واقعے کا ذکر موجود نہیں ہے۔ جبکہ انجیل متی میں مزید حیرت ناک واقعات، جن کی تصدیق کہیں سے بھی نہیں ہوتی ان کا ذکر ہوا ہے باب نمبر 27 آیات 51-53 میں انجیل متی کے بیان کے مطابق مقدس کا پردہ پھٹنے کے علاوہ ''زمین لرزی، چٹانیں تڑک گئیں، بہت سے مردے نکل کر جی اٹھے اور بہتوں کو دکھائی دیئے۔''

اور یہ ایسے واقعات ہیں جن سے عیسائی فضلاء کو بھی اختلاف ہے اور وہ اس بات کا یقین نہیں کرتے کہ انجیل متی کے بیان کردہ واقعات (27:51-53)۔ یا دوسری دو انجیلوں کے بیان کردہ واقعات پیش آئے جیسا کہ بائبل کی ایک مستند قاموس سے ثابت ہے

''یہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں کہ عظیم تاریکی، زلزلہ، معبد کے پردہ پھٹنے اور مردوں کے مقابر سے نکلنے کے واقعات حقیقت میں وقوع پذیر ہوئے۔''

(Encyclo Biblica, c.4701)

ایسے خلاف معمول واقعات دیکھنے کے بعد انجیل متی (27:54) کے مطابق صوبہ دار نے یہ کہا کہ یہ خدا کا بیٹا تھا لیکن یہودیوں نے پھر بھی یہ کہا کہ اس دھوکے باز نے جیتے جی کہا تھا کہ میں تین دن میں جی اٹھوں گا، ایسا نہ ہو کہ اس کے شاگرد اسے چرا کر لے جائیں اور لوگوں یہ کہہ دیں کہ وہ مردوں سے جی اٹھا ہے اور یہ دھوکہ پچھلے سے بھی برا ہو (انجیل متی 27:63-65)۔ حالانکہ ایسے واقعات سے ڈر کر ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا کر شرمندگی وندامت کے ساتھ خدا سے توبہ کرنی چاہیے تھی۔

13: قبر پر جو عورتیں گئیں ان کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ انجیل مرقس (16:1) سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی عورتیں جب سورج نکلا ہی تھا، قبر پر آئیں۔ انجیل یوحنا (20:1) کا بیان ہے کہ اس وقت تاریکی تھی اور آنے والی صرف ایک ہی عورت تھی۔

14: حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہو کر کسی کو دکھائی دیئے؟ اس میں موجود اختلافات دیکھئے۔ انجیل

یوحنا (20:1-2) کے مطابق مریم نے خود ان کو دیکھا نہ کوئی فرشتہ دیکھا وہ تو خالی قبر دیکھ دوڑی ہوئی مسیح کے شاگردوں کو بتانے گئی کہ مسیح کو نکال کر کہیں لے گئے ہیں۔(انجیل لوقا 24:4-6) میں ہے کہ خود نہ دیکھا فرشتوں سے سن کر خبر دی۔انجیل مرقس (16:9) اور انجیل یوحنا (19:14) میں ہے مریم مگدلینی نے خود دیکھا جبکہ انجیل لوقا (24:15) میں یہ بیان ہے کہ دو مردوں یا شمعون کو نظر آئے تھے۔

مریم مگدلینی کے بارے میں ہی اناجیل کو زیادہ اتفاق ہے کہ اس نے ان کی قبر خالی دیکھی اور ان کے جی کر اٹھنے کی گواہی دی (انجیل لوقا 8:2)۔اور انجیل مرقس (16:9) مطابق مریم مگدلینی ہی وہ عورت تھی جس میں مسیح نے سات بدروحیں نکالی تھیں۔وہ پہلے ہی اعصابی تکلیف کا شکار ہونے کے علاوہ ہسٹریا کی مریض بھی تھی۔اور اس کے سابقہ کردار پر بھی بعض لوگوں نے شک کیا ہے (قاموس الکتاب ص906) اس لیے اس کی گواہی پر حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات بعد الموت پر یقین کر کے اس کو کسی بھی اہم عقیدے کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔

15: قبر پر فرشتوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔(انجیل یوحنا 20:12) کے بیان کے مطابق مریم مگدلینی نے قبر کے اندر دو فرشتے دیکھے۔(انجیل لوقا 24:4) میں کچھ عورتوں نے دو شخص قبر پر کھڑے دیکھے۔(انجیل مرقس 16:5) میں ہے کہ کچھ عورتوں نے ایک شخص قبر کے اندر دیکھا۔(انجیل متی 28:2) کا بیان ہے خداوند کا فرشتہ آسمان سے اتر کر پتھر پر بیٹھ گیا۔

16: انجیل متی (12:39-40) میں حضرت مسیح علیہ السلام سے یہ پیشین گوئی منسوب کی گئی ہے کہ جب ان سے بعض فقیہوں اور فریسیوں نے کوئی معجزہ طلب کیا تو:

"اس نے جواب دے کر ان سے کہا کہ اس زمانے کے برے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوناہ نبی کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔"

اس پیش گوئی میں واضح طور پر حضرت یونس علیہ السلام کی مثال دی گئی ہے کہ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تین دن اور تین رات زمین کے اندر رہیں گے لیکن اس میں بھی دو اختلافات ہیں۔

1: حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں زندہ تھے اور مچھلی تین دن انھیں پیٹ میں لے کر پھرتی رہی اور جب اس نے انھیں ساحل پر اگلا تو وہ زندہ تھے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بات کریں تو اگر وہ مردہ تھے تو یہ پیش گوئی غلط ثابت ہوتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ زندہ تھے تو اس کا مطلب ہے کہ عقیدہ کفارہ غلط ہے اور وہ مصلوب نہیں ہوئے۔

2: بائبل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جمعے کے دن مصلوب کیا گیا اور اتوار کو قبر خالی تھی۔ اس طرح تو یہ دو دن بھی نہیں بنتے بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک دن اور دو راتیں بنتی ہیں، تین دن اور تین راتیں نہیں۔

17: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دفن ہونے کی شہادت بھی واضح نہیں ہے۔ اناجیل کے مطابق آرمینیہ کے رہنے والے یوسف نے پیلاطس سے مسیح علیہ السلام کی لاش مانگی، انھیں کفن پہنایا اور ایک چٹان میں کھودی ہوئی قبر میں رکھ کر پتھر لڑھکا دیا۔

(انجیل متی 27:57-60، انجیل لوقا 23:50-53، انجیل مرقس 15:42-47)

یہاں یوسف کے علاوہ دفن ہوتے ہوئے کون موجود تھا اس میں اختلاف ہے، انجیل متی اور انجیل مرقس نے قبر کے سامنے دو عورتوں کا ذکر کیا ہے، انجیل لوقا نے یہ بیان کیا ہے کہ گلیل سے آئی عورتوں نے یوسف کے پیچھے جا کر قبر کو دیکھا جبکہ انجیل یوحنا (19:38-40) میں یوسف کے ساتھ ایک اور شخص نیکدیمس کا بیان ہے۔ دوسری بات یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پھانسی کی طرح تدفین کے وقت حواری ان کے ساتھ موجود نہ تھے جو دن رات ان کے ساتھ تھے اور یہ تصدیق کر سکتے تھے کہ قبر میں جو لاش رکھی گئی ہے وہ کس کی ہے۔

اب اگر اس سارے واقعے پر غور کریں، حواری تو اس وقت ہی بھاگ گئے تھے جب پکڑنے والے آئے، اندھیرا تھا، پکڑنے والے حضرت حضرت مسیح علیہ السلام کو پہچانتے نہیں تھے

اور ان کی شکل بھی بدل چکی تھی۔ اللہ کی مدد کا وعدہ تھا کہ فرشتے ان کو پتھر کی ٹھیس بھی نہ لگنے دیں گے، مصلوب ہونا تو بہت بڑی بات ہے۔ حسب وعدہ فرشتہ ان کو تقویت دینے کو پہنچا اور حواریوں کے بیان کے مطابق فرشتے ان کو اٹھا لے گئے۔ صلیب کے وقت کوئی بھی حواری ان کے پاس موجود نہ تھا۔ یعنی کوئی بھی مومن صلیب کے اس واقعہ کی تصدیق نہیں کرسکا۔ صرف چند عورتیں وہ بھی اندھیرے میں دور سے دیکھ رہی تھیں۔ اور اندھیرے میں دور سے کچھ صاف دکھائی نہیں دیتا۔ اس طرح یہوداہ اسکریوتی ان کی جگہ مصلوب ہوا۔ جیسا کہ پہلے کتاب مقدس کے حوالے سے بیان ہے کہ شریر کو صادق کے بدلے فدیہ میں دیا جاتا ہے اس لیے اس کو (یہوداہ کو) حضرت مسیح علیہ السلام کے بدلے فدیہ میں دے دیا گیا کفن، صلیب پر موجود بیان، فرشتوں کی قبر پر تعداد، کن لوگوں نے مصلوب ہوتے دیکھا؟ کن لوگوں نے قبر میں رکھتے دیکھا؟ کن لوگوں نے ان کو زندہ ہونے پر دیکھا غرض ہر شے پر اختلاف ہے۔ زندہ ہونے پر جس عورت کی گواہی مانی گئی ہے وہ پہلے سے مشکوک کردار کی حامل، ہسٹریا اور آسیب کی مریض رہی ہے۔ پطرس اور برنباس کی گواہی سے ظاہر ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں تھے اور اس بحث کے شروع میں حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ اولین دور کے عیسائی بھی اس عقیدے پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ پولُس کے حامیوں کو سرکاری سرپرستی حاصل ہونے سے پہلے یہ عقیدہ عیسائی ہونے کی بنیاد نہیں تھا۔ قبر سے اٹھتے وقت بھی حواری موجود نہیں تھے نہ ان کو یہ اطلاع تھی کہ حضرت مسیح علیہ السلام مردوں میں سے زندہ ہوں گے جیسا کہ انجیل یوحنا (10-9:20) کے بیان سے ظاہر ہے۔

اتنے شدید اختلافات کی بناء پر ہم یقیناً اس بات پر حق بجانب ہیں کہ اس واقعے کو غلط مان کر اس عقیدے کو جھٹلا دیں اور قرآن پاک کی اس شہادت پر ہی ایمان لائیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے بلکہ ان کو زندہ اوپر اٹھایا گیا ہے۔ محققین نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے جی اٹھنے کا واقعہ کسی نے نہیں دیکھا

"البتہ (جی اٹھنے کا) واقع کسی آنکھ نے نہیں دیکھا"

(Adolf Harnack: What is Christanity P.164)

اور ان اختلافات کا اتنا زیادہ اور واضح ہونا بھی قرآن کی گواہی کی سچائی کا ثبوت ہے کہ

"انھیں اس بات کو کوئی یقین نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے۔"

اس تمام بحث سے ثابت ہوا کہ انجیل نگاروں نے صرف سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے یہ سارا واقعہ بیان کیا ہے اسی لیے اس میں اتنے زیادہ اختلاف نمایاں ہیں کیونکہ اگر یہ واقعہ حقیقتاً ایسا ہی ہوتا تو اس میں اتنے مختلف بیانات کی گنجائش نہ ہوتی۔ بعض ماہرین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ فرمودات اور قصص، مصائب کے علاوہ کچھ اور قسم کے قصے، حکایات اور روایات بھی اناجیل کی بنیاد بنیں جن میں......

"اقوال، واقعات، بحث و گفتگو کے ٹکڑے، معجزات کی کہانیاں، تمثیلات اور یسوع کے بارے میں کہانیاں وغیرہ شامل ہیں۔"

(Coiller,s Encyclopaedia Vol 9. P.199)

اس کے باوجود عقیدہ کفارہ کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی اس کا جواب انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا یوں دیتا ہے:

"نجات کے نظریے کو عیسائی عقیدہ میں نمایاں ترین جگہ حاصل ہے اتنی نمایاں کہ اکثر عیسائی ایمانداروں کے نزدیک یہ (عیسائیت کا) اعلیٰ ترین نظریہ ہے۔ حتیٰ کے یسوع کے خدا ہونے کے نظریہ کی اہمیت بھی اسی لیے ہے کہ کفارہ کو مؤثر بنانے کے لیے اس کا ماننا ضروری ہے۔"

(Encyclo Brit 1962, Vol 5 P634)

عقیدہ کفارہ کے خلاف عقلی دلائل

1: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب کی موت کا کفارہ بن جانا عقل کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اس سے مراد عیسائیوں کے خیال میں وہ اصلی گناہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام نے کیا تھا لیکن یہ بات کتاب مقدس کی تعلیمات خصوصاً کتاب حزقی ایل (20:18) کے خلاف

ہے۔ جس میں یہ واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ باپ بیٹے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا نہ ہی بیٹا باپ کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا جبکہ عیسائی حضرات مسیح علیہ السلام کے تمام قوم کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے اور کفارہ بننے کی بات کر رہے ہیں جو انصاف کے خلاف ہے۔

2: اگر حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں صرف اور صرف اس مقصد کے لیے آئے تھے کہ مخلوق کے گناہوں کا کفارہ بن جائیں اور یہودیوں کے ہاتھوں صلیب چڑھیں، کیونکہ ان کو یقینی طور پر معلوم تھا کہ یہودی ان کو سولی دیں گے اور کب دیں گے اور وہ بھی معبود بھی تھے تو انھوں نے اس انتہائی ضروری عقیدے کو بیان کیوں نہیں کیا جبکہ عیسائی مفکرین کے نزدیک یہ اتنا ضروری عقیدہ ہے کہ اس کے بغیر کسی کی نجات ممکن نہیں۔ یہاں تک کہ:

”وہ بچے جو (بپتسمہ لیے بغیر) مرگئے ان کے لیے عذاب عین انصاف ہے۔“

(Encyclopaedia of Religion and Ethics Vol 5 P644)

اس کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی بھول کر بھی اس عقیدے کا ذکر نہیں کیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد فرضی طور پر بنایا گیا ہے۔

3: عقیدہ کفارہ اس لیے بھی عقل کے خلاف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو اس کفارے کے عقیدے کے بنیادی کردار ہیں انھوں نے انسان کی فلاح و نجات کے لیے خوش ہو کر شعوری یا اختیاری طور پر یہ قربانی پیش نہیں کی۔ انجیل متی (26:36-40) کے بیان سے ظاہر ہے کہ جب ان کو پتا چلا کہ یہودی ان کو گرفتار کر کے سولی چڑھانے لگے ہیں تو

”وہ غمگین اور بے قرار ہونے لگا۔ اس وقت اس نے ان سے کہا کہ میری جان بہت غمگین ہے...... پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو مجھ سے یہ پیالہ ٹل جائے۔“

اور اگر وہ خوش ہو کر قربانی دیتے تو یہ فریاد ہرگز نہ کرتے:

''اے میرے خدا، اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔''

(انجیل متی 46:27، انجیل مرقس 34:15)

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان سب سے بچنا چاہ رہے تھے۔ ورنہ وہ اس طرح غمگین نہ ہوتے اور نہ ہی خدا سے شکوہ کرتے کہ تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اس کی بجائے وہ جانے سے پہلے اپنی قوم کو خوش ہو کر بتاتے کہ میں تم سب کے لیے اتنی عظیم قربانی پیش کر رہا ہوں کہ تم سب گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔

باب نمبر ۴

نبی کریم ﷺ کی کتاب مقدس میں بشارت

اکثر اسرائیلی پیغمبروں نے مثلاً حضرت اشعیاہ علیہ السلام، حضرت ارمیاہ علیہ السلام، حضرت دانی ایل علیہ السلام، حضرت حزقی ایل علیہ السلام اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی مستقبل میں آنے والے واقعات کی خبریں دی ہیں، مثلاً بخت نصر کا حادثہ، قادس اور اسکندر اور اس کے جانشینوں کے حالات، ملک ادوم و مصر و نینوئی اور بابل وغیرہ کے حادثات۔ اس لیے یہ چیز بالکل ناممکن ہے کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے متعلق کسی قسم کی خبر یا پیش گوئی نہ کرتے، جن کے ظہور کے وقت یہ دین بہت کم لوگوں میں تھا اور لوگوں کی مخالفت کے باوجود بڑھتا رہا اور آج دنیا کے ہر کونے میں مسلمان موجود ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی امت میں لاکھوں کی تعداد میں علمائے ربانی، بے شمار حکماء، اولیا اور بڑے سلاطین پیدا ہوئے اس لیے یہ بات ممکن نہ تھی کہ اتنے بڑے واقعہ کی خبر نہ دی جاتی۔

جانے والا پیغمبر، آنے والے پیغمبر کے بارے میں جب کوئی اطلاع دیتا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ تمام تفصیلات مثلاً خاندان یا سال وغیرہ بیان کرے۔ اس لیے کبھی تو یہ خبریں وقت آنے پر خود ہی ظاہر ہو جاتی ہیں اور کبھی جب تک آنے والا پیغمبر اپنی نبوت کا دعویٰ نہ کرے کہ جانے والے پیغمبر نے میری ہی خبر دی تھی پتا نہیں چلتا۔ پھر اس نبوت کی سچائی معجزات اور علامات ذریعے ثابت بھی ہو جائے تو پھر یہ بات اس قوم خصوصاً اس قوم کے علماء کے نزدیک یقینی ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ علماء زیادہ بہتر طور پر نبوت کی سچائی جان جاتے ہیں اس لیے ان کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کو اس بات سے آگاہ کریں۔ عیسائی نظریے کے مطابق کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نبی کو خود بھی یہ پتا نہیں ہوتا کہ جس نبی کے متعلق خبر دی

گئی تھی وہ میں ہی ہوں۔

پہلے انبیاء کرام نے نبی کریم ﷺ کی بشارات دی تھیں۔ اسی وجہ سے اہل کتاب کو حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت ایلیاہ علیہ السلام کے علاوہ کسی تیسرے نبی کا انتظار تھا۔ جیسا کہ انجیل یوحنا کے باب نمبر 1 سے ثابت ہے۔

''اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن لاوی اس کے پاس یہ پوچھنے کو بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اُس نے اقرار کیا اور نہ انکار کیا بلکہ یہ قرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں، انھوں نے اس سے پوچھا کہ پھر تُو کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔۔۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انھوں نے اس سے پھر کہا کہ پھر تو کون ہے؟ تا کہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں، تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا: میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو، یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے، انھوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ، نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟''
(انجیل یوحنا1:19-26)

ان آیات میں جو لوگ حضرت یحیٰ علیہ السلام سے سوال کرنے گئے تھے وہ کاہن اور لاوی تھے جو یہودیوں کے عالم تھے اور اپنی کتابوں سے واقف تھے اور ان کو حضرت یحیٰ کے بارے میں بخوبی علم تھا کہ وہ نبی ہیں لیکن پھر بھی ان کو اس بات میں شک تھا کہ وہ کون سے نبی ہیں مسیح، ایلیاہ، یا وہ نبی (جن کی اطلاع حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی (کتابِ استثناء باب 18 آیت 18) یعنی ان تین پیغمبروں کے بارے میں واضح اطلاع موجود تھی لیکن ان کی انفرادی علامات موجود نہیں تھیں۔ علمائے یہود حضرت یحیٰ علیہ السلام کو پہچان نہیں سکے تھے اس لیے انھوں نے جیسا چاہا ان کے ساتھ سلوک کیا۔ اسی لیے انھوں نے پہلے ان سے پوچھا کہ کیا آپ مسیح ہیں؟ انھوں نے انکار کیا، دوسری دفعہ ان سے پوچھا کیا آپ ایلیاہ ہیں؟ ان کے

دوبارہ انکار پر ان سے انھوں نے تیسری دفعہ یہ سوال کیا کہ وہ نبی ہیں (وہ مخصوص نبی جن کی اطلاع حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی) انھوں نے اس کا بھی انکار کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان انبیاء کی علامات واضح طور پر الہامی کتابوں میں موجود نہ تھیں، اور اس سے یہ بات بھی پتا چلتی ہے کہ خود حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بھی اپنے بارے میں یہ پتا نہیں تھا کہ میں ہی ایلیاہ ہوں، حالانکہ انجیل متی باب نمبر 11، باب نمبر 17، اور انجیل مرقس باب نمبر 9، کے مطابق خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ ایلیاہ ہیں۔ انجیل متی باب نمبر 11 آیت نمبر 14 میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حضرت یحییٰ کے بارے میں ارشاد اس طرح موجود ہے:

"چاہو تو مانو، ایلیاہ جو آنے والا تھا یہی ہے۔"

اسی طرح عہد نامہ جدید سے یہ بھی ثابت ہے کہ بعض اوقات ایک نبی دوسرے نبی کو پہچانتا بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ انجیل یوحنا باب نمبر 11 آیت نمبر 33 اور انجیل لوقا باب نمبر 7 آیات 17 تا 21 سے ظاہر ہے۔ انجیل لوقا کی ان آیات کے مطابق حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے شاگرد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس یہ پوچھنے کے لیے بھیجے کہ "آنے والا تو ہی ہے یا ہم کسی دوسرے کی راہ دیکھیں؟"

عیسائیوں کے مطابق حضرت یحییٰ علیہ السلام رتبے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی زیادہ ہیں پھر بھی وہ نہ خود کو پہچان سکے اور نہ ہی 30 سال تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہچان سکے، تو اگر بقول اناجیل انبیاء کرام علیہ السلام خود کو یا ایک دوسرے کو نہیں پہچان سکے تو علماء اور باقی عوام کا بھی انھیں پہچاننا آسان کام نہیں۔

انجیل یوحنا کے باب نمبر 1 آیات 19-26 کے مطابق اہل کتاب حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت ایلیاہ علیہ السلام کے علاوہ کسی تیسرے نبی کے بھی منتظر تھے جن کی خبر حضرت موسیٰ علیہ السلام دے کر گئے تھے جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے سوال کرتے ہوئے علمائے یہود نے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام پھر ایلیاہ علیہ السلام اور ان دونوں دفعہ انکار کرنے پر تیسرے سوال میں یہ پوچھا کہ

کیا ''وہ نبی'' ہیں یعنی اس مخصوص نبی کے آنے کا اتنا مشہور تھا کہ ہر خاص و عام جانتا تھا نام لینے کی بھی ضرورت نہ تھی ''وہ نبی'' کہنا ہی کافی تھا۔

انجیل یوحنا (40:7) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول سن کر لوگوں نے دو طرح کی رائے دی ''بعض نے یہ سن کر کہا بے شک یہی وہ نبی ہے اوروں نے کہا یہ مسیح ہے۔''

انجیل یوحنا باب نمبر 1 آیت نمبر 21 اور باب نمبر 7 آیت نمبر 40 میں دونوں جگہ ''وہ نبی'' علیحدہ استعمال ہوا ہے۔

1: حضرت یحییٰ علیہ السلام سے سوالات کرتے وقت بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے نام کے علاوہ ''وہ نبی'' کہا گیا۔

2: باب نمبر 7 آیت نمبر 40 کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کا کلام سن کر بھی ان کے بارے میں لوگوں نے جو اندازے لگائے اس میں کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ''مسیح'' ہیں اور کچھ لوگوں کے خیال میں ''وہ نبی'' جن کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔

بائبل کے مترجمین ناموں کا بھی ترجمہ کر دیتے ہیں اور حسب خواہش اپنی مرضی سے بائبل میں بڑھا یا کم کر دیتے ہیں یا بعض بالکل بدل دیتے ہیں جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے واضح ہے

1: انجیل یوحنا (1:4) کا ترجمہ عربی بائبل مطبوعہ 1811ء، 1831ء اور 1860ء میں یوں ہے:

''جب کہ یسوع کو معلوم ہوا۔''

یہی آیت کیتھولک بائبل 1999ء اور پروٹسٹنٹ بائبل 1990ء میں اس طرح موجود ہے:

''جب خداوند کو معلوم ہوا''

ان دونوں آخری مترجموں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام ''یسوع'' کو تعظیمی لفظ ''خداوند'' سے بدل دیا اسی طرح بائبل کے مترجمین نے اپنی اس غلط عادت کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی ترجمہ میں بدل دیا۔

2: سفر خروج باب نمبر 30 آیت نمبر 23 کا کیتھولک بائبل 1999ء مین ترجمہ یوں ہے:

"تو اپنے واسطے عمدہ مصالحہ جات لے"

اس ہی آیت کا ترجمہ پروٹسٹنٹ بائبل 1990ء میں یوں ہے:

"تو مقدس کی مثقال کے حساب سے خاص خاص خوشبودار مصالحے لے لے۔"

اس آیت کا ترجمہ (عربی) مطبوعہ 1811ء میں یوں ہے:

"خالص مشک لے لینا۔"

اب مصالحہ اور مشک میں بہت فرق ہے لیکن مترجمین نے عبرانی نام کا ترجمہ اپنی مرضی کا کردیا۔

3: کتابِ پیدائش باب نمبر 31 آیت نمبر 20 کے عربی ترجمہ مطبوعہ 1825ء اور 1844ء میں یوں ہے۔

"پھر یعقوب نے اپنا حال اپنے سالے سے چھپایا"

اردو ترجمہ 1825ء، 1990ء اور 1999ء میں بجائے "سالے" کے "لابن" کا لفظ ہے:

"لابن" نام ہے جس کو بدل کر عربی مترجمین نے "سالا" لکھ دیا ہے۔

4: کتاب الاعمال باب نمبر 9 آیت نمبر 36 میں پروٹسٹنٹ بائبل مطبوعہ 1990ء میں ہے:

"اور یافا میں ایک شاگردھی تبیتا نام جس کا ترجمہ ہرنی ہے"

5: عربی ترجمہ مطبوعہ 1860ء میں کتاب الاعمال باب 13 آیت 8 میں ہے،

"پھر ان دونوں کا مقابلہ علیم جادوگر نے کیا، کیونکہ اس کے نام کا ترجمہ اسی طرح ہے۔"

اور یہ ہی آیت پروٹسٹنٹ بائبل 1990ء میں اس طرح ہے:

"مگر الیماس جادوگر نے (کہ یہی اس کے نام کا ترجمہ ہے) ان کی مخالفت کی۔"

تو جس طرح عیسائی علماء نے مندرجہ بالا مثالوں میں ''یسوع'' نام کو'' خداوند'' میں بدل دیا۔ ''لابن'' نام کو'' سالے'' میں بدل دیا۔ ایک ہی لفظ کا ترجمہ کہیں'' مصالحہ'' کردیا اور کہیں'' مشک۔'' مثال نمبر 4 اور 5 کو آپ اب بھی پروٹسٹنٹ بائبل اردو ترجمہ مطبوعہ 1990ء اٹھا کر دیکھ سکتے ھیں۔ کتابِ اعمال (36:9) اور باب نمبر 13 آیت نمبر 8 میں ہے کہ'' اس نام کا ترجمہ'' یہ ہے۔ ان سب باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ ناموں کا ترجمہ بدلنا اور ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے تبدیل کرنا عیسائی علماء کی عادات میں شامل ہے اور اسی وجہ سے انھوں نے نبی کریم ﷺ کا نام بھی بشارات میں جہاں کہیں موجود تھا بدل دیا لیکن اس کے باوجود یہ لوگ آج تک نبی کریم ﷺ کی بشارتیں مکمل طور پر نہیں بدل سکے۔

بشارت نمبر 1:

کتاب استثناء باب نمبر 18 آیات 17-22 میں بیان ہے:

''اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں، میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اس سے کہوں گا، وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لے لوں گا۔ لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ جو بات خداوند نے نہیں کہی ہم اسے کیونکر پہچانیں؟ تو پہچان یہ ہے کہ جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور اس کے کہے کے مطابق کچھ واقع یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں بلکہ اس نبی نے وہ بات خود گستاخ بن کر کہی ہے تو اس سے خوف نہ کرنا۔''

اس بشارت کے بارے میں عیسائی علماء کا خیال ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے

میں ہے اور علمائے یہود کا خیال ہے کہ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کے بارے میں ہے لیکن یہ بشارت ان دونوں انبیائے کرام علیہ السلام کے لیے نہیں بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت ہے۔

1: اس باب کے شروع میں دیئے گئے حوالہ جات، انجیل یوحنا باب نمبر 1 آیات 19-26 اور باب نمبر 7 آیت نمبر 40 سے واضح ہے کہ اہل کتاب حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ کسی اور نبی کے انتظار میں تھے، کیونکہ دونوں جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ذکر کے علاوہ ''وہ نبی'' کا ذکر ہوا جس سے ظاہر ہے کہ وہ مخصوص نبی حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور نبی ہی تھے۔

2: اس بشارت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس نبی کے متعلق ''انہی کے بھائیوں میں سے'' کہا گیا ہے اور اس خطاب کے وقت بنی اسرائیل کے بارہ خاندان اس جگہ حاضر تھے اس لیے ان الفاظ کا حقیقی مطلب (Real Meanings) یہ ہے کہ اس بشارت والے نبی کا کوئی بطنی، یا صلبی رشتہ بنی اسرائیل کے ساتھ نہ ہو۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں جو وعدہ کیا گیا تھا اس میں یہ لفظ اپنے انہی حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے ''کتاب پیدائش'' باب 16 آیت 12 میں اردو ترجمہ پروٹسٹنٹ بائبل 1990ء میں ہے۔

''اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا۔''

کتاب استثناء باب 2 آیت 2 میں بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد ''عیسو کی نسل'' کے لوگ ہیں اور کتاب پیدائش باب 25 آیت 18 میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لیے کہا گیا ہے

''یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے۔''

یہاں بھائیوں سے مراد حضرت عیسو علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت عیسو علیہ السلام سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔

یعنی بشارت کے الفاظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں اس لیے آپ اس سے کوئی اور معنی نہیں لے سکتے۔ حضرت یوشع علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں بنی اسرائیل میں سے ہیں اس لیے یہ بشارت ان دونوں کے حق میں ثابت نہیں ہوتی۔

3: اس بشارت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا ہے کہ ''وہ نبی تیری مانند'' ہوگا۔ یہ بات بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام پر صادق نہیں آتی۔ کتابِ استثناء باب نمبر 34 آیت نمبر 10 میں ہے

''بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس نے خداوند سے روبرو ہوکر باتیں کیں نہیں اٹھا۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام دونوں اسرائیلی ہیں اور جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہے کہ یہ بات قطعی طور پر ناممکن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند بنی اسرائیل میں کوئی دوسرا پیدا ہو سکے۔

☆ اس صورت میں اگر آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت یوشع علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح کہتے ہیں تو اس قول کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت یوشع علیہ السلام اس لیے بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحبِ کتاب اور ایک نئی شریعت لے کر آئے تھے جس میں مختلف طرح کے احکام موجود ہیں اور حضرت یوشع علیہ السلام کے پاس کوئی نئی کتاب یا شریعت موجود نہیں تھی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے تابع تھے۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان مکمل مماثلت اس لیے بھی نہیں پائی جاتی کہ عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں جو کہ مخلوقِ خدا کی شفاعت کرنے کے لیے صلیب پر چڑھ کر ملعون ہو گئے ہیں (گلتیوں، باب نمبر 3)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں حدود و تعزیرات، جہاد، غسل و طہارت اور کھائی پی جانے والی حرام چیزوں کے بارے میں احکام موجود ہیں جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

شریعت میں نہیں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پوری قوم ان کے تابع تھی اور وہ احکامات کو اپنی پوری قوت سے جاری کرتے تھے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ صفت موجود نہیں تھی، کیونکہ اناجیل کے مطابق صرف چند لوگ ہی ان کو مان کر ان کی اطاعت کرتے تھے جبکہ باقی لوگ ان کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔

☆ کتاب الاعمال باب نمبر 3، آیت نمبر 19 میں پطرس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس وقت تک آسمان میں رہنا ضروری ہے جب تک کہ ''وہ نبی'' نہ آئے اس کے ساتھ ہی کتاب استثناء باب نمبر 18، آیت نمبر 17 کے الفاظ آئے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ ''وہ نبی'' حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور ہیں۔

☆ یہ پیش گوئی اس لیے بھی حضرت محمد ﷺ کے حق میں پوری ہوتی ہے کہ:
''وہ مسیح'' بھی نہیں اور بہت سی باتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہیں، مثلاً:

- دونوں اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔
- دونوں کے ماں اور باپ (دونوں) تھے۔
- دونوں شادی شدہ تھے اور ان کی اولاد بھی تھی۔
- دونوں کی شریعت میں جہاد کا حکم ہے۔
- دونوں کی شریعت میں خالص توحید کا حکم ہے۔ دونوں کا غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دینے والے کے حکم پر انکار کرنا اور اپنی امت کو یہ حکم دینا کہ مجھ کو صرف اللہ کا بندہ اور رسول کہو۔
- دونوں کی شریعت میں وقتِ عبادت پاک صاف ہونے کی شرط۔
- دونوں کی شریعت میں بغیر ذبح ہوئے جانور، بتوں کی قربانی اور غیر اللہ کے نام کا کھانا حرام ہے۔
- دونوں نے سود کو حرام قرار دیا۔

- دونوں کی شریعت میں زنا اور حدود و قصاص کی سزاؤں کا تعین اور ان سزاؤں کے جاری کرنے پر قادر ہونا۔
- دونوں کا طبعی موت مرنا اور دفن ہونا
- دونوں کا اپنی امت کی وجہ سے ملعون نہ ہونا (جس طرح عیسائی حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے گناہوں کا کفارہ بننے کے لیے صلیب پر چڑھ کر ملعون ہو گئے ہیں۔ (گلیتوں، باب 3)

4: اس بشارت میں ''برپا کروں گا'' کے الفاظ موجود ہیں اس لیے یہ بات حضرت یوشع علیہ السلام کے حق میں نہیں کیونکہ وہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی موجود تھے، نبی تھے اور بنی اسرائیل میں سے بھی تھے، اس لیے بھی یہ بات حضرت یوشع علیہ السلام کے نہیں بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ثابت ہوتی ہے۔

5: ''اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا'' کے الفاظ اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ وہ نبی اُمّی (ان پڑھ) ہوگا اور اس پر کتاب نازل ہوگی۔ یہ بات حضرت یوشع علیہ السلام کے حق میں ثابت نہیں ہوتی کیونکہ نہ ان پر کتاب نازل ہوئی اور نہ ہی وہ اُمّی تھے۔ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ انجیل لوقا باب نمبر 4 آیات 17-18 کے مطابق انھوں نے یسعیاہ نبی کی کتاب کھول کر پڑھی یعنی وہ اُمّی (ان پڑھ) نہیں تھے۔ یہ بات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہی ہے کیونکہ ان پر کتاب بھی نازل ہوئی اور وہ پڑھنا لکھنا بھی نہیں جانتے تھے اس کی تاریخ گواہ ہے۔

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت جبرائیل علیہ السلام پہلی دفعہ وحی لائے اور انھوں نے کہا (اقرأ) پڑھو تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا (ما انا بقاری) ''میں پڑھنا نہیں جانتا'' اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کو اپنے رب کے نام سے پڑھنے کی تاکید کی۔

(صحیح بخاری، بد الوحی حدیث نمبر 3، صحیح مسلم، الایمان، باب بد الوحی)

6: ''اور جو کچھ میں اسے کہوں گا وہی وہ ان سے کہے گا'' کے الفاظ سے مراد ہے کہ وہ نبی

اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا بلکہ جو کچھ اسے بتایا جائے گا صرف وہی کہے گا۔اور حضرت محمد ﷺ کے بارے میں قرآن کی گواہی ہے ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى﴾ ''اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں، وہ تو صرف وحی ہے جو کی جاتی ہے'' (النجم آیت 3-4)۔یعنی وہ وحی الٰہی کے بغیر کچھ نہیں کہتے۔

7: اس آیت میں موجود ہے کہ جو کچھ وہ نبی خدا کا نام لے کر کہے گا اگر کوئی نہ سنے گا تو ان باتوں کا اس سے حساب لیا جائے گا۔حضرت محمد ﷺ کو حکم جہاد دیا گیا اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے احکام نہ ماننے والوں سے حساب لیا۔

8: اس آیت میں کہا گیا ہے کہ جو نبی کوئی ایسی بات کہے جس کے کہنے کا حکم خدا نے نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو وہ مار ڈالا جائے۔ اس لیے اگر حضرت محمد ﷺ سچے نبی نہ ہوتے اور ایسی باتیں اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے جن کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم نہیں دیا تو وہ مار ڈالے جاتے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے خود سورۃ النجم آیات 3-4 میں اس بات کی گواہی دی کہ نبی کریم ﷺ خود سے کچھ نہیں بولتے بلکہ صرف وحی کو بیان کرتے ہیں۔ اور حضرت محمد ﷺ نے کبھی بھی کسی اور معبود کے نام سے کچھ نہ کہا اور نہ ہی کسی اور معبود کے نام کی دعوت دی بلکہ اپنی تمام زندگی وہ خالصتاً ایک اللہ کی طرف سے لوگوں کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دیتے رہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور ان کا اپنی پوری زندگی گزارنے کے بعد طبعی طور پر انتقال ہوا۔

9: اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ نبی جھوٹا ہو تو اس سے خوف نہ کرنا اور اس کے جھوٹا ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب وہ خدا کے نام سے کچھ کہے اور وہ پورا نہ ہو۔حضرت محمد ﷺ سچے نبی تھے کیونکہ انھوں نے خدا کے نام سے جو خبریں دیں یعنی جو قرآن میں (اس کے علاوہ جو خود کہا وہ بھی) وہ سب پوری ہوئیں۔مثلاً

(1)......سورۃ الروم جب نازل ہوئی تو عیسائی روم میں فارس یعنی ایرانیوں کے ہاتھوں

(جو اس وقت آتش پرست تھے) مغلوب ہو گئے اس سورت کی آیات نمبر 3-4 میں دو پیش گوئیاں کی گئیں جو پوری ہوئیں۔

- جس وقت عیسائی مغلوب ہو چکے تھے اور ان کو شکست فاش ہو چکی تھی عین اس وقت کہا گیا کہ چند سالوں بعد وہ دوبارہ غالب آجائیں گے۔
- جس روز رومی یعنی عیسائی غالب آئیں گے اس دن مسلمان خوشی منا رہے ہوں گے۔

یہ دونوں باتیں بالکل اسی طرح پوری ہوئیں، مغلوب رومیوں کو دوبارہ فتح نصیب ہوئی اور جس دن ان کو یہ فتح نصیب ہوئی اس دن مسلمانوں کو جنگ بدر میں کافروں پر غلبہ حاصل ہوا۔ اور وہ اس کی خوشی منا رہے تھے جو کہ قرآن پاک کا برحق ہونے اور حضرت محمد ﷺ کا اللہ کے سچے نبی ہونے کا ثبوت ہے۔

(2)......سورۃ فتح میں آیت نمبر 27 میں مسلمانوں کے لیے دو فتوحات کی پیش گوئی کی گئی۔ فتح خیبر اور فتح مکہ۔ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت خیبر کے قلعے پر یہودیوں کی حکومت تھی۔ مسلمانوں نے پہلے اس قلعے کو فتح کیا اور اس کے بعد مکہ فتح کیا، یعنی حضرت محمد ﷺ نے اللہ کے نام سے جو بھی فرمایا وہ سب صحیح ثابت ہوا۔ (اس کے علاوہ بھی لاتعداد ایسی باتیں جو نبی کریم ﷺ نے فرمائیں پوری ہوئیں۔ جن پر ایک علیحدہ کتاب بھی بن سکتی ہے) یعنی حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی تھے اس لیے ان کی کہی تمام باتیں حرف بہ حرف پوری ہوئیں۔

بشارت نمبر 2

کتاب استثناء میں باب نمبر 32 آیت نمبر 21 میں ہے۔

"انھوں نے اس چیز کے باعث جو خدا نہیں مجھے غیرت اور اپنی باطل باتوں سے مجھے غصہ دلایا، سو میں بھی ان کے ذریعہ سے جو کوئی امت نہیں، ان کو غیرت اور نادان قوم کے ذریعہ سے ان کو غصہ دلاؤں گا۔"

اس میں نادان قوم سے مراد عرب ہیں کیونکہ عرب انتہائی گمراہ اور جاہل قوم تھے اور کوئی

شرعی یا عقلی علم ان کے پاس نہیں تھا اور ''نہ ہی وہ کوئی امت تھے'' کیونکہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے اور ان کے بعد کوئی بھی نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان کے پاس نہیں آیا تھا اس لیے ان کے پاس کوئی شرعی علوم ہونے یا کسی کی امت ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عرب یہودیوں کی نظر میں انتہائی ذلیل اور حقیر تھے کیونکہ وہ باندی یعنی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی نسل میں سے تھے۔ یعنی اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ بنی اسرائیل نے غیر اللہ کی عبادت کی اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو نہ ہی بنی اسرائیل ہوں گے نہ ہی کسی کی امت ہوں گے ان کو زمین میں منتخب کر کے ساری دنیا میں مقبول بنائے گا۔ اور دین الٰہی کی امامت جو دنیا میں بنی اسرائیل کے سپرد تھی، سزا کے طور پر ان سے چھین کر اس دوسری قوم کے سپرد کرے گا اور ایسے لوگ اس کام کے لیے منتخب کیے جائیں گے جو ان کی نگاہ میں حقیر و ذلیل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ اس طرح پورا کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر عرب کے لوگوں میں بھیجا جنھوں نے صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کی۔ اور ان کی قوم دین الٰہی میں اللہ کی نائب بن گئی اور انھوں نے بنی اسرائیل (یہودیوں) کو بھی عرب سے باہر نکال دیا۔ اور اللہ نے اس طرح یہودیوں کو عرب کے لوگوں سے، جو ان کی اپنی نظر میں ذلیل وحقیر تھے، ذلیل ورسوا کر کے ان کو غصہ دلایا۔

سورۃ جمعہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعه : 2)

''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں، انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔''

بشارت نمبر 3

کتاب استثناء باب نمبر 33 آیات 2-3 (اردو پروٹسٹنٹ بائبل مطبوعہ 1990ء) میں ہے۔

''خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدوسیوں میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت تھی، وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے، ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔''

اس آیت میں خداوند کے سینا (کوہ طُور) سے آنے کا مطلب ہے خدا کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا فرمانا، کوہ شعیر سے طلوع ہونے کا مطلب ہے خدا کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا فرمانا، کوہِ شعیر شام میں ایک پہاڑ ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس پر عبادت کرتے تھے اب اسے ''جبل الخلیل'' کہتے ہیں، کوہِ فاران سے جلوہ گر ہونے کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن عطا فرمانا، اس لیے کہ فاران مکہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے، کتاب پیدائش باب 21 آیت نمبر 20 سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رہائش مکہ میں تھی۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آخری کلام ہے (یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وصیت کے الفاظ ہیں) جس میں اپنی وفات سے پہلے انھوں نے آخری پیغمبر آنے کی خبر دی۔ قرآن کریم میں یہ بشارت سورۃ التین میں ان الفاظ میں ہے

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ٥ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ٥ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ٥﴾

(التین : 1 تا 3)

''قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی۔ اور طورِ سینا کی اور اس امن والے شہر کی۔''

انجیر اور زیتون والا ملک شام ہے جہاں کوہِ شعیر ہے۔ طور سینا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے اور بلد الامین ''مکہ'' ہے جس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

کتاب استثناء باب نمبر 33 آیت نمبر 3-2 کے اصل الفاظ یہ ہیں:

''خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا، وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا، دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا۔ اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں

شریعت ان کے لیے تھی، ہاں وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے، اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آخری کلام میں آخری پیغمبر کی بعثت کی خبر دی اور اس بشارت میں کوہ فاران سے نور الٰہی طلوع ہونے کے ساتھ چار باتوں کا بیان ہے جو قرآن پاک میں سورۃ فتح آیت 29 کے بیان کے مطابق ہے

1: وہ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾

"محمدؐ اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں۔"

فتح مکہ کے وقت صحابہ کرام کی تعداد دس ہزار تھی اور وہ فاران سے جلوہ گر ہونے والے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت شہر میں داخل ہو رہے تھے۔

2: اس کے داہنے ہاتھ میں ان کے لیے آتشیں شریعت ہوگی۔

﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾

"وہ کافروں پر سخت ہیں۔"

یعنی وہ اپنے ایمان کے بہت زیادہ پختہ ہونے۔ اصولوں پر سخت ہونے اور اپنی بہترین سیرت کی وجہ سے کافروں کے مقابلے میں پتھر کی چٹان کی طرح سخت ہیں۔ کافر انھیں اپنی مرضی سے موڑ نہیں سکتے۔

3: وہ اپنے لوگوں سے محبت کرے گا۔

﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾۔

"آپس میں رحم دل ہیں۔"

اس کا مطلب ہے کہ جو سختی ان میں ہے وہ صرف دن کے دشمنوں کے لیے ہے۔ اہلِ ایمان کے لیے وہ نرم، رحیم، شفیق و غمگسار ہیں۔

4: (اے خدا) اس آنے والے پیغمبرؐ کے سارے مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہے اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔

﴿تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾

”تو انھیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں ہیں۔ ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے۔“

یعنی ان پر نظر ڈالتے ہی ان کے شریف اور پاکیزہ ہونے کا اندازہ ہو جاتا ہے کیونکہ خدا کی سرپرستی کا نور ان کے چہروں پر چمک رہا ہے۔ اس تجزیے کے بعد شک کی یقیناً کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

﴿ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ﴾

”ان کی یہی مثال تورات میں ہے۔“

تورات کی یہ بشارت خاصی فصیح تھی اس لیے اس میں بہت زیادہ ترمیم وتحریف کی گئی۔ ”پہلے تو دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا“ والے جملے میں تبدیلیاں کی گئیں۔ بائبل مطبوعہ لدھیانہ 1908ء، ص 220 اور کنگ جیمز ورژن مطبوعہ 1958ء میں ”دس ہزار“ کا لفظ موجود ہے لیکن چونکہ اس آیت سے فتح مکہ کے وقت صحابہ کرام کی تعداد ظاہر ہوتی تھی اور مسلمان علماء اس کو حضرت محمد ﷺ کی پیش گوئی کے طور پر ثابت کر دیتے تھے اس لیے اس آیت کو خاص طور پر تحریف کا نشانہ بنایا گیا۔ کیتھولک بائبل ناکس ورژن میں ”دس ہزار“ کے لفظ کو ”ہزاروں“ سے بدل دیا گیا، اردو پروٹسٹنٹ بائبل 1990ء میں ”دس ہزار“ کی جگہ ”لاکھوں“ قدوسی کر دیا گیا، جو حیرانگی کی بات ہے لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت کا جھٹکا کیتھولک بائبل مبطوعہ کراچی (اردو) 1999ء کو دیکھ کر لگتا ہے جہاں پر قدوسیوں کا ذکر ہی سرے سے غائب کر دیا گیا ہے تاکہ مسئلہ بالکل ہی ختم ہو جائے۔ اور اس کی جگہ ایسا جملہ لکھا ہے جس کا سابقہ ترجموں میں بالکل بھی ذکر نہیں ہے،

قدوسیوں والے جملہ کی جگہ یہ لکھ دیا ہے ''مریبہ قادلیش میں آیا''

دوسری تحریف اس جملے میں کی گئی ''وہ اپنے لوگوں سے محبت کرے گا''، اس کی جگہ پروٹسٹنٹ بائبل 1990ء میں بدل کر یہ کردیا گیا ہے '' وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔''اوراس طرح اس جملے کی قرآنی آیت ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ سے جومطابقت تھی وہ ختم کردی گئی۔ یہ وہ تبدیلیاں ہیں جن سے بشارت کے اصل مفہوم میں فرق پڑتا ہے اس کے علاوہ بھی بائبل کے تراجم میں اس ایک جملے کے ترجمہ میں بے پناہ اختلاف ہیں۔ اب اس پیشین گوئی سے کیتھولک بائبل اردو ترجمہ 1999ء مطبوعہ کراچی ص 251 میں جوعبرت ناک سلوک کیا گیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں،

''خداوند سینا سے آیا، اور شعیر سے اپنی قوم پر طلوع ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ اور مریبہ قادلیش میں آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ سے شعلہ زن آتش پھوٹ نکلی۔ اس کے قہر نے اقوام کو تباہ کردیا۔ اس کے تمام مقدسین تیرے ہاتھوں میں تھے۔ اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے۔''

عیسائی علماء کے لیے پرخلوص تجویز ہے کہ ایسی حرکتیں کر کے اپنا تماشا بنوانے سے بہتر ہے کہ اپنا انجام سوچ لیا کریں۔ ان کی اس طرح کی حرکتیں اس بات کی گواہ ہیں کہ وہ حضرت محمد ﷺ کو پہچانتے ہیں کہ وہ سچے نبی ہیں اور محض دشمنی اور مخالفت کی وجہ سے ان کو جھٹلا رہے ہیں اسی لیے اس پیش گوئی کے الفاظ ہر کچھ عرصہ کے بعد بدل دیتے ہیں۔ ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ عوام کو اس سچائی سے آگاہ کریں نا کہ ایسی حرکتیں کر کے لوگوں کو گمراہ کریں۔ اس طرح کرنے سے وہ اپنے علاوہ عیسائی عوام کی آخرت بھی خراب کررہے ہیں اور ان لوگوں کو جنھیں وہ گمراہ کررہے ہیں ان کا وبال بھی ان علماء ہی کے سر پر لگے گا۔ اگر وہ لوگ پرانے تراجم نکال کر پڑھیں گے تو ان کا مذاق اڑائیں گے اور عیسائیت کو چھوڑ کر بجائے ہدایت پر آنے کے ملحد اور بے دین ہوجائیں گے جیسا کہ جان کلارک کی کتاب مطبوعہ 1839ء لندن اور کتاب اکسیہومو مطبوعہ 1813ء لندن سے ظاہر ہے۔

بشارت نمبر 4

کتابِ پیدائش باب نمبر 17 آیت نمبر 20 میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ کیا تھا وہ (پروٹسٹنٹ بائبل 1990 مطبوعہ لاہور میں) اس طرح نقل ہے۔

''اور اسماعیل علیہ السلام کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔''

اس میں بڑی قوم سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اس لیے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں کوئی بھی شخص نبی کریم ﷺ کے سوا موجود نہیں جو بڑی قوم والا ہو۔ اور اس وقت مسلمان تقریباً دنیا کی سب سے بڑی قوم ہیں۔ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں مسلمان موجود نہ ہوں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے تو اس وقت انھوں نے جو دعائیں کی تھیں ان میں سے یہ دعا بھی تھی۔

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۝﴾

(البقرہ : 129)

''اے ہمارے رب! ان میں سے انھیں میں سے ایک رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے، انھیں کتاب وحکمت سکھائے اور انھیں پاک کرے۔ یقیناً تو غالب اور حکمت والا ہے۔''

اور اس دعا کی قبولیت کا ذکر سورۃ البقرۃ آیت نمبر 151 میں موجود ہے:

﴿كَمَآ أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۝﴾

(البقرہ : 159)

''جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمھارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جن کی قوم بہت بڑی ہے۔

بشارت نمبر 5

کتابِ زبور باب نمبر 149:1-9 میں ہے:

''خداوند کی حمد کرو، خداوند کے حضور نیا گیت گاؤ اور مقدسوں کے مجمع میں اس کی مدح سرائی کرو۔ اسرائیل اپنے خالق میں شادمان رہے۔ فرزندانِ صیّون اپنے بادشاہ کے سبب سے شادمان ہوں۔ وہ ناچتے ہوئے اس کے نام کی ستائش کریں۔ وہ دف اور ستار پر اس کی مدح سرائی کریں۔ کیونکہ خداوند اپنے لوگوں سے خوشنود رہتا ہے۔ وہ حلیموں کو نجات سے زینت بخشے گا۔ مقدس لوگ جلال پر فخر کریں۔ وہ اپنے بستروں پر خوشی سے نغمہ سرائی کریں۔ ان کے منہ میں خدا کی تمجید اور ہاتھ میں دو دھاری تلوار ہو تاکہ قوموں سے انتقام لیں اور امتوں کو سزا دیں۔ ان کے بادشاہوں کو زنجیروں سے جکڑیں اور ان کے سرداروں کو لوہے کی بیڑیاں پہنائیں تاکہ ان کو وہ سزا دیں جو مرقوم ہے۔ اس کے سب مقدسوں کو یہ شرف حاصل ہے۔ خداوند کی حمد کرو۔''

اس زبور میں جس نبی کی بشارت دی گئی ہے اسے بادشاہ کہا گیا ہے اور اس کے فرمانبرداروں کو مقدس لوگ کہا گیا ہے اور ان کے اوصاف (Qualities) یہ ہیں۔

1: تسبیح وتمجید پر فخر کرنا اور ان کے منہ میں خدا کی تمجید ہونا۔

2: ان کے ہاتھ میں دو دھاری تلواریں ہوں

3: ان کا دوسری قوموں سے انتقام لینا

4: بادشاہوں کو زنجیروں سے جکڑنا

5: ان کے سرداروں کو لوہے کی بیڑیاں پہنانا اور ان کو وہ سزا دینا جو لکھی ہوئی ہے۔

6: اس کے سب مقدسوں کو یہ شرف حاصل ہونا

اس بشارت میں مراد نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہ کرام ہیں اور یہ اوصاف صرف انہی پر پورے آتے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرام خدا کی تسبیح و تمجید پر فخر کرتے تھے، اور اللہ کی تمجید کو بیان کرتے تھے۔ میدان جنگ میں ان کے ہاتھوں میں دو دھاری تلواریں ہوتی تھیں اور وہ لڑائی کے وقت اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کرتے تھے۔ جو قومیں اللہ کا انکار کرتی تھیں اور اس کے ساتھ شرک کرتی تھیں ان سے انھوں نے اس بات کا انتقام لیا اور اللہ کی نافرمانی کرنے والی امتوں کی سزا دی اور حضرت محمد ﷺ کے تمام مقدسوں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے حضرت محمد ﷺ کے وصال کے بعد بھی یہ سب کام جاری رکھے مثال کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا جنھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور مسیلمہ بن کذاب نے جب جھوٹا نبی ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کے خلاف لشکر بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بڑی بڑی سلطنتیں فتح ہوئیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے یہ پیش گوئی اس لیے ثابت نہیں ہوتی کہ اہل کتاب کے نظریے کے مطابق ان کی سلطنت اپنے باپ کی سلطنت سے زیادہ وسیع نہیں ہوسکی اور وہ آخری عمر میں (معاذ اللہ) مرتد ہوگئے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں حضرت محمد ﷺ اور ان کے سب صحابہ کرام جتنی سلطنت نہیں فتح ہوئی تھی۔ یہ پیش گوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں بھی پوری نہیں ہوتی کیونکہ ان کی شریعت میں جہاد کے احکام نہیں تھے، نہ ہی حواریوں نے کبھی جہاد کیا بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو (معاذ اللہ) عیسائی عقیدے کے مطابق صلیب پر چڑھے، ان کے اکثر حواریوں کو زنجیروں میں قید کیا گیا اور وہ کافر بادشاہوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

بشارت نمبر 6

کتابِ زبور باب نمبر 45:1-17 میں بیان ہے:

''میرے دل میں ایک نفیس مضمون جوش مار رہا ہے۔ میں وہی مضامین سناؤں گا جو میں نے بادشاہ کے حق میں قلمبند کیے ہیں۔ میری زبان ماہر کاتب کا قلم ہے۔ تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے۔ اس لیے خدا نے تجھے ہمیشہ کے لیے مبارک کیا۔ اے زبردست! تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت و شوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر، اور سچائی اور حلم اور صداقت کی خاطر اپنی شان و شوکت میں اقبال مندی سے سوار ہو اور تیرا دھنا ہاتھ تجھے مہیب کام دکھائے گا۔ تیرے تیر تیز ہیں۔ وہ بادشاہ کے دشمنوں کے دل میں لگے ہیں۔ اُمتیں تیرے سامنے زیر ہوتی ہیں۔ اے خدا! تیرا تخت ابدُ الآباد ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔ تو نے صداقت سے محبت رکھی اور بدکاری سے نفرت، اسی لیے خدا تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہمسروں سے زیادہ مسح کیا ہے۔ تیرے ہر لباس سے مُر اور عُود اور تج کی خوشبو آتی ہے۔ ہاتھی دانت کے محلوں میں سے تار دار سازوں نے تجھے خوش کیا ہے۔ تیری معزز خواتین میں شاہزادیاں ہیں۔ ملکہ تیرے داھنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے آراستہ کھڑی ہے۔ اے بیٹی! سن غور کر اور کان لگا۔ اپنی قوم اور اپنے باپ کے گھر کو بھول جا۔ اور بادشاہ تیرے حسن کا مشتاق ہوگا۔ کیونکہ وہ تیرا خداوند ہے تو اسے سجدہ کر اور صور کی بیٹی ہدیہ لے کر حاضر ہوگی۔ قوم کے دولت مند تیری رضا جوئی کریں گے۔ بادشاہ کی بیٹی محل میں سرتا پا حُسن افروز ہے۔ اس کا لباس زربفت کا ہے وہ بیل بوٹے دار لباس میں بادشاہ کے حضور پہنچائی جائیں گی۔ اس کی کنواری سہیلیاں جو اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہیں تیرے سامنے حاضر کی جائیں گی۔ وہ ان کو خوشی اور خرمی سے لے آئیں گے وہ بادشاہ کے محل میں

داخل ہوں گی۔ تیرے بیٹے تیرے باپ دادا کے جانشین ہوں گے۔ جن کو تو تمام روئے زمین پر سردار مقرر کرے گا۔ میں تیرے نام کی یاد کو نسل در نسل قائم رکھوں گا اس لیے اُمتیں ابدالآباد تیری شکر گزاری کریں گی۔''

(کتابِ زبور 45:1-17)

یہ بات تمام اہلِ کتاب کو تسلیم ہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام نے اس زبور میں ایک ایسے نبی کی بشارت دی ہے جو ان کے بعد آئے گا۔ یہودیوں کے نزدیک اس وقت سے اب تک کوئی ایسا نبی جس کی صفات کا اس زبور میں ذکر ہے ظاہر نہیں ہوا، علمائے پروٹسٹنٹ کو اس بات کا دعویٰ ہے کہ اس زبور میں جس نبی کا ذکر ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ تمام علمائے اسلام کو ہر دور میں یہ دعویٰ رہا ہے کہ اس نبی سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

جس نبی کی اس زبور میں بشارت دی گئی ہے اس کی مندرجہ ذیل صفات کا ذکر کیا گیا ہے

1: وہ بے انتہاء حسین ہوگا۔

2: وہ تمام انسانوں میں سے افضل ہوگا۔

3: اس کے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے (پہلے تراجم میں لطافت کی جگہ نعمت کا ذکر ہے)۔

4: وہ برکتوں والا ہوگا۔

5: وہ تلوار لٹکانے والا ہوگا۔

6: وہ طاقتور ہوگا۔

7: حق وصداقت اور وقار وسکون والا اور سچائی کا علمبردار ہوگا۔

8: اس کے ہاتھ سے عجیب طور سے ہدایت ہوگی۔

9: اس کا تیر تیز ہوگا۔

10: قومیں اس کی ماتحت ہوجائیں گی۔

11: وہ نیکی کو پسند کرنے والا اور گناہ کو مبغوض رکھنے والا ہوگا۔

12: بادشاہوں کی بیٹیاں اس کی خدمت گزار ہونگی۔

13: تحفے اور ہدیے اس کو پیش کیے جائیں گے۔

14: قوم کے دولتمند اس کے مطیع ہو جائیں گے۔

15: اس کی اولاد اپنے بڑوں کی جگہ دنیا کی سردار بنے گی۔

16: اس کا نام یکے بعد دیگرے تمام نسلوں میں مشہور و مذکور ہوگا۔

17: قومیں اس کی ہمیشہ مدح و ثناء کریں گی۔

یہ تمام خوبیاں حضرت محمد ﷺ میں مکمل اور نمایاں طور پر موجود ہیں۔

نمبر 1 کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"میں نے حضور ﷺ سے زیادہ خوبصورت اور حسین کسی کو نہیں دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا آفتاب آپؐ کے روئے مبارک سے طلوع ہو رہا ہے، جب آپ ﷺ مسکراتے تھے تو دیوار تک چمک جاتی تھی۔"

(جمع الفوائد، ص 179 ج 2 والخصائص الکبریٰ ص 72 ج 1)

اس کے برعکس یہ علمائے پروٹسٹنٹ کے دعوے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں اس لیے صادق نہیں آتی کہ ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ کتاب (اشعیاہ) یسعیاہ میں باب 53 آیات 2۔3 میں دی ہوئی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے جو اس طرح ہے۔

"نہ اس کی کوئی شکل و صورت ہے نہ خوبصورتی اور جب ہم اس پر نگاہ کریں تو کچھ حُسن و جمال نہیں کہ ہم اس کے مشتاق ہوں۔ وہ آدمیوں میں حقیر و مردود، مرد غمناک اور رنج کا آشنا تھا۔ لوگ گویا اس سے روپوش تھے، اس کی تحقیر کی گئی، اور ہم نے اس کی کچھ قدر نہ جانی۔"

یہ اوصاف زبور کے بیان کردہ اوصاف کے برعکس ہیں۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حسین اور طاقتور ہونا صادق نہیں آئے گا۔ نہ اُن پر یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ تلوار لٹکانے والا ہوگا، نہ ان کا تیز تیز ہوگا، نہ دولت مند لوگ اس کے مطیع بنیں گے، نہ ہی یہ کہ اس کی خدمت میں ہدیے اور تحفے بھیجے جائیں گے۔ اس کے برعکس عیسائی عقیدے کے مطابق

لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کیا، ذلیل کیا، اُن کا مذاق اڑایا، کوڑوں سے ان کو مارا۔ پھران کو سولی پر لٹکا دیا۔ ان کی بیوی اور بیٹا بھی نہیں تھے، اس لیے یہ بات بھی ان پر صادق نہ آسکے گی کہ بادشاہوں کی بیٹیاں ان کے گھر میں داخل ہوں گی۔ نہ یہ کہ اس کی اولاد اپنے بڑوں کی جگہ زمین کا بادشاہ ہوگی۔

نمبر 2 کی شہادت کے لیے قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (البقرہ: 253)

''ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی''

مفسرین کہتے ہیں کہ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ کا مصداق حضور ﷺ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو متعدد وجوہات سے تمام نبیوں سے بلند کیا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں خوب سیر حاصل بحث کی ہے

نمبر 3 کے لیے نبی کریم ﷺ کی فصاحت و بلاغت کا سب کو اقرار ہے۔ راویوں نے حضور ﷺ کے کلام کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپؐ سب لوگوں سے زیادہ صحیح اور سچے لہجے والے تھے۔ اس لیے آپ فصاحت کے لحاظ سے افضل مرتبہ رکھتے تھے۔

نمبر 4 کے ثبوت کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآن کریم میں ہے

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ (الاحزاب : 56)

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔''

نمبر 5 بھی ظاہر ہے، خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

''مجھ کو خدا نے تلوار دے کر بھیجا ہے۔''

((''انا رسول بالسیف'' لم اجده، وانما المعروف'' انا نبی الملحمته'' اخرجه الحکیم عن حذیفةؓ . '' (کنز ص111ج6)

نمبر 6 کا ثبوت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی قوت جسمانی کمال درجہ پر تھی۔ ایک مشہور واقعہ ہے کہ رکانہ جو عرب کا نامی گرامی اور مشہور پہلوان تھا اور جس کی جسمانی قوت کی

دھاک بیٹھی ہوئی تھی، مسلمان ہونے پہلے ایک مرتبہ تنہائی میں حضور ﷺ سے مکہ کی کسی گھاٹی میں ملا، حضور ﷺ نے اس سے فرمایا کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا؟ اور میری دعوت قبول نہیں کرے گا؟ کہنے لگا کہ اگر مجھ کو آپؐ کے سچا ہونے کا یقین ہو جائے تو بے شک میں آپ کی اتباع کے لیے تیار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا اگر میں تجھے بچھاڑ دوں (شکست دے دوں) تو کیا پھر تجھ کو میرے سچا ہونے کا یقین آ جائے گا؟ کہنے لگا ضرور۔ آپ ﷺ نے اس کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا، اور بالکل بے بس کر دیا۔ اس نے کہا اے محمدؐ! ذرا دوبارہ گرا کر دکھایئے۔ آپؐ نے دوبارہ اس کو پٹخ دیا، کہنے لگا اے محمدؐ بڑی عجیب بات ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تو چاہے تو میں تجھ کو اس سے بھی زیادہ عجیب چیز دکھا سکتا ہوں بشرطیکہ تو خدا سے ڈر کر میری پیروی کرے، کہنے لگا وہ کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تیرے سامنے اس درخت کو بلاتا ہوں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے درخت کو بلایا تو وہ درخت آپ ﷺ کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ واپس چلا جا تو وہ واپس لوٹ گیا۔ رکانہ یہ معجزات دیکھ کر واپس اپنی قوم کے پاس گیا تو کہنے لگا کہ اے بنی عبد مناف میں نے محمدؐ سے بڑھ کر کوئی جادوگر نہیں دیکھا، اور پھر جو واقعہ گزرا تھا کہہ سنایا۔

(اخرجہ البیہقیؒ وابو نعیمؒ عن ابی امامہ (الخصائص الکبریٰ، ص 129، 130 ج اول))

آپ ﷺ کی بہادری اور شجاعت کی شہادت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے ثابت ہے:

"میں نے آپؐ سے زیادہ نہ کسی کو بہادر دیکھا نہ دلیر، اور نہ آپؐ سے زیادہ کسی کو سخی پایا۔" (اخرجہ الدرامیؒ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما (خصائص ص 72 ج اول)

نمبر 7، امانت اور سچائی حضور ﷺ کی جلیل القدر صفات میں سے ہیں۔ آپ ﷺ نبوت سے پہلے بھی صادق اور امین کے طور پر مشہور تھے۔ نضر بن حارث نے قریش سے کہا تھا:

"محمدؐ نے بچپن سے تم میں نشو نما پائی ہے، اس تمام دور میں وہ تم میں مقبول اور پسندیدہ اور بات کے سچے، پکے، امانت میں اونچے درجے کے ثابت ہوئے۔

اب جب ان کے بالوں میں سفیدی آ گئی اور جو کچھ وہ تمھارے پاس لائے ہیں تو تم کہتے ہو کہ وہ جادوگر ہیں، نہیں خدا کی قسم وہ ہرگز جادوگر نہیں ہیں۔"

(اخرجہ ابن اسحٰق والبیہقی وابونعیم عن ابن عباسؓ (الخصائص ص 114 ج1))

نمبر 8 کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جنگ بدر اور جنگ احد کے موقع پر خاک کی ایک مٹھی بھر کر اللہ کے حکم سے کافروں کے منہ پر پھینکی تھی جس کے نتیجے میں کوئی ایک بھی کافر ایسا نہ رہا جو اس کی زد سے بچ گیا ہو بلکہ سب کو اپنی آنکھوں کی پڑ گئی اور وہ شکست کھا کر بھاگے۔ مسلمانوں نے اُن کو پکڑ کر قید اور قتل کیا (تفسیر بیضاوی ص 22 ج 3 سورۃ الانفال المطبعہ العامرۃ استنبول 1317ھ) اس قسم کے واقعات آپ ﷺ کے ہاتھوں کی عجیب ہدایت وراہنمائی ہے جس سے گمراہ کو ہدایت نصیب ہو سکتی ہے۔

نمبر 9 کا ثبوت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد قدیم زمانے سے تیر اندازی کی ماہر چلی آتی تھی جس کو دنیا جانتی ہے حضور ﷺ کو یہ کام بھی بہت مرغوب تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اے بنی اسماعیل! تیر اندازی کیا کرو کیونکہ تمھارے باپ دادا بھی تیر انداز تھے۔" (اخرجہ البخاری عن سلمہ بن الاکوعؓ مرفوعا (جمع الفوائد ص 19 ج 2))

نمبر 10 کے ثبوت کے طور پر یہ حقیقت ہے کہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی اللہ کے دین یعنی اسلام میں لوگ بہت تیزی سے داخل ہونے لگے تھے۔ صرف دو سال سے بھی کم عرصہ میں مسلمان ہزاروں سے بڑھ کر لاکھوں کی تعداد کو پہنچ گئے تھے۔

نمبر 11 تو اس قدر مشہور و معروف ہے جس کا اقرار و اعتراف کٹر سے کٹر مخالف اور اسلام کے بدترین دشمنوں کو بھی ہے۔ مثلاً اسپان ہمیس مسیحی ان لوگوں میں سے ہے جو پیغمبر اسلام ﷺ کے شدید ترین دشمنوں میں شمار کیا جاتا ہے اور آپ ﷺ کے حق میں طعن اور اعتراض کرنے میں بہت معروف ہے مگر یہ کٹر دشمن بھی حضور ﷺ کی ذات میں پائے جانے والے بہت سے اوصاف کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا۔ پادری سیل نے اپنے ترجمۃ

القرآن کے مقدمہ صفحہ 6 مطبوعہ 1850ء میں اس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

"محمد ﷺ بے حد حسین اور ذکی تھے۔ آپؐ کا طریقہ نہایت پسندیدہ تھا، مساکین اور محتاجوں کے ساتھ حسنِ سلوک آپؐ کی خصلت تھی، سب لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ دشمنوں کے مقابلے میں بڑے بہادر اور اللہ کے نام کی بڑی تعظیم والے، افتراء اور جھوٹ بولنے والوں پر بہت سخت گیر تھے۔ پاک دامن لوگوں پر بہتان رکھنے والوں، زانیوں، قاتلوں اور آوارہ گرد لوگوں، لالچ خوروں، جھوٹی گواہی دینے والوں پر بہت تشدد کرتے تھے، عام طور پر آپؐ کا وعظ صبر، سخاوت، رحم، نیکوکاری، احسان، والدین کی تعظیم اور بڑوں کی توقیر و تکریم کے بارے میں ہوتا تھا بہت عبادت کرنے والے اور نفس کو کچلنے والے تھے۔"

اس کے علاوہ بھی بے شمار مخالفین اسلام نے حضور ﷺ کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔

نمبر 12: اولین مسلمانوں کی حرم میں شاہزادیاں اور امیر زادیاں داخل ہوئیں اور انھوں نے ان کی خدمت کی۔ شہر بانو جو یزدجرد شاہ ایران کی بیٹی تھیں، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں داخل ہوئیں۔

نمبر 13،14 کا ثبوت یہ ہے کہ نجاشی شاہ حبشہ، منذر بن ساوی بحرین کا حکمران اور سلطان عمان مطیع و فرمانبردار بن کر اسلام میں داخل ہوئے۔ ہرقل قیصر روم نے حضور ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا۔ قبطیوں کے بادشاہ مقوقس نے بھی حضور ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا۔

نمبر 15 کی دلیل یہ ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں بہت سے خلیفہ بنے اور اس وقت سے آج تک حجاز و یمن اور دوسرے بعض ملکوں میں ہزاروں سلاطین و امرا آپ ﷺ کی نسل سے گزرے ہیں اور آج تک آپ ﷺ کی نسل سے امراء و حکام

موجود ہیں۔

نمبر 17,16 کی شہادت اس بات سے بھی ثابت ہے کہ دنیا کے ہر کونے میں اذان کے وقت پانچوں وقت اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پکارا جاتا ہے۔ نماز کے دوران اور اس کے علاوہ بھی بے شمار لوگ آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ لاکھوں حافظ وقاری آپ ﷺ کے منشور (قرآن) کو حفظ کرتے ہیں، مفسرین آپ ؐ کے لائے ہوئے قرآن کی تفسیر اور واعظ لوگ آپ ؐ کے وعظ کی تبلیغ کرتے ہیں، بڑے بڑے علماء و سلاطین روضہ مبارک پر حاضر ہوتے اور دروازے کے باہر سے آپ ﷺ پر درود پڑھتے ہیں۔

بشارت نمبر 7

کتاب غزل الغزلات (Songs of Solmon(5:16 میں حضرت محمد ﷺ کا نام بھی موجود ہے لیکن اردو ترجمہ میں یہ غائب کردیا گیا ہے۔ عبرانی زبان میں یہ اس طرح موجود ہے۔

Hebrew: Vikullu Muhammadim Zehdudi Vezem Raoi Benute Yapus Halam.

عبرانی: وکلو محمد یم زہ دودی وزہ رعی بنوتھ یروشلم

English: Yea, he is Mohammad altogether lovely. This is my beloved and this is my friend." O daughters of Jerusalem".

(Songs of Solmon 5:16)

اردو: ''یہ میرا پیارا محبوب ہے محمد ؐیم، میرا پیارا عزیز ہے، اے لڑکیو یروشلم کی۔''

عبرانی زبان میں کسی کو تعظیم دینے کے لیے نام کے ساتھ ''یم'' کا اضافہ کیا جاتا ہے اس لیے حضرت محمد ﷺ کے نام ''محمد'' کے ساتھ ''یم'' کا اضافہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ کے نام کے ساتھ ان کے آنے کی خبر دی تھی۔

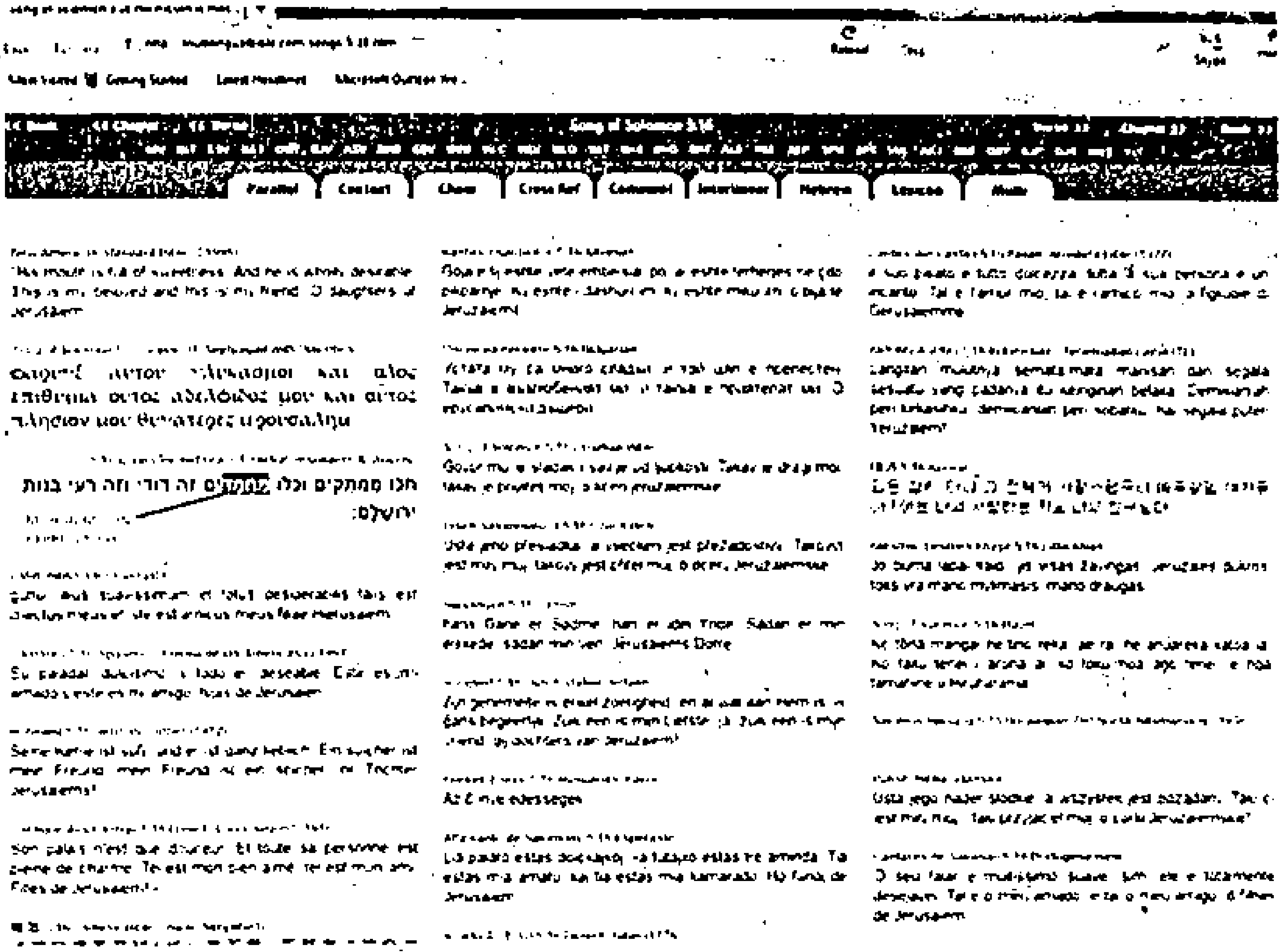

یہ عکس ایک یہودی ویب سائٹ سے لیا گیا ہے جس پر قریباً دنیا کی 40 زبانوں میں بائبل موجود ہے۔ اوپر عکس میں Heberw (عبرانی) زبان میں لفظ ''محمد'' کو واضح کیا گیا ہے۔

بشارت نمبر 8

امی نبی حضرت محمد ﷺ کی پیش گوئی کتاب یسعیاہ کے باب نمبر 29 آیت نمبر 12 میں موجود ہے۔

''پھر وہ کتاب اسے دیں جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتا اور کہیں اسے پڑھ اور وہ کہے میں پڑھنا نہیں جانتا۔''

پہلی پیش گوئی میں بیان ہو چکا ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام پہلی دفعہ وحی لائے اور حضرت محمد ﷺ سے پڑھنے کا کہا تو آپؐ نے فرمایا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ سورۃ العنکبوت آیت نمبر 48 میں رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ﴾ (العنکبوت: 48)

''اس سے پہلے تو آپ کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ کسی کتاب کو لکھتے تھے کہ یہ باطل پرست لوگ شبہ میں پڑ جاتے۔''

اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ بہت سے لوگ قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حیثیت سے قبول نہیں کریں گے یا اسے تورات اور انجیل کی نقل قرار دیں گے (جیسا کہ اب بھی لوگ بلا تحقیق یہ بات کہہ دیتے ہیں) اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت ایک ''امی'' کو یعنی نبی کریم ﷺ کو اپنا آخری نبی بنا کر بھیجا تا کہ باطل پرستوں کے پاس شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

بشارت نمبر 9

کتاب یسعیاہ میں باب 42 آیات 1-17 میں بھی حضرت محمد ﷺ کی پیش گوئی موجود ہے۔

''دیکھو میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر ڈالی۔ وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا۔ وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی۔ وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا۔ وہ راستی سے عدالت کریگا۔ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے۔ جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے۔ جس نے آسمان کو پیدا کیا اور تان دیا۔ جس نے زمین کو اور ان کو جو اس میں سے نکلتے ہیں پھیلایا۔ جو اس کے باشندوں کو سانس اور اس پر چلنے والوں کو رُوح عنایت کرتا ہے یعنی خداوند خدا یوں فرماتا ہے۔ میں خداوند نے تجھے صداقت سے بلایا۔ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا۔ کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے۔ یہوواہ میں ہوں۔ یہی میرا نام ہے۔ میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لیے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتوں کے لیے روا نہ رکھوں گا۔ دیکھو پرانی باتیں پوری ہوگئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں۔ اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا

ہوں۔اے سمندر پر گزرنے والو اور اس میں بسنے والو! اے جزیرو اور ان کے باشندو خداوند کے لیے نیا گیت گاؤ۔ زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بستیاں۔ قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں۔ سلع کے بسنے والے گیت گائیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اس کی ثناخوانی کریں۔ خداوند بہادر کی مانند نکلے گا۔ وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائے گا۔ وہ نعرہ مارے گا۔ ہاں وہ للکارے گا۔ وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئے گا۔ میں بہت مدت سے چپ رہا۔ میں خاموش ہو رہا اور ضبط کرتا رہا پر اب میں دردِزہ والی کی طرح چلاؤں گا۔ میں ہانپوں گا اور زور زور سے سانس لوں گا۔ میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا اور ان کے سبزہ زاروں کو خشک کروں گا اور ان کی ندیوں کو جزیرے بناؤں گا اور تالابوں کو سکھا دوں گا۔ اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤں گا۔ میں ان کو ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔ میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو ہموار کردوں گا۔ میں ان سے یہ سلوک کروں گا اور ان کو ترک نہ کروں گا۔ جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسا کرتے اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو۔ وہ پیچھے ہٹیں گے اور بہت شرمندہ ہوں گے۔"

(کتاب یسعیاہ 42:1-17) (پروٹسٹنٹ بائبل 1990ء مطبوعہ لاہور)

اس عبارت میں آنے والے نبی کے لیے "خادم" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو خاص طور پر حضرت محمد ﷺ کا لقب ہے۔ دوسرے انبیاء کو "کلیم اللہ"، "خلیل اللہ"، "روح اللہ" جیسے لقب دیئے گئے لیکن "عبداللہ" یعنی اللہ کا بندہ یا اللہ کا خادم خاص طور پر نبی کریم ﷺ کو عطا ہوا لقب ہے۔ اس کے ساتھ لفظ "برگزیدہ" استعمال ہوا ہے جو کہ "مصطفیٰ" کا ترجمہ ہے اور یہ بھی حضرت محمد ﷺ کا لقب ہے۔ "وہ راستی سے عدالت کرے گا" یعنی وہ نبی کسی

سے زیادتی نہیں کریں گے۔ وہ بازاروں میں شور ڈالنے والے نہیں ہوں گے۔ یہ عبارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں اس لیے نہیں ہوسکتی کہ:

1: اس میں ہے ''وہ ہمت نہ ہارے گا جب تک زمین پر اپنی عدالت قائم نہ کر لے'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں اپنی عدالت اور حکومت قائم کرنے سے پہلے ہی آسمان پر تشریف لے گئے۔

2: اس میں یہ جملہ ہے ''میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا'' اناجیل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھتے وقت جب تک ان کا انتقال نہ ہوا خدا کو پکارتے رہے لیکن (معاذ اللہ) ان کی مدد نہ کی گئی۔ اسلامی عقیدے کے مطابق انھیں حکومت نہ مل سکی۔

3: آیت نمبر 8 میں اس بات کا ذکر ہے کہ وہ نبی خاص طور پر بت پرستی کا خاتمہ کرنے کو اپنا مقصد بنائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی زندگی میں بت پرستوں سے کوئی واسطہ نہیں پڑا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بت پرست قوم میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اور انھوں نے بت پرستی کے خاتمہ کو اپنا مشن یا مقصد بنایا اور بت پرست قوم کو خالصتاً توحید پرست، خدائے واحد کو ماننے والی قوم میں بدل دیا۔ فتح مکہ کے وقت خانہ کعبہ بتوں سے بھرا ہوا تھا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں سے پاک کیا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک یہودی عالم مسلمان ہوگئے تھے، ان سے جب پوچھا گیا کہ تورات کی کون سی عبارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیتی ہے؟ تو انھوں نے ایک عبارت کا عربی ترجمہ کر کے بتایا وہ عبارت کتاب یسعیاہ کی اسی عبارت کے سو فیصد مطابق ہے۔

بخاری کی کتاب التفسیر سے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ایک ایک جملہ کر کے اسے کتاب یسعیاہ کے جملے سے ملائیں۔

1: ''قال فی التوراتہ یایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا۔''

''تورات میں اللہ نے کہا ہے کہ اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا ہے۔ بے شک تم شاہد اور خوشخبری دینے والے ہو۔''

کتاب یسعیاہ میں ہے ''وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا۔''

2: "وحرز الامیین."

امیوں کی پناہ ہو (امی سے مراد یہاں وہ ہیں جن کو پہلی شریعت نہ ملی ہو)۔

کتاب یسعیاہ میں ہے ''ان کو ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔''

نبی کریم ﷺ نے عرب جو کسی شریعت سے آگاہ نہیں تھے، اس لیے شریعت کے راستے سے آگاہ نہیں تھے، ان کو شریعت کے راستے پر لے کر چلے۔

3: "انت عبدی ورسولی."

''تم میرے بندے اور میرے رسول ہو۔''

کتاب یسعیاہ کے شروع میں ہے ''دیکھو میرا خادم اور پھر ہے، میں نے اپنی روح اس پر ڈالی۔''

4: ''سمیتك بالمتوکل."

''میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ کرنے والا رکھا''

کتاب یسعیاہ میں ہے ''میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں...... میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا۔

5: "لیس لفظ ولا غلیظ ولا یدفع السیئة بالسیئة ولکن یعفو ویصفح."

''وہ سنگدل اور سخت نہ ہوگا (یعنی کمزوروں کو نہ ستائے گا) اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے گا۔ بلکہ معاف کردے گا۔''

کتاب یسعیاہ میں تمثیل واستعارے میں کہا گیا ہے ''وہ مسلے ہوسر کنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا۔ وہ راستی سے عدالت کرے گا۔''

6: "ولا سخاب بالا سواق."

"اور نہ ہی وہ بازاروں میں شور کرنے والا ہوگا۔"

کتاب یسعیاہ میں ہے "وہ نہ چلائے گا، نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی۔"

7: "ولن یقبضه الله حتی یقیم به الملة العوجاء."

"اور خدا اس وقت تک اس کی روح قبض نہ کرے گا جب تک کہ اس کے ذریعے وہ کج دین کو سیدھا نہ کر لے۔"

کتاب یسعیاہ میں ہے "وہ ماندہ نہ ہوگا" اور ہمت نہ ہارے گا، جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کر لے۔

8: "فیقولوا لااله الا الله."

"یہاں تک کہ لوگ کہہ اٹھیں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کتاب یسعیاہ میں ہے "یہوواہ میں ہوں، یہی میرا نام ہے، میں اپنا جلال کسی دوسرے کے لیے اور اپنی حمد کھودی ہوئی مورتوں کے لیے روا نہ رکھوں گا۔" (بائبل میں "یہوواہ" کا لفظ "اللہ" کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ کیتھولک بائبل کراچی (اردو) 1999ء نے لفظ "یہوواہ" کو "خداوند" سے بدل دیا ہے)۔

9: "فیفتح به اعینًا عمیًا واذانًا صمًا و قلوبًا غلفًا."

"وہ اس کے ذریعے سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دے گا" (بخاری تفسیر سورۃ فتح بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ)۔

کتاب یسعیاہ میں ہے "لوگوں کے لیے عہد اور قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے، اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث اور بائبل کی عبارت میں کہیں کہیں تقدیم و تاخیر

یا صیغوں کا فرق ہے لیکن اتنا فرق تو بائبل کے تقریباً ہر نسخے کے مقابلے میں دوسرے نسخے میں ہوتا ہے۔

آیت نمبر 9 میں ہے ''دیکھو پرانی باتیں پوری ہو گئیں اور میں نئی بتاتا ہوں۔'' اس جملے کے ذریعے اس پیش گوئی کی اہمیت واضح کی گئی ہے کہ جس طرح پہلی سب باتیں پوری ہوئیں تھیں اس طرح یہ بھی پوری ہوں گی۔ نئے گیت سے مراد عبادات کے وہ نئے طریقے ہیں جو شریعت محمدیؐ میں پائے جاتے ہیں۔ اس پیش گوئی میں حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا تمام زمین، تمام سمندروں، جزیروں اور خشکی کے ہر حصے کے لیے عام ہونے کا بتایا گیا ہے۔ لفظ ''قیدار'' بھی اس طرف اشارہ کر رہا ہے کیونکہ حضرت محمد ﷺ ''قیدار بن اسماعیل'' کی اولاد میں سے ہیں۔

''سلع'' کے ذکر سے یہ بات اور بھی زیادہ قطعی طور پر حضرت محمد ﷺ کے حق میں جاتی ہے کیونکہ ''سلع'' مدینہ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں بھی اور اس سے پہلے قدیم اہل عرب میں بھی یہ پہاڑ ''سلع'' کے نام سے مشہور تھا۔ اس پیش گوئی میں کہا گیا ہے کہ سلع کے بسنے والے گیت گائیں۔'' جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو مدینہ کی بچیاں ان کے لیے یہ گیت گا رہی تھیں

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

''ہم پر ثنیات الوداع کی گھاٹیوں سے چاند طلوع ہوا۔''

ثنیات الوداع دراصل کوہ سلع ہی کی گھاٹیاں ہیں جن کا آج بھی مدینہ منورہ میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اصل عبرانی میں بھی یہاں سلع ہی موجود ہے لیکن بائبل کے مترجمین ناموں کا ترجمہ بھی کر دیتے ہیں یا بعض اوقات ویسے ہی بدل دیتے ہیں۔ اس لیے بعض تراجم میں ''سلع'' کی جگہ اس کا ترجمہ ''چٹان'' لکھ دیا گیا ہے اور کیتھولک بائبل کراچی (اردو) 1999ء میں اس کی جگہ ''سالح'' لفظ لکھ دیا گیا ہے۔

'' پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں'' سے مراد حج کا رکن ہے۔ لاکھوں انسان

پہاڑوں کی چوٹیوں سے ہر سال "لبیک اللّٰھم لبیک" پکارتے ہیں۔ ''جزیروں میں اس کی ثناء خوانی کریں گے'' کے الفاظ اذان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ دنیا کے ہر حصے میں دن میں پانچ وقت بلند آواز سے اذان دی جاتی ہے جس میں خدا کے ایک ہونے اور اس کی بڑائی کا اعلان کیا جاتا ہے۔

''خداوند بہادر مرد کی طرح نکلے گا، وہ جنگی مرد کی طرح اپنی غیرت دکھائے گا'' ان الفاظ سے جہاد کی طرف اشارہ ہے۔ آپ ﷺ اللہ کی طرف سے نبوت کے عہدے پر فائز تھے۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جہاد خالصتاً اللہ کی رضا سے اور اس کے حکم سے ہوگا اس لیے آپؐ کے نکلنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نکلنا قرار دیا۔

آیت نمبر 14 میں جہاد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آیت نمبر 16 میں عربوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ خدا کے احکام سے واقف نہیں تھے، بت پرستی اور گندی جاہل رسموں میں مبتلا تھے۔ ''میں ان کو ترک نہ کروں گا'' کے الفاظ سے آپ ﷺ کی امت کا آخری اُمت ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اس بات کی طرف بھی کہ آخری الہامی دین یہی ہے اس لیے دنیا کی امامت ان کے سپرد کی جائے گی۔ آخری آیت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے وعدہ کیا گیا ہے کہ بت پرست یعنی عرب کے مشرکین، صلیب کی عبادت کرنے والوں اور تصویر کی پوجا کرنے والوں کی بہت رسوائی ہوگی۔ پھر جو وعدہ کیا تھا وہ اس طرح پورا ہوا کہ عرب کا خطہ شرک سے پاک ہوگیا۔ کسریٰ کی سلطنت مٹ گئی۔ شام کے عیسائیوں کی حکومت بھی ختم ہو گئی۔ دوسرے ملکوں جیسے بخارا، کابل وغیرہ اور بہت کم جگہ ان کا نام رہ گیا اور اللہ کی توحید کو مشرق سے مغرب تک ہر جگہ مانا گیا۔

بشارت نمبر 10

کتاب یسعیاہ باب نمبر 65 آیات 1-6 میں ہے:

''جو میرے طالب نہ تھے میں ان کی طرف متوجہ ہوا۔ جنھوں نے مجھے ڈھونڈا نہ تھا مجھے پالیا۔ میں نے ایک قوم سے جو میرے نام سے نہ کہلاتی تھی فرمایا دیکھ

میں حاضر ہوں، میں نے سرکش لوگوں کی طرف جو اپنی فکروں کی پیروی میں بری راہ پر چلتے ہیں ہمیشہ ہاتھ پھیلائے۔ ایسے لوگ جو ہمیشہ میرے روبرو باغوں میں قربانیاں کرنے اور اینٹوں پر خوشبو جلانے سے مجھے برا فروختہ کرتے ہیں۔ جو قبروں میں بیٹھتے اور پوشیدہ جگہوں میں رات کاٹتے اور سوُر کا گوشت کھاتے ہیں اور جن کے برتنوں میں نفرتی چیزوں کا شوربا موجود ہے۔ جو کہتے ہیں تو الگ ہی کھڑا رہ۔ میرے نزدیک نہ آ کیونکہ میں تجھ سے زیادہ پاک ہوں۔ یہ میری ناک میں دھوئیں کی مانند اور دن بھر جلنے والی آگ کی طرح ہیں۔ دیکھو میرے آگے یہ قلمبند ہوا ہے۔ پس میں خاموش نہ رہوں گا بلکہ بدلہ دوں گا۔ خداوند فرماتا ہے ہاں ان کی گود میں ڈال دوں گا۔'' (پروٹسٹنٹ بائبل 1990ء)

''جو میرے طالب نہ تھے''، جنھوں نے مجھے ڈھونڈا نہ تھا'' ان سے مراد عرب لوگ ہیں کیونکہ یہ لوگ خدا کی ذات وصفات اور اس کی شریعتوں سے بالکل بھی واقف نہ تھے اس لیے خدا کے نام سے بھی نہ کہلاتے تھے، خدا ان کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے بعد آیات نمبر 2-3 میں یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر ہے جن پر خدا نے بے شمار انعامات کیے اور انھوں نے ہر دفعہ سرکشی ہی دکھائی۔ آیت نمبر 4 میں عیسائیوں کا ذکر ہے۔ اسی لیے اللہ نے ان کو رد کیا اور امت محمدؐیہ کو پسند فرمایا۔

بشارت نمبر 11

کتاب دانی ایل کے باب نمبر 2 میں ہے کہ شاہ بابل بخت نصر نے ایک خواب دیکھا اور بھول گیا۔ پھر حضرت دانیال علیہ السلام کو وحی کی ذریعے وہ خواب اور اس کی تعبیر معلوم ہوگئی۔ جسے آپ علیہ السلام نے بادشاہ کے سامنے اس طرح بیان فرمایا۔

''اے بادشاہ تو نے ایک بڑی مورت دیکھی۔ وہ بڑی مورت جس کی رونق بے نہایت تھی تیرے سامنے کھڑی ہوئی اور اس کی صورت ہیبت ناک تھی۔ اُس مورت کا سر خالص سونے کا تھا، اُس کا سینہ اور اُس کے بازو چاندی کے۔ اُس

کا شکم اور اُس کی رانیں تانبے کی تھیں۔ اُس کی ٹانگیں لوہے کی اور اُس کے پاؤں کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے تھے۔ تُو اُسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ ایک پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی کاٹا گیا اور اُس مورت کے پاؤں پر جو لوہے اور مٹی کے تھے لگا اور اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تب لوہا اور مٹی اور تانبا اور چاندی اور سونا ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے اور تابستانی کھلیہان کی بھوسے کی مانند ہوئے اور ہوا اُن کو اُڑا لے گئی۔ یہاں تک کہ اُن کا پتہ نہ ملا اور وہ پتھر جس نے اُس مورت کو توڑا ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین میں پھیل گیا۔ وہ خواب یہ ہے اور اُس کی تعبیر بادشاہ کے حضور بیان کرتا ہوں۔ اے بادشاہ تو شاہنشاہ ہے جس کو آسمان کے خدا نے بادشاہی و توانائی اور قدرت و شوکت بخشی ہے۔ اور جہاں کہیں بنی آدم سکونت کرتے ہیں اُس نے میدان کے چرندے اور ہوا کے پرندے تیرے حوالہ کر کے تجھ کو اُن سب کا حاکم بنایا ہے۔ وہ سونے کا سر تُو ہی ہے۔ اور تیرے بعد ایک اور سلطنت برپا ہوگی جو تجھ سے چھوٹی ہوگی اور اس کے بعد ایک اور سلطنت تانبے کی جو تمام زمین پر حکومت کرے گی۔ اور چوتھی سلطنت لوہے کی مانند مضبوط ہوگی اور جس طرح لوہا توڑ ڈالتا ہے اور سب چیزوں پر غالب آتا ہے ہاں جس طرح لوہا سب چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا اور کچلتا ہے اُسی طرح وہ ٹکڑے ٹکڑے کرے گی اور کچل ڈالے گی۔ اور جو تُو نے دیکھا کہ اُس کے پاؤں اور انگلیاں کچھ تو کمہار کی مٹی کی اور کچھ لوہے کی تھیں سوا۔ اُس سلطنت میں تفرقہ ہوگا مگر جیسا کہ تُو نے دیکھا کہ اُس میں لوہا مٹی سے ملا ہوا تھا، اُس میں لوہے کی مضبوطی ہوگی۔ اور چونکہ پاؤں کی انگلیاں کچھ لوہے کی اور کچھ مٹی کی تھیں اس لیے سلطنت کچھ قوی اور کچھ ضعیف ہوگی۔ اور جیسا تُو نے دیکھا کہ لوہا مٹی سے ملا ہوا تھا وہ بنی آدم سے آمیختہ ہونگے لیکن جیسے لوہا مٹی سے میل نہیں کھاتا، ویسے ہی وہ بھی باہم میل نہ کھائیں گے۔ اور ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان

کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہوگی اور اُس کی حکومت کسی دوسری قوم کے حوالہ نہ کی جائیگی بلکہ وہ ان تمام مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کریگی اور وُہی ابد تک قائم رہے گی۔ جیسا تو نے دیکھا کہ وہ پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی پہاڑ سے کاٹا گیا اور اُس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ خدا تعالیٰ نے بادشاہ کو وہ کچھ دکھایا جو آگے کو ہونے والا ہے۔ اور یہ خواب یقینی ہے اور اس کی تعبیر یقینی۔"

(کتاب دانی ایل 2:31-46۔ اردو پروٹسٹنٹ بائبل لاہور 1990ء)

غرض پہلی سلطنت سے مراد بخت نصر کی بادشاہت ہے اور دوسری سلطنت کا مصداق مادیین کی حکومت ہے، جو بلشاصر بن بخت نصر کے قتل کے بعد مسلط ہوگئے تھے جیسا کہ کتاب دانی ایل کے باب نمبر 5 سے بھی ظاہر ہے۔ مگر ان کی حکومت کلدانیوں (بخت نصر کلدانی تھا) کی حکومت سے نسبتاً کمزور تھی۔ تیسری سلطنت یا بادشاہت سے مراد کیانیوں کی حکومت ہے اس لیے کہ ایران کا بادشاہ خورش (پادریوں کے دعوے کے مطابق کیخسرو ہے) حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے 536 سال پہلے قابل پر قابض ہوگیا تھا اور چونکہ کیانیوں کی حکومت بڑی طاقتور تھی۔ اس لحاظ سے ان کا تسلط گویا ساری روئے زمین پر تھا۔ چوتھی حکومت سے مراد اسکندر بن فلیفوس کی سلطنت ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے 330 سال پہلے ملک فارس پر قابض ہوگیا تھا اور قوت کے لحاظ سے لوہے کی مانند تھا، سکندر نے فارس کی سلطنت کے ٹکڑے کر کے چند بادشاہوں کو بانٹ دی تھی جس کی وجہ سے یہ سلطنت ساسانیوں کے ظہور تک برابر کمزور رہی، البتہ ساسانیوں کے دور میں پھر مضبوط اور طاقتور ہوگئی پھر کبھی مضبوط اور کبھی کمزور ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ نوشیرواں کے عہد میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری اور باطنی بادشاہت اور حکومت عطا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار بہت کم عرصہ میں مشرق و مغرب پر چھا گئے اور فارس کے ان تمام علاقوں پر بھی ان کا قبضہ ہوگیا جن سے اس خواب اور اس کی تعبیر کا تعلق ہے۔ یہی وہ ابدی بادشاہت ہے جو کبھی

نہ مٹے گی۔ اور یہ حکومت کبھی کسی دوسری قوم کو نصیب نہ ہوگی۔ اس کا کمال و عروج انشاء اللہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوگا مگر اس سے پہلے کچھ عرصے کے لیے یہ کمزور ضرور ہوگی اسی لیے اس زمانے میں اس کی بعض علامات نظر آ رہی ہیں۔ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور پر یہ نقص ختم ہو جائے گا اور دین تمام تر اللہ کے لیے ہو کر رہے گا۔ یہی وہ پتھر ہے جو پہاڑ سے جدا ہو گیا تھا اور جس نے ٹھیکرے، لوہے، تانبے، چاندی اور سونے کو پیس ڈالا تھا اور خود بڑا بھاری پہاڑ بن گیا تھا اور تمام روئے زمین پر چھا گیا تھا۔ اس کا مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

بشارت نمبر 12

انجیل متی باب 3 آیت نمبر 1 میں ہے:

"ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا، اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو، کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔"

اور انجیل متی باب نمبر 4 آیت نمبر 12 میں ہے۔

جب اس نے (یسوع نے) سنا کہ یوحنا پکڑوا دیا گیا تو گلیل کی طرف روانہ ہوا......

آیت 17: اس وقت سے یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو، کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے...... آیت نمبر 23 اور یسوع تمام گلیل میں پھرتا رہا اور ان کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہی کی خوشخبری کی منادی کرتا۔"

اور انجیل متی کے باب نمبر 6 کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو نماز کا طریقہ بتاتے ہوئے یہ دعا سکھائی: "تیری بادشاہی آئے۔"

اور انجیل متی کے باب 10 کے مطابق جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو تبلیغ کے لیے اسرائیل کے شہروں میں بھیجا تو دوسری نصیحتوں کے ساتھ یہ نصیحت بھی کی

"اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔" (انجیل متی 7:10)

انجیل لوقا باب 9 آیات 1-2 میں ہے:

"پھر اس نے ان بارہ کو بلا کر انھیں سب بدروحوں پر اور بیماریوں کو دور کرنے کے لیے قدرت اور اختیار بخشا، اور انھیں خدا کی بادشاہی کی منادی کرنے اور بیماروں کو اچھا کرنے کو بھیجا۔"

انجیل لوقا باب نمبر 10 میں آیت نمبر 1 میں ہے:

"ان باتوں کے بعد خداوند نے ستر آدمی اور مقرر کیے، اور جس جس شہر اور جگہ کو جانے والا تھا، وہاں انھیں دو دو کر کے اپنے آگے بھیجا۔" آیات 8-12:

"جس شہر میں داخل ہو اور وہاں کے لوگ تمھیں قبول کریں تو جو کچھ تمھارے سامنے رکھا جائے کھاؤ، اور وہاں کے بیماروں کو اچھا کرو اور ان سے کہو کہ خدا کی بادشاہی تمھارے نزدیک آ پہنچی ہے، لیکن جس شہر میں داخل ہو اور وہاں کے لوگ تمھیں قبول نہ کریں تو اس کے بازاروں میں جا کر کہو کہ ہم اس گرد کو بھی جو تمھارے شہر سے ہمارے پاؤں میں لگی ہے تمھارے سامنے جھاڑ دیتے ہیں مگر یہ جان لو کہ خدا کی بادشاہی نزدیک آ پہنچی ہے۔"

اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں نے ان کے حواریوں اور ستر شاگردوں نے آسمانی بادشاہت کی خوشخبری سنائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہی الفاظ میں بشارت دی جن میں حضرت یحییٰ علیہ السلام نے خوشخبری دی تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ بادشاہت جس طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کے دور میں ظاہر نہیں ہوئی تھی اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں بھی ظاہر نہیں ہوئی، نہ ہی ان کے حواریوں اور ستر شاگردوں کے دور میں ظاہر ہوئی۔ اس لیے ان میں سے ہر ایک اس کی بشارت دیتا رہا، اس کی خوبیاں بیان کرتا رہا اور اس کی آمد کی توقع کرتا رہا۔ اس لیے آسمانی بادشاہت سے مراد وہ طریقہ نجات ہرگز نہیں ہوسکتا جو شریعت عیسوی کی شکل میں ظاہر ہوا، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے حواری اور ستر شاگرد یوں نہ کہتے کہ وہ قریب آنے والا ہے اور نہ ان کو نمازوں میں پڑھنے کے لیے یہ تعلیم دیتے کہ "اور تیری بادشاہی آئے" کیونکہ یہ طریقہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہونے

کے دعویٰ کے بعد ان کی شریعت کی شکل میں ظاہر ہو ہی چکا تھا۔ لیکن وہ اس کے بعد بھی آنے والی بادشاہت کی منادی کرتے رہے۔

اس بات سے ثابت ہوا کہ اس کا مصداق اصل میں وہ طریقہ نجات ہے جو شریعت محمدیؐ کی شکل میں ظاہر ہوا اور یہ سب حضرات اسی کی بشارت دیتے رہے۔ خود آسمانی بادشاہت یا حکومت کے الفاظ بھی یہ ظاہر کررہے ہیں کہ یہ بادشاہت حقیقتاً سلطنت اور قوت کی شکل میں ہوسکتی ہے نہ کہ عاجزی اور کمزوری کی صورت میں، اسی طرح اس کے مخالفین کے ساتھ جنگ اسی سبب سے ہوگی۔ یہ الفاظ یہ بھی ظاہر کررہے ہیں کہ اس کے قوانین کی بنیاد ضروری ہے کہ کسی آسمانی کتاب پر ہو، اور یہ تمام باتیں صرف شریعت محمدیؐ پر ہی صادق آتی ہیں۔ عیسائی علماء یہ کہتے ہیں کہ اس بادشاہت سے مراد ساری دنیا میں ملت مسیح علیہ السلام کا پھیل جانا اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ساری دنیا پر چھا جانا مراد ہے، تو یہ تاویل بالکل کمزور اور ظاہر کے خلاف ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل متی باب نمبر 13 میں منقول مثالیں اس خیال کی تردید کرتی ہیں، مثلاً

1: ''آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔'' (انجیل متی 31:13)

2: ''آسمان کی بادشاہی اُس آدمی کی مانند ہے جس نے اپنے کھیت میں اچھا بیج بویا'' (انجیل متی 24:13)

3: ''آسمان کی بادشاہی اس خمیر کی مانند ہے جسے کسی عورت نے لے کر تین پیمانے آٹے میں ملا دیا، اور وہ ہوتے ہوتے سب خمیر ہوگیا۔'' (انجیل متی 33:13)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمانی بادشاہت کی مثال رائی کے دانے سے دی، اس کے عظیم الشان درخت بننے سے نہیں، اور اس انسان سے مثال دی جس نے کھیتی بوئی، کھیتی بڑھنے اور کاٹنے سے مثال نہیں دی، اور خمیر سے اس کی مثال دی نہ کہ سارے آٹے کے خمیر بننے سے۔

انجیل متی کے باب نمبر 21 آیت نمبر 43 میں جو تمثیل بیان ہے وہ بھی عیسائی علماء کے خیالات کو غلط قرار دیتی ہے، اس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں

”خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی، اور اس قوم کو جو آگے پھل لائے دے دی جائے گی۔“

یہ قول بھی ظاہر کرتا ہے کہ آسمانی بادشاہت سے مراد دراصل نجات کا طریقہ ہے، اس سے تمام عالم میں اس کا پھیلنا اور پھر چھا جانا مراد نہیں، ورنہ پھر اس کی اشاعت کا ایک قوم سے چھن جانا اور دوسری قوم کو دیا جانے کا کوئی مطلب نہیں، اس بادشاہت سے مراد وہی بادشاہت ہے، جس کی خبر حضرت دانیال علیہ السلام اپنی کتاب کے باب نمبر 2 میں دے گئے ہیں اس لیے اس بادشاہت اور سلطنت کا صحیح مصداق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

بشارت نمبر 13

انجیل متی باب 13 آیات 31-32 میں ہے:

”اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آ کر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔“

لہٰذا آسمانی بادشاہت سے مراد وہی طریقہ نجات ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سے ظاہر ہوا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی قوم میں پرورش پائی جو ساری دنیا کے نزدیک کاشتکار تھے، ان میں اکثر لوگ دیہات کے رہنے والے تھے جو کہ علوم اور صنعتوں سے ناواقف اور دنیاوی تکلفات اور آرائشوں سے آزاد تھے، خصوصاً یہودیوں کے نظریے سے، اس لیے کہ یہ لوگ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اسی قوم سے ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت شروع میں بظاہر رائی کے دانے کی طرح چھوٹی سی شریعت تھی لیکن اپنے عام اور عالمگیر ہونے کی وجہ سے بہت کم عرصے میں ترقی کر کے اتنی بڑی ہو گئی کہ

تمام مشرق و مغرب میں پھیل گئی، یہاں تک کہ جو لوگ کبھی بھی کسی شریعت کے پابند اور مطیع نہیں تھے وہ بھی اس کے پابند ہو گئے۔ یہی تمثیل انجیل مرقس باب نمبر 4 آیات 30-32، اور انجیل لوقا باب نمبر 13 آیات 18-19 میں بھی بیان کی گئی ہے۔ اس بشارت کا ذکر قرآن پاک میں سورہ فتح آیت نمبر 29 میں بھی ہے۔

﴿وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ﴾ (الفتح : 29)

''اور ان کی مثال انجیل میں کھیت کی مانند ہے، جس نے اپنی بال نکالی۔ پھر اسے مضبوط کیا۔ پھر موٹا ہوا، پھر اپنی ٹہنیوں پر کھڑا ہوا کھیت والوں کو مسرور اور خوش کر رہا ہے۔''

انجیل مرقس باب نمبر 4 آیات 26-29 کے الفاظ قرآنی الفاظ سے زیادہ نزدیک ہیں:

''اور اس نے کہا خدا کی بادشاہی ایسے ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے۔ اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے اور وہ بیج اس طرح اگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے۔ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے پہلے پتی، پھر بالیں، پھر بالوں میں تیار دانے۔ پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آن پہنچا۔''

بشارت نمبر 14

انجیل متی باب 20 آیات 1-16 میں ہے:

کیونکہ آسمان کی بادشاہی اُس گھر کے مالک کی مانند ہے جو سویرے نکلا تاکہ اپنے تاکستان میں مزدور لگائے۔ اور اُس نے مزدوروں سے ایک دینار روز ٹھہرا کر اُنہیں اپنے تاکستان میں بھیج دیا۔ پھر پہر دن چڑھے کے قریب نکل کر اُس نے اوروں کو بازار میں بیکار کھڑے دیکھا۔ اور اُن سے کہا تم بھی تاکستان میں چلے جاؤ۔ جو واجب ہے تم کو دوں گا پس وہ چلے گئے۔ پھر اُس نے دوپہر اور تیسرے پہر کے قریب نکل کر ویسا ہی کیا۔ اور کوئی

ایک گھنٹہ دن رہے، پھر نکل کر اوروں کو کھڑے پایا اور اُن سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بیکار کھڑے رہے؟ اُنہوں نے اُس سے کہا اس لیے کہ کسی نے ہم کو مزدوری پر نہیں لگایا۔ اُس نے اُن سے کہا تم بھی تاکستان میں چلے جاؤ۔ جب شام ہوئی تو تاکستان کے مالک نے اپنے کارندہ سے کہا کہ مزدوروں کو بلا اور پچھلوں سے لے کر پہلوں تک ان کی مزدوری دیدے۔ جب وہ آئے جو گھنٹہ بھر دن رہے لگائے گئے تھے تو اُن کو ایک ایک دینار ملا۔ جب پہلے مزدور آئے تو انھوں نے یہ سمجھا کہ ہم کو زیادہ ملے گا اور اُن کو بھی ایک ہی ایک دینار ملا۔ جب ملا تو گھر کے مالک سے یہ کہہ کر شکایت کرنے لگے کہ۔ ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹہ کام کیا ہے اور تُو نے ان کو ہمارے برابر کر دیا، جنھوں نے دن بھر کا بوجھ اُٹھایا اور سخت دھوپ سہی۔ اُس نے جواب دے کر اُن میں سے ایک سے کہا میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا۔ کیا تیرا مجھ سے ایک دینار نہیں ٹھہرا تھا؟۔ جو تیرا ہے اٹھا لے اور چلا جا۔ میری مرضی یہ ہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں اس پچھلے کو بھی اتنا ہی دوں۔ کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال سے جو چاہوں سو کروں؟ یا تو اس لیے کہ میں نیک ہوں بری نظر سے دیکھتا ہے؟۔ اسی طرح آخر اول ہو جائیں گے اور اول آخر۔"

اس بشارت میں آخر دن میں سے مراد امت محمدؐیہ ہے۔ یہ لوگ ہی اجرت میں مقدم کیے جائیں گے، یہی لوگ باوجود آخر ہونے کے اول ہوں گے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "ہم پچھلے ہونے کے ساتھ پہلے ہیں۔"

"نحن الآخرون السابقون یوم القیامه"

(عن ابی ہریرہؓ، کنز الایمان صفحہ 233ج)

حضرت محمد ﷺ نے امت محمدؐیہ کی جو مثال دی ہے وہ صحیح بخاری میں اس طرح موجود ہے:

"انما بقاء کم فیما سلف قبلکم من الامم کمابین الصلوٰة العصر الیٰ غروب الشمس اوتی اهل التوراة التوراة فعملو

حتیٰ اذا انتصف النہار ثم عجزوا فاعطوا قیراطًا قیراطًا ، ثم اوتی اہل الانجیل الانجیل فعملوا الی الصلوٰۃ الغصر ثم عجزوا فا عطو قیراطاً قیراطاً ثم اوتینا القران فعملنا الی غروب الشمس فاعطینا قیراطین قیراطین فقال اہل الکتٰبین ایّ ربّنا اعطیت ہٰؤلاءِ قیراطین قراطین واعطینا قیراطاً قیراطاً وکنا اکثر عملاً قال اللّٰہ عزوجل ہل ظلمتکم من اجر کم من شیءٍ قالو لا ، قال ہو فضلی اوتیہ من اشآء ۔"

(صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب من اور وکعۃ من العصر حدیث نمبر 557)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا "تمھارا قیام گزشتہ امتوں کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے کہ نماز عصر سے غروب آفتاب تک، اہلِ تورات کو تورات دی گئی تو انھوں نے اس پر نصف دن تک کام کیا اور تھک گئے تو انھیں ایک ایک قیراط دیا گیا، پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی جو عصر کی نماز تک کام کر کے تھک گئے تو انھیں بھی ایک ایک قیراط دیا گیا۔ اس کے بعد ہمیں قرآن دیا گیا تو ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا اس پر ہمیں دو، دو قیراط ملے۔ پس ان دنوں اہل کتاب نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے مسلمانوں کو دو، دو قیراط دیئے ہیں اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا حالانکہ ہم نے ان سے زیادہ کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے مزدوری دیئے میں تم پر کوئی زیادتی کی ہے؟ انھوں نے عرض کیا "نہیں" تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر یہ میرا فضل ہے، جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں۔"

بشارت نمبر 15

انجیل متی باب نمبر 21 آیات 33-46 میں بھی حضور ﷺ کی پیش گوئی موجود ہے۔ اس تمثیل میں مالک مکان سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں اور باغ سے شریعت کی جانب اشارہ ہے:

''ایک اور تمثیل سنو۔ ایک گھر کا مالک تھا جس نے تاکستان لگایا اور اُس کی چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اُس میں حوض کھودا اور بُرج بنایا اور اُسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دے کر پردیس چلا گیا۔ اور جب پھل کو موسم قریب آیا تو اُس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا۔ اور باغبانوں نے اُس کے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا اور کسی کو قتل کیا اور کسی کو سنگسار کیا پھر اُس نے اور نوکروں کو بھیجا جو پہلوں سے زیادہ تھے اور انھوں نے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ آخر اُس نے اپنے بیٹے کو اُن کے پاس یہ کہہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کریں گے۔ جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا یہی وارث ہے۔ آؤ اسے قتل کر کے اس کی میراث پر قبضہ کرلیں۔ اور اُسے پکڑ کر تاکستان سے باہر نکالا اور قتل کر دیا۔ پس جب تاکستان کا مالک آئے گا تو اُن باغبانوں کے ساتھ کیا کرے گا؟۔ اُنہوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بری طرح ہلاک کرے گا اور باغ کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دے گا جو موسم پر اُس کو پھل دیں۔ یسوع نے اُن سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا۔ اور ہماری نظر میں عجیب ہے؟۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اُس کے پھل لائے دے دی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔ اور جب سردار کاہنوں اور فریسیوں نے اُس کی تمثیلیں سنیں تو سمجھ گئے کہ ہمارے حق میں کہتا ہے۔ اور وہ اُسے پکڑنے کی کوشش میں تھے لیکن لوگوں سے ڈرتے تھے کیونکہ وہ اُسے نبی جانتے تھے۔''

اور اس کا احاطہ گھیرنے اور اس میں شیرۂ انگور کے لیے حوض کھدوانے اور بُرج بنوانے سے محرمات اور مباحات اور اوامر و نواہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ سرکش مالیوں سے مراد

جیسا کہ کاہنوں کے سرداروں نے سمجھا یہودی ہیں۔ اور بھیجے ہوئے نوکروں سے مراد انبیائے کرام علیہ السلام ہیں اور بیٹے سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ (اس کتاب کے باب نمبر 2 میں یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اللہ کا بیٹا بائبل میں بہت لوگوں کو کہا گیا ہے، لیکن اس سے مراد مجازی بیٹا ہے اسی طرح اس مثال میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مراد مجازی بیٹا ہے حقیقی نہیں۔ کیونکہ بائبل میں اللہ کی فرمانبرداری کرنے والوں کو خدا کے بیٹے اور نافرمانی کرنے والوں کو ابلیس کے بیٹے قرار دیا گیا ہے۔) اور عیسائی عقیدے کے مطابق یہودیوں نے ان کو قتل کر دیا۔ اس مثال میں وہ پتھر جس کو معماروں نے رد کر دیا تھا حضرت محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے، اور وہ امت جو اس کے پھل لائے گی، سے امت محمدؐیہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہی وہ پتھر ہے جو اس پر گرا وہی ریزہ ریزہ ہوگیا اور جس پر پتھر گرا وہ پس گیا۔

عیسائی علماء کا یہ دعویٰ کہ اس پتھر سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں مندرجہ ذیل وجوہات کی وجہ سے غلط ہے۔

1: حضرت داؤد علیہ السلام نے زبور نمبر 118 میں فرمایا ''جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا، یہ خداوند کی طرف سے ہوا، اور ہماری نظر میں عجیب ہے۔''

اب اگر اس پتھر سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام کو مانا جائے جو خود بھی نسلاً یہودی ہیں کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں تو پھر یہودیوں کی نگاہوں میں یہ بات عجیب کیوں ہے؟ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کونے کا پتھر بن گئے؟ اور خصوصاً حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنی زبور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کرتے تھے اور ان کے خدا ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے تو ان کی نظر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کونے کے سرے کا پتھر ہونا عجیب کیوں ہے؟

یہ بات بنی اسماعیل علیہ السلام کے کسی فرد کے بارے میں اس لیے صحیح ہوسکتی ہے کہ یہودی بنی اسماعیل علیہ السلام کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان میں سے کسی شخص کا ترقی

پا کر ''کونے کے سرے کا پتھر'' ہو جانا ان کے لیے تعجب کی وجہ ہو سکتا ہے۔

2: اس عبارت میں کہا گیا ہے کہ ''جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا'' یہ وصف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ انجیل یوحنا باب 12 آیت نمبر 47 میں حضرت مسیح علیہ السلام کا قول یوں موجود ہے:

''اگر کوئی میری باتیں سن کر ان پر عمل نہ کرے تو میں اس کو مجرم نہیں ٹھہراتا کیونکہ میں دنیا کو مجرم ٹھہرانے نہیں بلکہ دنیا کو نجات دینے آیا ہوں۔''

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قول اس لیے صادق آتا ہے کہ آپؐ بدکاروں اور شریروں کی تنبیہ پر مامور تھے اس لیے اگر وہ آپؐ پر گریں گے تو ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے اور اگر وہ ان پر مسلط ہوں گے تب بھی ان کو پیس دیں گے۔

3: خود حضرت مسیح علیہ السلام کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پتھر بیٹا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ پتھر اور بیٹے دونوں کا ذکر علیحدہ علیحدہ ہوا ہے۔

4: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری اور دوسرے پیغمبروں کی مثال ایسی ہے گویا ایک شخص نے مکان بنا کر اسے مکمل اور مزین کر دیا۔ صرف ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی، اب جو لوگ گھر میں داخل ہوتے، تو تعجب کرتے کہ اس اینٹ کی خالی جگہ نہ ہوتی تو کیسا اچھا مکمل گھر ہوتا، وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النّبیین ہوں۔''

(صحیح بخاری احادیث 3534، 3535 و صحیح مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دلائل سے ثابت ہے، کچھ دلائل پہلی پیش گوئی میں دیئے گئے ہیں۔

بشارت نمبر 16

کتابِ مکاشفہ باب نمبر 2 آیات 26-29 میں ہے:

''جو غالب آئے اور میرے کاموں کے موافق آخر تک عمل کرے، میں اسے

قوموں پر اختیار دوں گا۔ اور وہ لوہے کے عصا سے اُن پر حکومت کرے گا۔ جس طرح کہ کمہار کے برتن چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بھی ایسا اختیار اپنے باپ سے پایا ہے۔ اور میں اسے صبح کا ستارہ دوں گا، جس کے کان ہوں وہ سنے کہ روح کلیساؤں سے کیا فرماتا ہے۔"

اس پیش گوئی میں غالب ؔجس کو تمام امتوں اور قوموں پر قوت و تسلط عطا کیا گیا ہے، اور جس نے لوہے کی لاٹھی سے ان کی نگرانی کی اس سے مراد حضور ﷺ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کے حق میں فرمایا ہے

﴿وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا﴾

"اور تا کہ اللہ آپ کی مدد کرے غلبہ والی۔"

مشہور کاہن سطیح، صاحب الہراوۃ نے آپ کو ہی اس کا مصداق ٹھہرایا تھا۔ روایات کے مطابق آپ ؐ کی شب ولادت میں کسریٰ نوشیرواں کا ایوان پھٹ گیا، اور اس کے چودہ کنکرے گر گئے، فارس کے آتش کدے کی آگ ٹھنڈی ہو گئی جو کہ ہزار برس سے نہیں بجھی تھی۔ بحیرۂ ساوہ خشک ہو گیا۔ (بیہقی)

موبزان نے خواب میں دیکھا کہ بڑے قوی اونٹ عربی اونٹوں کو لیے جا رہے ہیں اور دریائے دجلہ کو پار کر کے اس کے قریبی شہروں میں پھیل گئے، ان مسلسل واقعات کے پیش آنے سے کسریٰ نے بدحواس اور خوفزدہ ہو کر عبدالمسیح کو سطیح کاہن کے پاس بھیجا جو شام میں تھا اور قریب الموت تھا، اس نے سطیح کو یہ واقعات سنائے جس کا سطیح نے یہ جواب دیا

"جب تلاوت کی کثرت ہو، لاٹھی والا ظاہر ہو جائے، ساوہ کا چشمہ خشک ہو جائے اور فارس کی آگ بجھ جائے تو اس کے بعد اہل فارس کے لیے بابل میں قیام کی کوئی گنجائش نہیں، اور نہ سطیح کے لیے شام میں کسی خواب گاہ کی، اہل فارس میں آئندہ چند مرد و عورت بادشاہ ہوں گے، جو کنگروں کی تعداد کی مطابق ہوں گے، اور جو ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔"

یہ کہتے ہی سطیح کی موت واقع ہوگئی۔عبدالمسیح نے واپس آکر نوشیرواں کو سطیح کی بتائی ہوئی تعبیر بتائی تو کسریٰ کہنے لگا کہ چودہ پادشاہوں کی بادشاہت کے لیے بڑا طویل عرصہ درکار ہے (کیونکہ اس کے محل میں چودہ کنگرے تھے اس لیے اس کے خیال میں اس کی سلطنت کے ختم ہونے میں بہت وقت تھا)۔اتنے میں تو بہت سے کام انجام پاسکتے ہیں، مگر دس بادشاہ ایک کے بعد ایک تو صرف چار سال میں ختم ہوگئے اور باقی بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت ختم ہونے تک ختم ہوگئے۔ان کا سب سے آخری بادشاہ ''یزدگرد'' خلافت عثمانی میں ہلاک ہوا۔(اظہار الحق)

کتابِ مکاشفہ کی مذکورہ بشارت میں ''صبح کا ستارہ'' سے مراد قرآن کریم ہے سورۃ النسا میں ارشاد ہے

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾ (النساء: 174)

''اور ہم نے تمھارے پاس ایک واضح روشنی بھیجی۔''

سورۃ التغابن میں ارشاد ہے:

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا﴾ (التغابن: 8)

''پس تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا۔''

بشارت نمبر 17

یہ پیش گوئی انجیل یوحنا کے آخری ابواب میں درج ہے۔ہم عربی تراجم مطبوعہ لندن 1821ء، 1831ء، 1844ء سے اس کو نقل کرتے ہیں۔

انجیل یوحنا باب نمبر 14 آیات 15-17 میں ہے:

''اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو، اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا فارقلیط بخشے گا، کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے، یعنی سچائی کا روح جسے دنیا حاصل نہیں کرسکتی، کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے اور

نہ جانتی ہے۔ تم اسے جانتے ہو، کیونکہ وہ تمھارے ساتھ رہتا ہے اور تمھارے اندر ہوگا۔"

(نئے تراجم میں حکموں پر عمل کرو کے آگے "گے" کا اضافہ ہے)

اسی باب کی آیت نمبر 26 میں ہے:

"لیکن فارقلیط یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمھیں سب باتیں سکھائے گا، اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمھیں یاد دلائے گا۔"

آیت نمبر 30 میں ہے:

"اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو۔"

انجیل یوحنا باب 15 آیت نمبر 26 میں ہے:

"لیکن جب وہ فارقلیط آئے گا جس کو میں تمھارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا، یعنی سچائی کا روح جو باپ کی طرف سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا، اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔"

اور باب نمبر 16 آیات 7-16 میں ہے:

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ فارقلیط تمھارے پاس نہ آئے گا، لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیج دوں گا، اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا، گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے، راست بازی کے بارے میں اس لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے، عدالت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں، مگر تم ان کی

سچائی برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا، وہ جلال ظاہر کرے گا، اس لیے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا، جو کچھ باپ کا ہے وہ سب کچھ میرا ہے، اس لیے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبریں دے گا۔" (انجیل یوحنا16:7-16)

اس باب کے شروع میں تمہید سے واضح ہے کہ اہل کتاب کو ناموں کا ترجمہ کرنے کی بھی عادت ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان بولتے تھے، انجیل یوحنا لکھنے والے نے نبی کریم ﷺ کے نام "احمدؐ" کا ترجمہ کر کے اسے یونانی میں "پیر کلی طوس" بنا دیا، اس لفظ کو عربی ترجمہ کرنے والوں نے معرّب کر کے "فارقلیط" بنا دیا اس لیے اسی بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ کے نام "احمدؐ" سے ان کی آمد کی پیش گوئی کی تھی، جیسا کہ قرآن میں سورۃ الصف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌo﴾ (الصف : 6)

"اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں مجھ سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے رسول کی میں تمہیں خوشخبری سنانے والا ہوں جن کا نام احمد ہے۔ پھر جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لائے تو یہ کہنے لگے، یہ تو کھلا جادو ہے۔"

لفظ "احمدؐ" "پیر کلی طوس بنایا گیا اس سے "فارقلیط" بنا دیا گیا۔ شروع میں اردو اناجیل میں فارقلیط لکھتے رہے لیکن موجود تراجم سے یہ لفظ غائب کر کے کبھی مددگار، کبھی وکیل، کبھی

شفیع، کبھی روح القدس، کبھی روح حق کرتے رہے۔ اردو پروٹسٹنٹ بائبل 1990ء میں ''مددگار'' اور کیتھولک اردو بائبل 1999ء میں ''وکیل'' کا لفظ موجود ہے۔ عربی تراجم میں ''معزی'' (تسلی دینے والا) کا لفظ ہے، لیکن یہ سب تحریف کی بدولت ہے۔

فارقلیط سے مراد روح القدس نہیں، حضرت محمد ﷺ ہیں۔

پہلی دلیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فارقلیط (احمدؐ) کی بشارت دینے سے پہلے فرمایا:

''اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو۔''

اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مراد یہ ہے کہ آگے بیان کردہ فارقلیط (احمدؐ) کی بشارت دی جارہی ہے حواری اسے توجہ سے سنیں اور ذہن نشین رکھیں، اور یہ جان لیں کہ آگے بیان کی جانے والی بات نہایت اہم اور ضروری ہے، اب اگر عیسائی عقیدے کے مطابق فارقلیط سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مراد وہ روح تھی جو پینٹیکست کے دن نازل ہونے والی تھی تو اس فقرہ کو کہنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ روح حواریوں پر پہلے بھی نازل ہو چکی تھی۔ اس لیے اس سے مراد وہی نبیؐ ہیں جس کی بشارت انھوں نے دی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نورِ نبوت اور تجربات کی وجہ سے یہ سمجھ لیا تھا کہ ان کی امت کے بہت سے لوگ اس نبیؐ کے ظہور کے وقت ان کی نبوت سے انکار کریں گے۔ اس لیے انھوں نے پہلے اس فقرے کے ساتھ تاکید کی اور پھر ان کی آمد کی اطلاع دی۔

دوسری دلیل

روح القدس عیسائیوں کے نزدیک باپ کے ساتھ مطلقاً متحد ہے، اور بیٹے کے ساتھ اس کی لاہوتی حیثیت سے حقیقی اتحاد رکھتی ہے۔ اس لیے اس کے حق میں ''دوسرا فارقلیط'' کہنا صادق نہیں آتا کیونکہ عیسائی عقیدے کے مطابق باپ، بیٹا اور روح القدس ایک ہیں۔ اس لیے روح القدس کو دوسرا فارقلیط نہیں کہا جاسکتا۔ اس کے برعکس جس نبی کے حق میں یہ بشارت دی جارہی ہے وہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جدا ہستی ہیں۔ اس لیے ان کے

حق میں یہ قول صادق آتا ہے۔

تیسری دلیل

وکیل ہونا یا سفارشی ہونا نبی کی خاصیتوں میں سے ہے۔ اس لیے بھی یہ لفظ روح پر صادق نہیں آ سکتا جو خدا کے ساتھ متحد ہے، لہٰذا یہ دونوں صفات روح پر صادق نہیں آتیں اور یقیناً اس نبیؐ پر جن کی بشارت دی گئی ہے صادق آتی ہیں۔

چوتھی دلیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا:

"وہ تمہیں سب باتیں سکھائے گا، اور کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔" (انجیل یوحنا 26:14)

عہد جدید سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حواری حضرت مسیح علیہ السلام کی کہی باتوں کو بھول گئے تھے جو اس روح نے ان کو یوم الدار میں نازل ہو کر یاد دلائی ہوں۔

پانچویں دلیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا:

"اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے، تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو۔" (یوحنا 30:14)

اس کلام سے واضح طور پر ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ روح نہیں ہو سکتی کیونکہ دلیل اول سے ثابت ہے کہ حواریوں کے اس روح کو نہ ماننے کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ روح حواریوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بھی نازل ہو چکی تھی۔ اور ایک عظیم الشان نبی بلاوجہ ایسی بات نہیں کر سکتے۔ اس لیے اس سے مراد وہی نبی ہیں جن کی بشارت دی گئی تھی اور اس آیت میں دوبارہ یاد دہانی کے لیے تاکید کی گئی ہے۔

چھٹی دلیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ:

''وہ میری گواہی دے گا۔'' (یوحنا 26:15)

اس روح نے کسی کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی نہیں دی، جن شاگردوں پر وہ نازل ہوئی ان کو کسی گواہی کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت اچھی طرح جانتے تھے اس لیے بھی ان کے سامنے شہادت دینا بے کار تھا۔ اور وہ لوگ جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور ان کے سامنے یہ شہادت دینے کی ضرورت تھی اس روح نے ان کے سامنے کوئی گواہی نہیں دی۔ اس کے برعکس حضرت محمد ﷺ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے ہونے اور ان کے اس الوہیت کے دعوے کرنے سے برأت کی شہادت دی۔ قرآن پاک اور احادیث میں بہت سے مقامات پر ان دونوں ماں بیٹے کی پاک دامنی اور برأت کا ذکر ہے۔

ساتویں دلیل

حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا:

''اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو۔'' (یوحنا 26:15)

اس قول سے واضح طور پر ظاہر ہے کہ حواریوں کی گواہی، فارقلیط کے علاوہ دوسری گواہی ہے، لیکن اگر اس سے مراد وہ روح لی جائے جو پنتیکست کے دن نازل ہوئی تو دونوں شہادتیں پھر الگ الگ نہ ہو سکیں گی۔ کیونکہ اس روح نے وہی شہادت دی تھی جو حواریوں نے دی تھی۔ یہ کوئی مستقل شہادت نہیں تھی اس لیے کہ یہ روحِ معبود اور معبود کے ساتھ متحد تھی اور یہ روح بائبل کے بیان کے مطابق ایک تیز آندھی کی طرح آتشیں زبانوں کی صورت میں نمودار ہوئی تھی، پھر کتاب اعمال کی تصریح کے مطابق تمام لوگوں پر مستقر ہو گئی تھی لہٰذا جن لوگوں پر یہ روح نازل ہوئی تھی ان کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسی اس شخص کی ہوتی ہے جس پر جن نازل ہو گیا ہو، جس طرح ایسی حالت میں جن کا کلام اس شخص کا کلام بن جاتا ہے اس طرح روح کی شہادت، حواریوں کی شہادت بن گئی تھی۔ لہٰذا دونوں کی شہادتیں ایک ہی بن گئیں اور ان کو الگ الگ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے خلاف حضرت محمد ﷺ کو فارقلیط مانا

جائے تو دو شہادتیں مانی جاسکتی ہیں، حواریوں کی الگ اور فارقلیط کی الگ۔

آٹھویں دلیل:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا:

”اگر میں نہ جاؤں تو وہ فارقلیط تمھارے پاس نہیں آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو تمھارے پاس بھیج دوں گا۔“

اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فارقلیط کی آمد کو اپنے جانے سے مشروط کر رہے ہیں، حالاں کہ وہ روح حواریوں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بھی نازل ہوچکی تھی جب انھوں نے اُن کو اسرائیلی شہروں کی طرف بھیجا تھا اس سے ظاہر ہے کہ فارقلیط سے مراد وہ روح ہرگز نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس کا مصداق یقیناً وہی شخص ہوسکتا ہے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان کے آسمان پر جانے سے پہلے کسی قسم کا فیض حاصل نہ کیا ہو اور اس کی آمد حضرت مسیح علیہ السلام کے جانے سے مشروط ہو۔

یہ بات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری آتی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا سے جانے کے بعد ہوا اور آپؐ کی آمد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روانگی سے اس لیے بھی مشروط تھی کہ دو مستقل شریعتوں والے پیغمبروں کا وجود ایک زمانے میں ممکن نہیں ہے، یہ صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے جب دوسرا رسول پہلے رسول کی شریعت کا تابع ہو یا دونوں کسی ایک ہی شریعت کے تابع ہوں تو اس طرح دو یا دو سے زیادہ پیغمبر بھی ایک زمانہ اور ایک مقام پر آسکتے ہوں، جیسا کہ بے شمار اسی طرح کے انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان آئے۔

نویں دلیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ:

”وہ دنیا کو ملامت کرے گا۔“

پروٹسٹنٹ اردو بائبل 1990ء مطبوعہ لاہور میں ”ملامت“ کی جگہ ”قصور وار ٹھہرائے

گا۔'' اور کیتھولک بائبل 1999ء مطبوعہ کراچی میں ''تقصیروار ٹھہرائے گا'' کے الفاظ موجود ہیں۔عربی ترجمہ 1816ء، 1825ء اور فارسی تراجم مطبوعہ 1816ء، 1828ء، اور 1841ء میں الزام کا لفظ موجود ہے، عربی ترجمہ روما عظمیٰ 1671ء میں بھی ''ملامت کرے گا'' کے الفاظ موجود ہیں۔عربی ترجمہ مطبوعہ بیروت 1860ء میں اس طرح ہے

''اور جب وہ آئے گا تو گناہ پر ملامت کرے گا۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہی درست ثابت ہوتا ہے، کیونکہ آپؐ ہی ایسے شخص ہیں جنہوں نے سارے جہاں کو للکارا اور ملامت کی، خصوصاً یہودیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانے پر شدید ملامت کی، اور آپؐ ہی کی امت سے امام مہدی رضی اللہ عنہ کا نے دجال اور اس کے ماننے والوں کے قتل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کریں گے، اس کے برعکس نازل ہونے والی روح کا ملامت کرنا کسی اصول کے تحت درست ثابت نہیں ہوتا اور اس کے نازل ہونے کے بعد بھی حواریوں کا منصب ملامت کرنے کا نہیں تھا، اس لیے کہ وہ قوم کو ترغیب اور وعظ کے ذریعے دعوت دیتے تھے۔

دسویں دلیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ:

''گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے'' (انجیل یوحنا 9:16)۔

گویا فارقلیط حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنے والوں کو ظاہر ہونے کے بعد ان پر ایمان نہ لانے کے لیے ملامت کریں گے۔یہ بات نازل ہونے والی روح پر بالکل بھی صادق نہیں آتی کیونکہ لوگوں پر ملامت کرنے کے لیے ظاہر نہیں ہوئی تھی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ظہور کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانے والے یہودیوں کو خصوصی طور پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے ملامت کی۔

گیارہویں دلیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس قول میں فرمایا کہ:

''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔''

اس جملے کی روشنی میں بھی اس روح سے مراد فارقلیط نہیں لے سکتے۔ اس لیے کہ عیسائی عقیدے کے مطابق اس نے حواریوں کو تثلیث کے عقیدے اور سارے عالم کو دعوت دینے کا حکم دیا تھا۔ ایسی شکل میں اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال میں جو آپ علیہ السلام نے عروج آسمانی سے پہلے ارشاد فرمائے کسی چیز کا اضافہ کیا؟

بلکہ اس روح نے کتابِ خروج باب 20 میں موجود بعض احکام عشرہ کے سوا تورات کے تمام احکام کو ختم کر دیا، تمام حرام چیزوں کو حلال کر ڈالا (کتابِ اعمال 29:15) ایسی صورت میں ان کے بارے میں یہ کہنا کیسے درست ہوا کہ وہ لوگ اس کی برداشت کی استطاعت نہیں رکھتے کیونکہ ان لوگوں کو تو تعظیمِ سبت (ہفتے کے دن کی تعظیم) جیسے عظیم الشان حکم کو بھی ختم کرنے کی استطاعت حاصل ہوئی۔ جو تورات کا سب سے بڑا حکم تھا اور یہودی صرف اس وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح موعود تسلیم نہیں کرتے تھے کہ وہ اس کا ان کی طرح احترام نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا ان لوگوں کے لیے تمام احکام کو ختم کر دینے کو قبول کرنا آسان تھا لیکن ایمان اور قوت کی کمزوری جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے تک رہی، احکام کی زیادتی کو قبول کرنا ان کی استطاعت سے باہر تھا، ان تمام باتوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ فارقلیط کا مصداق ایسا نبی ہو سکتا ہے جس کی شریعت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے زائد احکام ہوں گے اور ان کی پیروی کرنا کمزور ایمان والوں کے لیے مشکل ہوگا اور ایسے نبی بلاشبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

بارہویں دلیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ:

''وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا، لیکن کچھ سنے گا، وہی کہے گا۔''

(انجیل یوحنا 13:16)

اس کلام سے ظاہر ہے کہ فارقلیط ایسا شخص ہوگا جس کو بنی اسرائیل جھٹلا دیں گے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ضروری سمجھا کہ وہ اس کی سچائی کو گواہی دیں۔ اس کے برعکس نازل ہونے والی روح جو کہ عیسائی عقیدے کے مطابق عین معبود تھی۔ اس کے جھٹلائے جانے کا خدشہ نہ تھا اور جو خود ہی معبود ہے اسے کچھ کہنے کے لیے کسی سے کچھ سننے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ اس لیے یہ قول اس کے حق میں کیسے ہو سکتا ہے؟ بلاشبہ اس کا مصداق حضرت محمد ﷺ ہی ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے بحیثیت نبی جھٹلائے جانے کا بھی خدشہ تھا (جیسا کہ عموماً نبیوں کے دعوت نبوت کے بعد بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے اور ان کو جھٹلا دیتے ہیں) اور آپ خدا بھی نہیں تھے، اور آپ ﷺ ہی ایسے شخص ہیں جو بغیر وحی کے بات نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىo﴾ (النجم: 3,4)

"اور یہ اپنی خواہش سے نہیں کہتے، وہ تو صرف وحی ہے جو ان کے پاس آتی ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ﴾ (الاحقاف: 9)

"میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے۔"

تیرہویں دلیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا

"مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا۔" (انجیل یوحنا 14:16)

یہ بات بھی روح پر صادق نہیں آتی کیونکہ عیسائی عقیدے کے مطابق وہ قدیم، غیر مخلوق اور قادر مطلق ہے۔ کوئی ایسا کمال نہیں جو اس کو حاصل نہ ہو بلکہ حاصل ہونے کی توقع ہو، اس لیے ضروری ہے کہ جس کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔ اسے کمال بتدریج حاصل ہوتے ہوں۔ پہلے سے کسی بات کا علم نہ ہو بعد میں اسے کوئی علم عطا کرے اور حضرت محمد ﷺ ہی ایسی ہستی ہیں جو کہ امی تھے ان کے پاس کوئی علم نہ تھا اور انھیں بعد میں بتدریج علم ہوا لیکن چونکہ

اس بات سے یہ شبہ تھا کہ وہ نبی شریعت عیسوی کے تابع ہوگا اس لیے یہ شک دور کرنے کے لیے بعد میں یہ فرمایا

"جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے۔ اس لیے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے۔"

یعنی ان کا مطلب ہے کہ جو چیز بھی فارقلیط کو اللہ سے حاصل ہوگی وہ ایسے ہی ہے کہ مجھ سے حاصل کی۔ مشہور مقولہ ہے۔

"مَنْ كَانَ اللّٰهُ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ ."

"جو اللہ کا ہوگیا اللہ اس کا ہوگیا۔"

چودہویں دلیل

کتاب الاعمال میں جہاں روح القدس کے نزول کا واقعہ ہے اس میں لکھا ہے کہ جب لوگوں کو روح القدس آتشین زبانوں کی شکل میں نظر آئی تو وہ بہت حیران ہوئے تو پطرس نے ان کو بتایا کہ یہ روح القدس ہے جو تم پر برکت نازل کرنے کے لیے آئی ہے، اگر وہ روح فارقلیط ہی تھی تو حواری پطرس کو بتانا چاہیے تھا کہ یہ وہی فارقلیط ہے جس کے بارے میں حضرت مسیح علیہ السلام بتا کر گئے ہیں اس لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن انھوں نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ روح فارقلیط نہیں تھی۔

انجیل برناباس سے بشارت کی مثال

انجیل برناباس کو عیسائی مذہب کے لوگ نہیں مانتے اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہ کسی مسلمان کی لکھی ہوئی انجیل ہے لیکن درحقیقت یہ انجیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے لکھی گئی اس کا ذکر دوسری، تیسری صدی کی کتابوں میں بھی ملتا ہے اور اکسیہو مو کے حوالے سے گمشدہ کتابوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ امریکانا ص262 ج3 کے مقالہ برنباس میں بھی اس کا اعتراف کیا گیا ہے۔ پانچویں صدی میں پوپ جیلاشس اول نے اپنے فرمان جو فرمان جیلاشس کے نام سے مشہور ہے، اس میں جن کتابوں کو پڑھنا ممنوع قرار دیا تھا ان میں سے

ایک انجیل برناباس بھی تھی (انسائیکلوپیڈیا امریکانا ص262 ج3 مقالہ برناباس، چیمبرس انسائیکلو پیڈیا ص 197 ج6 مقالہ جیلاشس اور مقدمہ انجیل برناباس از ڈاکٹر خلیل سعادت مسیحی)۔
پادری سیل نے اپنے ترجمہ قرآن مجید کے مقدمہ میں انجیل برناباس سے ایک بشارت محمدیؐ یوں نقل کی ہے۔

''اے برنابا! تو جان لے کہ گناہ کتنا ہی چھوٹا ہو اللہ اس پر سزا دیتا ہے، اس لیے کہ اللہ گناہ سے راضی نہیں ہے اور جب میری ماں اور میرے شاگردوں نے دنیا کی خاطر مجھ سے محبت کی تو اللہ اس بات پر ناراض ہوا اور اپنے انصاف کے تقاضہ سے اس نے ارادہ کیا کہ ان کو اس دنیا میں ناراست عقیدہ پر سزا دے تاکہ انھیں عذاب جہنم سے نجات ملے اور انھیں وہاں تکلیف نہ ہو اور اگرچہ میں بے قصور ہوں، لیکن جب لوگوں نے میرے بارے میں یہ کہا کہ یہ اللہ ہے اور اللہ کا بیٹا ہے تو اللہ نے اس بات کو برا سمجھا اور اس نے ارادہ کیا کہ قیامت کے دن شیطان مجھ پر نہ ہنسیں اور میرا ٹھٹھا نہ کریں، لہٰذا اس نے اچھا سمجھا کہ ہنسی اور ٹھٹھا یہوداہ کی موت کی وجہ سے دنیا میں ہو جائے، اور لوگوں کو یہ گمان ہو کہ مجھے سولی دی گئی ہے، لیکن یہ اہانت اور تمسخر باقی رہے گا، یہاں تک کہ محمد رسول اللہ آجائیں، جب وہ آجائیں گے تو ہر مومن کو اس غلطی پر متنبہ کریں گے، اور یہ شبہ لوگوں کے دل سے نکل جائے گا۔''

جارج سیل کے پاس انجیل برناباس کا ہسپانوی نسخہ تھا۔ اس نے یہ عبارت غالباً اس سے نقل کی ہے۔ برناباس انجیل کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ ارشاد اس وقت منقول ہے جب آپ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کے بعد حضرت مریم علیہا السلام اور حواریوں کی درخواست پر دنیا میں بھیجا گیا تھا، اور حواریوں کے سوال پر کہ سولی کا اصل واقعہ کیا تھا؟ کا مندرجہ بالا الفاظ میں جواب دیا تھا۔ یہ بلاشبہ ایک عظیم الشان بشارت ہے اور اب عیسائی حضرات اسے محض اس لیے غیر معتبر مانتے ہیں کہ ان کے علمائے سلف کی مجالس نے اس کو رد کر دیا تھا لیکن اس

انجیل میں حضورؐ کی آمد کا ان کے نام کے ساتھ ذکر ہے۔

اس کے علاوہ فاضل حیدر علی قریشی اپنی کتاب مسمیٰ بہ سیف المسلمین بزبان اردو صفحہ 63،64 میں لکھتے ہیں

''پادری ارشگان ارمنی نے کتاب یسعیاہ کا ترجمہ ارمنی زبان میں 1666ء میں کیا تھا جو 1733ء میں مطبع انٹونی پورٹوبی میں چھپا ہے۔ اس ترجمہ کے باب 42 میں یہ فقرہ موجود ہے کہ خدا کی پاکی بیان کرو۔ نئے سرے سے اس کی بادشاہت کا اثر اس کی پشت پر ظاہر ہوا، اس کا نام احمد ہے، یہ ترجمہ ارمینیوں کے پاس اب بھی موجود ہے، اس میں آپ لوگ دیکھ سکتے ہیں۔''

اس سے بھی یہ بات ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی آمد کا نام کے ساتھ کتاب مقدس میں تذکرہ موجود تھا جسے تبدیل کر دیا گیا چاہے اب عیسائی علماء اسے تسلیم نہ کریں۔ لیکن قرن اول کے جو علماء یہود و نصاریٰ میں سے مسلمان ہوئے انھوں نے دونوں عہد کی کتابوں میں محمدیؐ بشارتوں کی تصدیق کی ہے۔

اہلِ کتاب کی حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کے چند واقعات مندرجہ ذیل ھیں علمائے یہود میں سے عبداللہ بن سلام، شعبہ کے دونوں کے بیٹے، بنیامین، مخریق، کعب احبار وغیرہ، علمائے نصاریٰ میں سے بحیرا اور نسطورا، جارود، نجاشی۔ صفاطر یعنی وہ رومی بشپ جو حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لایا تھا۔ سوس اور وہ پادری جو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ میں حاضر ہوئے۔ اس کے علاوہ آپؐ کی نبوت کا اعتراف ہرقل قیصر روم، مقوقس شاہ مصر، ابن صوریا، حسی بن اخطب، ابو یاسر بن اخطب جیسے سلاطین و امراء نے کیا۔ اگرچہ یہ لوگ بہت ہی بدبختی اور نہایت ہی حسد کا شکار ہو کر اسلام کی نعمت سے محروم رہے۔

1۔ بحیرا راہب کا حضرت محمدؐ کی تصدیق کا واقعہ

حضور ﷺ بچپن میں اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ ملک شام کے سفر پر نکلے اور بصریٰ پہنچے۔ بصریٰ شام کا ایک مقام اور حوران کا مرکزی شہر ہے۔ اس وقت یہ رومی

مقبوضات کا دارالحکومت تھا اس شہر میں جرجیس نامی ایک راہب رہتا تھا جو بُحیرا کے لقب سے مشہور تھا۔ جب قافلے نے وہاں پڑاؤ ڈالا تو یہ راہب اپنے گرجے سے نکل کر قافلے کے اندر آیا اور اس کی میزبانی کی حالانکہ وہ اس سے پہلے کبھی نہیں نکلتا تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو آپؐ کے اوصاف کی بناء پر پہچان لیا اور آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر کہا یہ سید العالمین ہیں اللہ انھیں رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجے گا۔ ابوطالب نے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا

"جب تم لوگ گھاٹی کے اس جانب نمودار ہوئے تو کوئی بھی درخت یا پتھر ایسا نہیں تھا جو سجدہ کے لیے نہ جھک گیا ہو اور یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور انسان کو سجدہ نہیں کرتیں۔ پھر میں انھیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے کری (نرم ہڈی) کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم انھیں اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں۔"

اس کے بعد بُحیرا راہب نے کہا کہ انھیں واپس کر دو ملک شام نہ لے جاؤ کیونکہ یہود سے خطرہ ہے۔ (مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری: الرحیق المختوم ص 89)

2۔ ورقہ بن نوفل کا حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کا واقعہ

جب آپ ﷺ پر پہلی دفعہ وحی آئی تو آپؐ سخت خوفزدہ ہو گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس آئیں جو دور جہالت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی بھی لکھنا جانتے تھے چنانچہ حسب توفیقِ الٰہی انجیل لکھتے تھے، اس وقت وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے، ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا بھائی جان اپنے بھتیجے کی بات سنیں، ورقہ نے پوچھا بھتیجے کیا دیکھتے ہو؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرما دیا اس پر ورقہ نے آپؐ سے کہا یہ تو وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ کاش میں آپؐ کے زمانہ نبوت میں توانا ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپؐ کی قوم آپؐ کو نکال دے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تو کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا جب بھی کوئی

آدمی اس طرح کا پیغام لایا جیسا آپؐ لائے ہیں تو اس سے ضرور دشمنی کی گئی اور اگر مجھے آپؐ کا زمانہ نصیب ہوا تو میں آپؐ کی بھرپور مدد کروں گا، اس کے بعد ورقہ جلد ہی فوت ہو گئے۔
(صحیح بخاری حدیث نمبر 3)

3۔ نجاشی۔ شاہ حبشہ کا نبی کریم ﷺ کی تصدیق کا واقعہ

جب مسلمانوں نے قریش کے ظلم وستم کی وجہ سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی تو نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب کو بلایا اور ان کو قرآن مجید سنانے کا حکم دیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۃ مریم پڑھ کر سنائی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت اور ان کی عبدیت و رسالت کا ذکر ہے، اس کو سن کر نجاشی نے اس بات کی تصدیق کی اور مسلمان ہو گیا۔ (فتح القدیر، الرحیق المختوم ص 137)

4۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے انھوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے چند سوالات کرنے کے بعد ان کی تصدیق کی اور اسلام قبول کیا۔ حضرت محمد ﷺ نے یہودیوں کو بلایا تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ ابھی ان کو میرے اسلام قبول کرنے کا مت بتایئے گا۔ جب یہودیوں کے آنے پر نبی کریم ﷺ نے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور انھوں نے انکار کیا تو نبی کریم ﷺ نے ان سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا، انھوں نے عبداللہ بن سلام کے عالم ہونے کی تصدیق کی اور ان کے اور ان کے خاندان کے بارے میں تعریف کی۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اگر عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسلام قبول کر لیں تو کیا تم اسلام قبول کر لو گے۔ انھوں نے کہا کہ یہ ناممکن ہے، اس پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے آ کر اپنے ایمان لانے کی تصدیق کی تو یہودیوں نے ان کو اور ان کے خاندان کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ (صحیح بخاری حدیث 3329 کا مختصر مفہوم، سیرت صحابہ کے درخشاں پہلو سے ماخوذ از محمود احمد غضنفر)

5۔ (شاہ روم) ہرقل کے نبی کریم ﷺ کی تصدیق کا واقعہ

صحیح بخاری میں حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کا بیان حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔اس طویل حدیث کے مفہوم کے مطابق ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے پہلے ہرقل (شاہ روم) نے ان کو قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بلوایا اور ان سے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی سے متعلق مختلف سوالات کیے اور ان سوالات کے بعد اس نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی لیکن وہ اپنی قوم کے سرداروں اور بغاوت کے ڈر سے ایمان نہیں لایا۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر 7 مختصر مفہوم)

6۔ عیسائی قوم کا نبی کریم ﷺ سے مباہلہ سے انکار

9ہجری میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا یہ 60 افراد پر مشتمل تھا اور اس کے تین سربراہ تھے جن کے نام یہ ہیں عاقب، سید، ابوحارثہ بن علقمہ۔ یہ لوگ نبی کریم ﷺ سے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں بحث ومناظرہ کرنے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران کی آیات 33-60 نازل فرمائیں جن میں حضرت مریم علیہا السلام کے حالات اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کا بیان ہے، ان آیات کے بیان کرنے کے بعد بھی جب وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے غلط عقائد سے ہٹنے کے لیے تیار نہ ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۝﴾ (آل عمران: 61)

''اس لیے جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آجانے کے بعد بھی آپ ؐ سے اس میں جھگڑے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں، تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ۔ پھر دونوں فریق (اللہ سے) دعا والتجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔''

یہ آیت ''مباہلہ'' کہلاتی ہے جس کے معنی ہیں دو فریقین کا ایک دوسرے پر لعنت یعنی بد دعا کرنا۔ دونوں فریقوں میں کسی معاملے میں حق و باطل ہونے پر اختلاف ہو جو کہ دلائل سے ختم نہ ہوتا ہو تو دونوں یہ دعا کرتے ہیں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر اللہ لعنت کرے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو بلالیا اور عیسائیوں کو کہا تم بھی اپنے اہل و عیال کو بلالو تو ان کے سردار عاقب نے وفد کو مخاطب کر کے کہا، اے عیسائیوں کی جماعت تمہیں خوب علم ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور نبی ہیں اور انھوں نے تمھارے نبی کے متعلق خوب تفصیلی باتیں بتائی ہیں۔ تمہیں یہ بھی اچھی طرح علم ہے کہ جس قوم نے بھی کسی نبی سے مباہلہ کیا ہے وہ نیست و نابود ہوگئی ہے، لہٰذا اگر تم بھی مباہلہ کروگے تو تباہ و برباد ہو جاؤ گے اس لیے اگر تم اپنے ہی دین و عقائد پر قائم رہنا چاہتے ہو تو رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر واپس لوٹ جاؤ، انھوں نے اپنے سردار کی بات مان لی اور مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور رسول ﷺ سے اجازت لی کہ وہ جزیہ دے کر اپنے دین پر قائم رہنا چاہتے ہیں اور واپس اپنے وطن کو لوٹ گئے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ نے ان سے جزیہ کی وصولی پر مقرر کیا۔ (تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورۃ آل عمران و فتح القدیر)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو عیسائیت کے پیروکار خدا کا بیٹا اور خدا کی بادشاہی میں شریک قرار دیتے ہیں اسلام میں ان کی حیثیت اللہ کے بندے اور رسول کی ہے۔

قرآن کے بیان کے مطابق:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ (آل عمران : 59)

''اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال بالکل آدم جیسی ہے جسے مٹی سے بنا کر کہہ دیا (کن) ''ہوجا'' پس وہ ہوگیا۔''

یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی اس کے قادر مطلق ہونے کا اظہار ہے۔ وہ کوئی کام کرنے کے لیے کسی قسم کے سہاروں کا محتاج نہیں۔ اسی نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا جن کی پیدائش میں نہ کسی مرد کا حصہ تھا، نہ کسی عورت کا۔ اس نے حضرت حوا علیہا السلام کو بغیر کسی عورت کے صرف حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا تو جو پاک ذات اس بات پر قادر ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر کسی مرد وعورت کے اور ایک عورت کو صرف ایک مرد سے پیدا کر دے وہ یقیناً اس بات پر بھی ہر طرح سے قادر ہے کہ وہ بغیر کسی مرد کے صرف ایک عورت یعنی حضرت مریم علیہا السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمادے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش کے واقعات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے زیادہ عجیب ہیں۔ تو جس طرح وہ دونوں خلاف عادت معجزانہ طور پر پیدا ہونے باوجود اللہ کے بندے ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی خلاف عادت معجزانہ طریقے سے پیدا ہونے کی وجہ سے اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں بن گئے بلکہ ان دونوں کی طرح وہ بھی اللہ کے

بندے ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان سورۃ آل عمران میں ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝﴾

(آل عمران : 33تا37)

''بے شک اللہ نے آدم اور نوح اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا۔ان میں سے بعض ،بعض کی اولاد تھے۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ جب عمران کی بیوی نے کہا۔ اے میرے رب ! جو کچھ میرے پیٹ میں ہے اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی ،تو اسے میری طرف قبول فرما، بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو کہنے لگیں کہ پروردگار مجھے تو لڑکی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں۔ میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین پرورش دی اور زکریا کو اس کا کفیل بنایا۔زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں اس کے پاس جاتے تو

اس کے پاس رزق پاتے، تو انھوں نے پوچھا کہ مریم تمھارے پاس یہ کھانا کہاں سے آتا ہے؟ وہ بولیں اللہ کی طرف سے (آتا ہے) بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام اوران کی اولاد میں سے پابند شریعت اور اطاعت گزار لوگوں کو منتخب فرما کر انھیں تمام جہان والوں پر فضیلت عطا فرمائی ان میں حضرت نوح علیہ السلام بھی تھے اور ان میں سے آل ابراہیم کو خاص شرف حاصل ہے جس میں آل اسماعیل علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد آل ابراہیم کے ایک پاکباز گھرانے کا ذکر کیا جو حضرت عمران کا گھرانا ہے، جو کہ حضرت مریم علیہ السلام کے والد محترم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا اور قوم کے سردار تھے۔ حضرت مریم علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے ان کی پیدائش سے پہلے اس بات کی منت مانی تھی کہ ان کی جو اولاد پیدا ہوگی اسے دنیا کے کاموں میں نہیں لگائیں گی بلکہ اسے اللہ کی عبادت گاہ کی خدمت کے لیے وقف کردیں گی۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہے

﴿إِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝﴾ (آل عمران: 35)

''جب عمران کی بیوی نے نذر مانی کہ اے میرے رب جو کچھ میرے پیٹ میں ہے، اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی، تو میری طرف سے اسے قبول فرما، بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

اس نذر کو ماننے سے پہلے ان کے دل میں خیال تھا کہ لڑکا پیدا ہوگا تو وہ اسے عبادت گاہ کی خدمت کے لیے وقف کردیں گی لیکن ان کی امید کے برعکس حضرت مریم علیہ السلام پیدا ہوئیں تو ان کو افسوس ہوا کیونکہ ان کے خیال میں اگر مرد ہوتا تو وہ عبادت گاہ کی زیادہ بہتر خدمت کرسکتا تھا اس لیے:

﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

وَضَعَتْ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى﴾ (آل عمران : 36)

''جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو کہنے لگیں کہ پروردگار مجھے تو لڑکی ہوئی، اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ کیا اولاد ہوئی، اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔''

ان کا خیال تھا لڑکی پیدا ہونے کی وجہ سے وہ مسجد کی خدمت نہیں کر سکے گی اور میری نذر پوری نہیں ہوگی پھر انھوں نے کہا:

﴿وَ اِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ اِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾

''اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا بھی پوری فرمائی اور ان کی نذر بھی قبول فرمائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' ہر بچے کو پیدائش کے وقت شیطان چھوتا ہے جس کی وجہ سے وہ چیخنے لگتا ہے سوائے حضرت مریم علیہا السلام اور ان کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام کے)۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر، صحیح مسلم کتاب الفضائل، مسند احمد 2/275)

اللہ تعالیٰ نے ان کی نذر قبول فرما کر حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کا کفیل بنایا۔

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾

''پس اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا اور اسے بہترین پرورش دی اور زکریا علیہ السلام کو اس کا کفیل بنایا۔''

روایات کے مطابق حضرت مریم علیہا السلام کے والد ان کی پیدائش سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام چونکہ حضرت مریم علیہا السلام کے خالو بھی تھے اور پیغمبر بھی تھے اس لیے وہ حضرت مریم علیہا السلام کی بہترین علمی و اخلاقی تربیت کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کی مادی ضروریات بھی پوری کر سکتے تھے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کی کفالت و پرورش کا ذمہ دار بنایا تاکہ ان کی ہر طرح سے بہترین پرورش ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے حضرت مریم علیہا السلام کو ان کے زمانے کی تمام عورتوں سے بلند مقام عطا کرنے کی خوشخبری دی۔ احادیث نبویؐ سے بھی حضرت مریم علیہا السلام کا بلند مقام ثابت ہے۔ (صحیح بخاری 6285-6286، صحیح مسلم 2450، مسند احمد 386/2)

فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو اللہ کی منتخب بندی ہونے کی خوشخبری دی اور اس بات کی بھی خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بیٹا بھی عطا فرمائیں گے جو انتہائی پاکباز، معزز اور محترم نبی ہوگا، جسے معجزات دیئے جائیں گے حضرت مریم علیہا السلام کو اس بات پر بہت حیرانگی ہوئی کیونکہ وہ شادی شدہ بھی نہ تھیں اور نہ ہی بدکردار تھیں۔ فرشتے نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، وہ جب کوئی کام کرنے کا فیصلہ کرلے تو اس کا کن کہنا کافی ہوتا ہے۔ اور وہ کسی کام کے لیے بھی ظاہری سہارے کا محتاج نہیں۔ (خلاصہ سورۃ آل عمران 42-51)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو سورۃ مریم میں تفصیل سے بیان فرما دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِیًّاo فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّاo قَالَتْ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّاo قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّاo قَالَتْ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِیًّاo قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَ لِنَجْعَلَهٗۤ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّاo فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِیًّاo فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّاo فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّاo وَ هُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّاo فَكُلِیْ وَ اشْرَبِیْ وَ قَرِّیْ عَیْنًا فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِیْۤ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ

الْيَوْمَ اِنْسِيًّا o فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا
فَرِيًّا o يٰاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ
بَغِيًّا o فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا o
قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا o وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ
مَا كُنْتُ وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا o وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِيْ
وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا o وَ السَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَ يَوْمَ اَمُوْتُ
وَ يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا o ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ
يَمْتَرُوْنَ o مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا
يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ o وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ
مُّسْتَقِيْمٌ o فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ o﴾ (مریم: 16تا37)

”اور کتاب (قرآن) میں مریم کا بھی ذکر کرو جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرق کی طرف چلی گئیں تو انھوں نے ان کی طرف سے پردہ کر لیا۔ ہم نے ان کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا تو وہ ان کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ وہ بولیں میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تم پرہیز گار ہو تو۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں۔ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا عطا کرنے آیا ہوں۔ وہ کہنے لگیں بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہوسکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان کا ہاتھ تک نہیں لگا اور نہ میں بدکار ہوں۔ اس نے کہا بات تو یہی ہے، لیکن تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے، ہم تو اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیں گے اور اپنی خاص رحمت، یہ تو ایک طے شدہ بات ہے۔ پس وہ حمل سے ہوگئیں اور اسی وجہ سے وہ یک سو ہو کر ایک دور جگہ چلی گئیں۔ پھر دردِ زہ انھیں کھجور کے تنے کے نیچے لے آیا۔ وہ بولیں کاش! میں اس سے پہلے

مر گئی ہوتی اور لوگوں کی یاد سے بھی بھولی بسری ہو جاتی۔ اتنے میں اسے نیچے ہی سے آواز دی کہ غمناک نہ ہو، تیرے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔ اور اس کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، یہ تیرے سامنے تر و تازہ پکی کھجوریں گرا دے گا۔ اب چین سے کھا پی اور آنکھیں ٹھنڈی رکھ۔ اگر تجھے کوئی انسان نظر آ جائے تو کہہ دینا کہ میں نے (اللہ) رحمٰن کے نام کا روزہ مان رکھا ہے، میں آج کسی شخص سے بات نہیں کروں گی۔ اب عیسیٰ کو لیے ہوئے وہ اپنی قوم کے پاس آئیں۔ سب کہنے لگے مریم تو نے بڑی بری حرکت کی۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی۔ مریم نے اپنے گود کے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ سب کہنے لگے کہ لو ہم بھلا گود کے بچے سے کیسے بات کریں؟ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے۔ اس نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں بھی میں ہوں، اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک بھی میں زندہ رہوں اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے اور مجھے بدبخت و سرکش نہیں کیا۔ اور مجھ پر میری پیدائش کے دن اور میری موت کے دن اور جس دن میں دوبارہ کھڑا کیا جاؤں گا سلام ہی سلام ہے۔ یہ ہے صحیح واقع عیسیٰ بن مریمؑ کا، یہی ہے وہ حق بات جس میں لوگ شک و شبہ میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا ہونا لائق نہیں ہے۔ وہ تو بالکل پاک ذات ہے، وہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔ میرا اور تم سب کا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم سب اس کی عبادت کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔ پھر یہ فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے، پس کافروں کے لیے ''ویل'' ہے ایک بڑے دن کی حاضری سے۔''

حضرت مریم علیہا السلام سارا وقت بیت المقدس میں عبادت کرتے ہوئے گزارتی تھیں اور

سوائے ضروری کام کے بیت المقدس سے باہر نہیں آتی تھیں۔ ایک دن وہ کسی ضروری کام کے لیے بیت المقدس سے نکل کر باہر آئیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا جوان کے سامنے آدمی بن کر ظاہر ہوئے تو وہ انسان سمجھ کر ان سے ڈر گئیں کہ یہ شخص جو اس طرح اندر آ گیا ہے کسی بری نیت سے نہ آیا ہو اور انھوں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے کہا:

﴿اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ (مریم: 18)

''میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو پرہیز گار ہے۔''

انھوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو بتایا کہ وہ انسان نہیں بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ خوشخبری دینے کو بھیجا ہے کہ آپ کو ایک پاکیزہ بیٹا ملنے والا ہے اس بات پر وہ بہت زیادہ حیران ہوئیں اور انھوں نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا

﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾

(مریم: 20)

''بھلا میرے ہاں بچہ کیسے ہوسکتا ہے؟ مجھے تو کسی انسان کا ہاتھ نہیں لگا اور نہ میں بدکار ہوں۔''

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا آپ کی بات تو ٹھیک ہے کہ آپ کو کسی انسان (مرد) نے ہاتھ نہیں لگایا لیکن آپ کے رب کا ارشاد ہے کہ یہ اس پر بہت ہی آسان ہے، یعنی جب اللہ نے کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو اس کے لیے اس کو کسی چیز کا سہارا نہیں چاہیے ہوتا۔ کوئی ظاہری سبب اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ وہ مالک کل ہر شے پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی قدرت کا ایک نشان بنانا ہے۔ جو رب حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ، اور حضرت حوا علیہا السلام کو صرف مرد سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ بغیر کسی مرد کے انسان کو صرف عورت سے پیدا کرے۔ یہ اُس کی شان ہے کہ وہ چاروں طریقوں سے پیدا کرنے پر قادر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَ

﴿لِنَجۡعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ﴾ ''ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشان بنادیں گے۔'' ﴿وَ رَحۡمَةً مِّنَّا﴾ '' اور اپنی خاص رحمت'' ﴿وَ كَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِيًّا﴾ ''یہ ایک طے شدہ بات ہے۔''

یعنی یہ بات طے شدہ ہے کہ اللہ نے انھیں اپنی قدرت کا نشان بنایا ہے اور انھیں نبوت کے لیے خاص کردیا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلائیں گے۔

﴿فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ○ فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ﴾

''پس وہ حمل سے ہوگئیں اور اسی وجہ سے یکسو ہوکر ایک دور کی جگہ چلی گئیں۔ پھر دردِ زہ انھیں ایک کھجور کے تنے کے نیچے لے آیا۔''

حضرت مریم علیہا السلام کے امید سے ہونے کی خبر ہر جگہ پھیل گئی جس سے آپ کو اور آپ کے خاندان کو بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض بدکردار لوگوں نے آپ کو یوسف نجار کے ساتھ متہم کردیا، وہ بھی ایک نیک آدمی تھا جو بیت المقدس میں عبادت میں مشغول تھا۔ حضرت مریم علیہا السلام کے لیے یہ وقت بہت زیادہ پریشانی کا تھا۔ آپ ان سب سے الگ ہوکر ایک دور دراز مقام پر تشریف لے گئیں۔ ان کی پریشانی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے کہا

﴿يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا﴾

''کاش! میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور لوگوں کی یاد سے بھی بھولی بسری ہوجاتی۔''

انہوں نے موت کی خواہش اس ڈر سے کی کہ میں بچے کے مسئلے پر لوگوں کو کس طرح مطمئن کروں گی جبکہ کوئی میری بات پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں ہوگا اور اس کی بات کی تصدیق بھی نہ ہوسکے گی۔ حضرت مریم علیہا السلام ایک مقدس گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں اور وہ خود بھی عابدہ و زاہدہ کے طور پر مشہور تھیں ان کو اس بات کی پریشانی تھی کہ لوگ ان کو بدکار سمجھیں گے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے ان کو آواز دی

﴿اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا﴾

"غم نہ کر تیرے رب نے تیرے پاؤں کے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔"

ان الفاظ سے حضرت مریم علیہا السلام کی پریشانی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اناجیل حضرت مریم علیہا السلام کا شوہر یوسف نجار کو قرار دیتی ہیں۔ اگر حضرت مریم علیہا السلام شادی شدہ ہوتیں تو انھیں بدنامی کی اس طرح فکر نہ ہوتی۔ "غم نہ کر" کے الفاظ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ وہ شادی شدہ نہیں تھیں کیونکہ شادی شدہ لڑکی کو اولاد کی پیدائش کے وقت کتنی ہی تکلیف ہو لیکن اس کی پیدائش کا غم نہیں ہوتا۔

﴿وَهُزِّیْۤ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْكِ رُطَبًا جَنِیًّا﴾

"اور اس کھجور کے تنے کو ہلا یہ تیرے سامنے تر و تازہ پکی کھجوریں گرا دے گا۔"

حضرت مریم علیہا السلام حمل کی وجہ سے بیت المقدس اور آبادی سے بہت دور چلی گئیں تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے خصوصی طور پر یہ احسان کیا کہ ان کے پاؤں کے نیچے ہی چشمہ جاری کر دیا اور جس کھجور کے تنے کے نیچے وہ موجود تھیں اس پر ہی تر و تازہ کھجوریں ان کے لیے مہیا کر دیں۔ پھر ان سے کہا گیا کہ چین سے کھائیں پئیں اور اگر ان کو کوئی انسان نظر آ جائے تو اشارے سے کہہ دیں

﴿اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا﴾

"میں نے اللہ رحمٰن کے نام کا روزہ رکھا ہے کہ میں آج کسی سے بات نہیں کروں گی۔"

بنی اسرائیل کی شریعت میں چپ کا روزہ رکھنا جائز تھا جو ہماری شریعت میں منع ہے

(سنن ابی داود، حدیث 3300، مسند احمد 4/168)

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہ ان کو لے کر واپس اپنی قوم کی طرف آئیں، تو جس بات کا نہیں پہلے سے ڈر تھا وہی ہوئی۔ یعنی قوم کے لوگوں نے ان کو برے کردار کا سمجھا اور ان کو ملامت کرنے لگے۔

﴿یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ۝ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ

سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾

''مریم تو نے بڑی بری حرکت کی ۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا نہ تیری ماں بدکار تھی۔''

ایک ایسی بندی جو اپنی پیدائش سے پہلے ہی بیت المقدس کی خدمت وعبادت کے لیے وقف کردی گئی ہو اور جو اپنی جوانی میں سارا وقت صرف عبادت ہی میں گزارتی ہو ان کا اس طرح بچہ لے کر آنا قوم کے نزدیک کوئی چھوٹی بات نہیں تھی اور نہ صرف یہ بلکہ ان کا گھرانا بھی مقدس ترین تھا اس لئے ان کی قوم نے ان کو کہا کہ اے ہارون کی بہن تیرے ماں باپ برے کردار کے نہیں تھے۔ قوم کا کوئی بندہ ان کے خاندان کے بارے میں کوئی غلط بات سوچنے یا ان کے خاندان میں سے کسی بھی فرد سے کسی قسم کی غلط حرکت کی توقع بھی نہیں کرسکتا تھا۔ ''ہارون کی بہن'' کہنے سے مراد یہ نہیں کہ وہ پیغمبر حضرت ہارون علیہ السلام کی بہن تھیں، بلکہ ان کے بھائی کا نام بھی ہارون تھا کیونکہ بنی اسرائیل میں انبیاء اور نیک لوگوں کے نام پر نام رکھنے کا رواج تھا (سنن ابی داوٗد حدیث 3300، مسند احمد 168/4)۔ یہ بات اناجیل سے بھی ثابت ہے، ان میں مریم نامی کافی خواتین کا ذکر ہے۔ اس طرح کی صورتحال حضرت مریم علیہا السلام کے لیے کافی پریشانی کا سبب تھی انھوں نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھ لو یہ خود ہی بتائے گا۔ قوم کے لیے ابھی تک یہ بات ماننا ناممکن تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے معجزے کے پیدا ہوئے ہیں اس لیے ان کو یہ یقین بھی نہیں تھا کہ بچہ خود بول کر سب کچھ بتائے گا کیونکہ یہ بات خلاف فطرت ہے۔ جیسا کہ انھوں نے کہا:

﴿كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾

''لو بھلا ہم گود کے بچے سے کیسے بات کریں؟''

قوم کے لوگ ابھی اس بات پر بحث کر ہی رہے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام معجزانہ طور پر حضرت مریم علیہا السلام کی گود میں بول اٹھے:

﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّاO وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّاO وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّاO وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّاO﴾ (مریم: ۳۰ تا ۳۳)

''میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا پیغمبر بنایا ہے۔ اور اس نے مجھے بابرکت کیا ہے میں جہاں بھی ہوں، اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں اور اس نے مجھے نماز اپنی والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے اور مجھے سرکش و بدبخت نہیں کیا، اور مجھ پر میری پیدائش کے دن اور میری موت کے دن اور جس دن میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا سلام ہی سلام ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں آتے ہی جو پہلی بات اپنی قوم سے کی اس میں انھوں نے اپنے آپ کو ''اللہ کا بندہ'' قرار دیا اس بات سے عقیدہ تثلیث کی تردید ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ خدا ہیں۔ آپ علیہ السلام نے خود کو اللہ کا بیٹا اور اللہ کا شریک کہیں بھی نہیں کہا، اس کے بعد آپ علیہ السلام نے اس الزام (بات) کی تردید کی جو آپ علیہ السلام کی والدہ پر لگایا جا رہا تھا۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو پیغمبر بنایا ہے اور آپ علیہ السلام کو کتاب یعنی انجیل عطا فرمائی ہے اور نبوت کا اعلیٰ ترین شرف ناجائز اور غیر شرعی طریقے سے پیدا ہونے والی اولاد کو نہیں حاصل ہو سکتا۔ نماز اور زکوٰۃ کے حکم سے بھی عقیدہ تثلیث کی تردید ہوتی ہے کیونکہ کوئی معبود دوسرے معبود کے لیے نماز نہیں پڑھ سکتا اور نہ ہی دوسرے معبود کے لیے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ یہ دونوں کام جس کے لیے کیے جا رہے ہیں وہی یقیناً ان عبادات کو ادا کرنے والے کا معبود ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نماز پڑھنا اور اپنے شاگردوں کو نماز پڑھنے کی تعلیم دینا اناجیل سے بھی ثابت ہے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس نے مجھے میری والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے۔ اس سے بھی یہی بات

ثابت ہوتی ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام شادی شدہ نہ تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کوئی نہ تھا اس لیے انھوں نے صرف والدہ ہی کا ذکر کیا۔ اسی وجہ سے قرآن میں ہر جگہ عیسیٰ بن مریم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔اس کے بعد کی آیات سے عقیدہ کفارہ کی تردید ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بدبخت نہیں بنایا اور عیسائی حضرات بدبخت تو ایک طرف، ان کی شان میں انتہائی گھٹیا اور مکروہ لفظ استعمال کرتے ہیں یعنی ان کو (معاذاللہ) ''لعنتی'' قرار دیتے ہیں (گلتیوں کے نام) اور صرف اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ آپ علیہ السلام کو شراب ساز (انجیل یوحنا 2:1-12)، شرابی اور گناہگاروں کا یار قرار دیتے ہیں (انجیل لوقا 33:7، انجیل متی 19:11)۔ اس کے برعکس قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اس طرح بیان کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اولین خطاب میں فرمایا:

''اور مجھ پر میری پیدائش کے دن اور موت کے دن اور جس دن میں دوبارہ کھڑا کیا جاؤں گا سلام ہی سلام ہے۔''

اسلامی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے جبکہ مروجہ عیسائی عقیدے کے مطابق ان کی موت صلیب پر ہوئی تھی جس کی وجہ سے لوگوں نے ان کو لعنتی قرار دے دیا۔اس کے برعکس اسلامی عقیدے کے مطابق اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے بیان کے مطابق ان کی پیدائش کے دن کے علاوہ ان کی موت کے دن بھی ان پر سلام ہے لعنت نہیں ہے۔اس پورے واقعے کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ﴾

(مریم: ۳٤)

''یہ ہے عیسیٰ بن مریم، اور یہ ہے وہ حق بات جس میں لوگ شک وشبہ میں مبتلا ہیں۔''

عقیدہ تثلیث کی تردید

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ صرف اتنا ہی ہے جتنا قرآن نے بیان فرمادیا ہے۔اس سے

زیادہ ان کے بارے میں کچھ کہنا، ان کو خدا، خدا کا بیٹا یا خدا کی بادشاہی میں شریک قرار دینا اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب اور عذاب کو دعوت دینے والی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ (المائدہ: ۷۳)

''وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنھوں نے کہا اللہ تین میں کا تیسرا ہے، دراصل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر رہیں گے، انھیں دردناک عذاب ضرور پہنچے گا۔''

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت زیادہ مہربان اور رحم کرنے والا ہے اور وہ اپنے بندوں کو عذاب دینا پسند نہیں کرتا۔ اسی لیے اس نے ہمیں پہلے ہی یہ بتا دیا کہ اس کے نزدیک تین کو خدا ماننا، یعنی عیسائی ''عقیدہ تثلیث'' کہہ لیں یا نام بدل کر ''تثلیث فی التوحید'' کہہ لیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ترین ناپسندیدہ بات اور کفر ہے اور اگر کوئی اسے چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتا تو اس کو دردناک عذاب کی خبر ابھی سے سنا دی گئی ہے، لیکن ابھی بھی ایسے بندے کے پاس بہت زیادہ وقت ہے اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو خود ایک دوسرا ذریعہ (Second Option) بتا رہا ہے:

﴿اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(المائدہ: ۷۴)

''کیا یہ لوگ اللہ سے توبہ نہیں کریں گے، اور اس سے معافی نہیں مانگیں گے؟ اور اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

✓ ابھی جب تک زندگی موجود ہے، وقت ہے کہ عقیدہ تثلیث سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر کے اور معافی مانگ کر اللہ کی رحمت میں آیا جا سکتا ہے۔

اس کے بعد فرمان ہے:

﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (المائدہ : ۷۵)

''مسیح ابن مریم پیغمبر ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں۔ ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں۔ دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے۔ آپ دیکھیں کہ کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے ہیں پھر غور کیجیے کہ وہ کس طرح پھرے جاتے ہیں۔''

دیکھیں اللہ تعالیٰ دلائل سے بتا رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسول اور پیغمبر تھے۔ خود سوچیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک عورت سے پیدا ہوئے۔ دنیا کا ہر انسان عورت سے ہی پیدا ہوتا ہے (سوائے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کے)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر وہ کام کرتے تھے جو ہم انسان کرتے ہیں، ہم کھانا کھاتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ بھی کھانا کھاتے تھے، ہماری طرح وہ بھی پیاس، خوف اور ڈر محسوس کرتے تھے، ہماری طرح وہ بھی اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے اس سے مدد مانگتے تھے۔ ہماری طرح نماز پڑھتے تھے، ہماری طرح ان کو شیطان سے بھی آزمایا گیا۔ اب اگر دوسری طرف آپ دیکھیں کہ جس رب العالمین کے ساتھ ان کو آپ شریک کر رہے ہیں وہ ایسا رب ہے کہ اس کو نیند آتی ہے نہ اونگھ، نہ وہ کھانے کا محتاج ہے، نہ اس کو کسی کا ڈر ہے، نہ ہی اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ بیوی۔ وہ سب کو نواز رہا ہے۔ ہر ایک کی دعائیں پوری کرتا ہے، ہر ایک کو کھانے کو دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو بھی وہی نواز رہا تھا، وہی ان کو کھانے کو دیتا تھا اور وہی ان کی دعائیں پوری کرتا تھا، برابری کیسے ہوئی؟ صرف پولُس (St. Paul) کی باتوں میں آ کر اتنی زیادہ گمراہی اپنے پر کیوں سوار کریں؟ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنایا لیکن آپ کو بھی عقل عطا فرمائی کہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کر سکیں۔ سورۃ مریم میں اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے:

﴿وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًاo لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّاo تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّاo اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًاo وَ مَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًاo اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًاo﴾

(مریم: ۸۸تا۹۳)

"وہ کہتے ہیں کہ (اللہ) رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ یقیناً تم بہت بری اور بھاری چیز لائے ہو۔ قریب ہے کہ اس قول کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں کہ وہ رحمٰن کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے۔ رحمٰن کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ زمین اور آسمان کے اندر جو بھی ہیں۔ وہ سب کے سب اللہ کے حضور اس کے بندوں کی حیثیت سے پیش کیے جائیں گے۔"

اللہ کی خدائی میں حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا شریک قرار دینا اور اللہ کا بیٹا قرار دینا اس کے نزدیک نہایت سخت ناپسندیدہ اور اتنا بڑا جرم ہے کہ یہ کہنے کہ وجہ سے آسمان اور زمین اللہ کے عذاب کی وجہ سے پھٹ سکتے ہیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر سکتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یا کسی اور کو اللہ کا بیٹا قرار دینا اللہ تعالیٰ کی توہین کرنے کے برابر ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "کوئی ایسا نہیں جو اپنی توہین سن کر اللہ سے زیادہ برداشت کر سکے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی اولاد ہے وہ پھر بھی انھیں رزق دیتا رہتا ہے اور عافیت دے رکھتا ہے۔"

(صحیح مسلم 2804، مسند احمد 4/395)

گویا صرف اللہ تعالیٰ کے برداشت کرنے کی وجہ سے ہی لوگ اللہ کے عذاب سے بچے ہوئے ہیں لیکن یہ صرف اس دنیا کی حد تک ہے، آخرت میں عذاب سے بچنے کی واحد صورت اس عقیدے سے (عقیدہ تثلیث سے) سچے دل سے توبہ کرنے اور ہمیشہ کے لیے

اس کے واحد ہونے پر ایمان لانے میں ہی ممکن ہے۔

سورۃ النساء میں عقیدہ تثلیث کی تردید اس طرح کی گئی ہے:

﴿یَاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَ کَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْہُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًاo لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰہِ وَ لَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَ مَنْ یَّسْتَنْکِفْ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَ یَسْتَکْبِرْ فَسَیَحْشُرُھُمْ اِلَیْہِ جَمِیْعًاo﴾ (النساء: ۱۷۱تا۱۷۲)

”اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو، مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کے ایک رسول اور اس کے کلمہ (کن سے پیدا شدہ) ہیں۔ جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا، اور اس کے پاس کی روح ہیں۔ اس لیے تم اللہ اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ کہو کہ اللہ تین ہیں، اس سے باز آجاؤ اسی میں تمھارے لیے بہتری ہے۔ اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔ مسیح کو اس بات میں کوئی عار نہیں ہے کہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے اس بات کو عار سمجھتے ہیں۔ اور اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئے گا جب اللہ تعالیٰ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کرے گا۔“

بائبل میں کہیں TRINITY کا لفظ نہیں ہے۔ قرآن میں ثلٰثۃ کا لفظ موجود ہے لیکن اس حکم کے ساتھ وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ...... ”تین نہ کہو۔“

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے براہ راست عیسائیوں سے خطاب کر کے کہا ہے کہ اے اہل کتاب دین میں غلو نہ کرو۔ ''غلو'' کے معنی کسی چیز کی تائید وحمایت میں حد سے گزر جانے کے ہیں۔ یہودیوں کا جرم یہ تھا کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی مخالفت اور انکار میں حد سے گزر گئے اور انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت اور ان کے معجزانہ طور پر گود میں خطاب کرنے کو خود دیکھا۔ لیکن صرف ان کو جھٹلانے کے لیے (معاذ اللہ) ولد الزنا قرار دے دیا، اور عیسائیوں کا جرم یہ ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی عقیدت ومحبت میں حد سے گزر گئے اور انھوں نے ان کو اللہ، اللہ کا بیٹا اور اللہ کی بادشاہت میں شریک قرار دے دیا۔ اس آیت میں مسیح علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے روح کہا گیا ہے۔ اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو وہ پاکیزہ روح عطا فرمائی تھی جو بدی سے ناواقف اور راست باز تھی۔ یہی تعریف عیسائیوں کی بتائی گئی تھی لیکن انھوں نے اس کو بدل دیا۔ آج 2000 سال سے زیادہ گزر جانے کے بعد بھی عیسائی علماء اپنی خودساختہ مشکل، یعنی خودساختہ ''عقیدہ تثلیث'' کو حل کرنے میں سر کھپا رہے ہیں اور آج عیسائیوں کے بے شمار فرقے صرف اس عقیدے کی وجہ سے وجود میں آئے ہیں، ہر گروہ اس عقیدے کی نئی خودساختہ تعریف کرتا ہے ا ر دوسرے کو جھٹلاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے 1400 سال پہلے ہی اس مسئلے کا حل بتا دیا تھا کہ تین نہ کہو اور اس سے باز آجاؤ کیونکہ یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور ان کو اس بات میں کسی قسم کا انکار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی واحد معبود ہے اور اس کے سوا کوئی معبود اور کارساز نہیں نہ ہی لائق عبادت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی کسی کو اللہ کے غضب سے نجات نہیں دلا سکتے۔ اللہ رب العزت اپنی ذات وصفات، افعال اور ہر لحاظ سے بے مثال اور واحد ہے جیسا کہ سورۃ اخلاص سے ثابت ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ٥ اَللّٰهُ الصَّمَدُ٥ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ٥ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ٥﴾ (الاخلاص: 1-4)

''کہو کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے

پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔"

اس سورت سے اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے شرک کا رد فرما دیا ہے، ان کا بھی جو خدا کے وجود کے سرے سے قائل ہی نہیں، ان کا بھی جو بہت سے خداؤں کے مانتے ہیں، ان کا بھی جو خدا کی اولاد ثابت کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کا بھی رد کیا ہے جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک مانتے ہیں۔

﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾

"نہ اس سے کوئی پیدا ہوا، نہ ہی وہ کسی سے پیدا ہوا۔"

کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ نہ ہی وہ کسی سے نکلا ہے نہ ہی اس سے کوئی نکلا ہے۔ اس سے اس جھوٹے قول کی بھی تردید ہوتی ہے جو انجیل یوحنا میں حضرت مسیح علیہ السلام سے منسوب کیا گیا ہے۔

"یسوع نے ان سے کہا کہ اگر خدا تمھارا باپ ہوتا تو تم مجھ سے محبت رکھتے اس لیے کہ میں خدا سے نکلا اور آیا ہوں۔" (انجیل یوحنا 42:8)

حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انسان مجھے گالی دیتا ہے، یعنی میرے لیے اولاد ثابت کرتا ہے، حالانکہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے نہ کسی سے پیدا ہوا ہوں اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔" (صحیح بخاری تفسیر سورۃ اخلاص 4974)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب سے عقیدہ تثلیث کی تردید:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ اللہ کے منتخب کردہ جلیل القدر رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں رسولوں کے نام لے کر ان کے اور ان کی قوم کے بارے بتایا لیکن سب سے زیادہ جن رسولوں کا ذکر کیا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اس لیے کہ ان دونوں پیغمبروں کے پیروکار اس وقت دنیا میں موجود تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی تک بھی موجود ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رسولوں میں سے مؤخر الثانی ہیں، جن کی قوم میں پولس کی تعلیمات کے زیر اثر غلط عقائد (جن میں عقیدۂ تثلیث و عقیدہ کفارہ سرفہرست ہیں) فروغ پا

گئے ہیں۔ قرآن پاک جو کہ اللہ کی آخری کتاب ہے اس میں یہ بات ناممکن تھی کہ اللہ کے رسول سے جو شرک کا الزام منسوب کیا گیا ہے اس میں اس کی تردید نہ کی گئی ہو۔ چنانچہ سورۃ المائدہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب سے شرک کی تردید کا بیان ہے کہ قیامت کے دن وہ اس بات (عقیدہ تثلیث) سے قطعاً انکار کر دیں گے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہے۔

﴿وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَ لَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ٥ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ٥ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥﴾ (المائدہ: ۱۱۶ تا ۱۱۸)

"اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود بنا لو؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے یہ میرے لائق نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا تو تجھ کو علم ہوگا۔ جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے میں اسے نہیں جانتا۔ بے شک تو تمام غیبوں کا جاننے والا ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا سوائے اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا، وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمھارا رب بھی ہے، میں ان پر گواہ رہا جب تک ان میں رہا۔ پھر جب تو نے مجھ کو اٹھا لیا تو تُو ہی ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر بخش دے تو بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔"

قیامت کے دن اس سوال جواب کا مقصد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت افزائی اور ان لوگوں کے اعمال ضائع ہونے کا اعلان ہے۔ جنھوں نے محبت وعقیدت کے نام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی تھی۔ ان کو ان کے اعمال پر کسی قسم کے ثواب کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال و جواب کریں گے تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوگا کہ آپ علیہ السلام نے ایسی کوئی بات نہیں کی لیکن جھوٹی باتیں گھڑ کر ان کے ذمے لگانے والوں کو دکھانے کے لیے اللہ تعالیٰ ان کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کرے گا:

﴿یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ﴾

”اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں کو معبود قرار دے لو؟“ حضرت عیسیٰ عرض کریں گے ”تو اس بات سے پاک ہے کہ تیرا کوئی شریک ہو اور یہ بات میرے لائق نہ تھی کہ میں ایسی بات کہتا جو کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔“

کیونکہ یہ صرف اللہ کا حق ہے کہ وہ اپنی عبادت کا حکم دے۔

﴿اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ﴾

”اگر میں نے کہا ہوگا تو تجھے اس کا علم ہوگا کیونکہ تو میرے دل کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔ تمام غیب جاننے والا تو ہی ہے۔“

اس انداز سے اللہ تعالیٰ کا انتہائی ادب واحترام مقصود ہے۔

﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖ﴾

”میں نے ان سے اور کچھ نہیں کہا مگر صرف وہی جو تو نے فرمایا تھا۔“

اور وہ یہ تھا:

﴿اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیۡ وَ رَبَّکُمۡ﴾

''کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمھارا رب بھی ہے۔''

یہ قرآن کی بیان کردہ وہ حقیقت ہے جو اناجیل سے بھی ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے سوال کرنے پر یہی فرمایا تھا کہ حکموں میں سے پہلا حکم یہی ہے کہ'' اے اسرائیل! ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے'' یعنی انھوں نے اپنے سمیت سب کا رب صرف ایک ہی خدا کو قرار دیا تھا۔

﴿وَ کُنۡتُ عَلَیۡهِمۡ شَهِیۡدًا مَّا دُمۡتُ فِیۡهِمۡ فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ﴾

''میں ان پر گواہ رہا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا۔''

یعنی جب لوگوں نے مجھے صلیب پر چڑھانے اور شہید کرنے کا ارادہ کیا تو تو نے کسی اور کی صورت میرے جیسی بنا دی جس پر لوگوں نے اپنا غصہ نکال لیا اور مجھ پر رحمت فرماتے ہوئے مجھے زندہ آسمانوں پر اٹھا کر ان سے بچا لیا، اس کے بعد

﴿کُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِیۡبَ عَلَیۡهِمۡ وَ اَنۡتَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ﴾

''تو تُو ہی ان پر نگران رہا اور تو ہر چیز کی پوری خبر رکھتا ہے۔''

پھر وہ تمام معاملات کا مختار اللہ کو قرار دیتے ہوئے اور عیسائیت کا مروجہ اور خود ساختہ مذہب (پولس کا مذہب) اختیار کرنے والوں سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے فرمائیں گے

﴿اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ وَ اِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ﴾

''اگر تو ان کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔''

جس طرح اناجیل کے مطابق وہ ہر فیصلہ اللہ کی رضا کے مطابق کرتے ہیں اس طرح قرآن کے مطابق بھی وہ ہر فیصلہ خدا پر چھوڑتے ہیں اور اس کی رضا کو مدنظر رکھتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بطور نبی معجزات

جب جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی تھی تو ان کے بارے میں اسی وقت یہ بھی بتا دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجیں گے اور انھیں حکمت، تورات اور انجیل بھی سکھائیں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت کی تصدیق کے لیے معجزات عطا کیے جائیں گے جیسا کہ سورۃ آل عمران میں بیان ہے:

﴿وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ۝ وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران: ٤٨ تا ٤٩)

''اور اللہ تعالیٰ اسے لکھنا اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا۔ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا کہ میں تمھارے پاس تمھارے رب کی نشانی لایا ہوں، میں تمھارے لیے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں مادر زاد نابینا اور کوڑھی کو اچھا کردیتا ہوں اور مردوں کو زندہ کردیتا ہوں۔ اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمھیں بتا دیتا ہوں۔ اس میں تمھارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔''

ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات عطا کیے گئے ان کے ساتھ باذن اللہ ''اللہ کے حکم سے'' کا واضح طور پر بتایا گیا ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات عطا کیے گئے تھے اس میں ان کا ذاتی کمال نہیں تھا بلکہ وہ ہر معجزہ صرف اللہ کے حکم سے ہی دکھاتے تھے

اور ان آیات کے آخر میں معجزات کو عطا کرنے کا مقصد بھی بتا دیا گیا ہے کہ اس میں تمھارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔'' یعنی ایمان لانے والے تو اس سے ایمان لے آئیں گے اور جو اپنی سرکشی پر قائم رہیں گے وہ اس کو صرف جادو قرار دیں گے، جیسا کہ عموماً حق کو جھٹلانے والے کرتے ہیں۔

انجیل یوحنا (12-1:2) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پہلا معجزہ شراب بنانے کا قرار دیا گیا ہے، جس کی قرآن مجید کے ان معجزات کی تفصیل بتا دینے سے نفی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ نبی کے شایان شان یہ بات ہرگز نہیں ہوتی کہ وہ اپنی صداقت کے لیے لوگوں کو حرام چیزیں بنا کر دکھائے۔ ایک سچے نبی کو اپنی سچائی کا ثبوت دینے کے لیے یا اس کو ظاہر کرنے کے لیے ایسی خرافات کا مظاہرہ کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ نبی تو خود حرام چیزوں کی مخالفت کرتا ہے اس لیے بھی وہ ایسا کام کبھی نہیں کرسکتا۔ شراب تو تورات میں بھی حرام قرار دی گئی ہے (کتابِ احبار 8:10، کتابِ قضاۃ 4:13) تو جو نبی انجیل کے ساتھ ساتھ تورات کی تعلیم بھی دیتا ہو، وہ کیسے خود اس کے احکام پر عمل نہیں کرے گا؟ کیونکہ وہ خود عمل کرے گا تو ہی اپنے ماننے والوں کی اس کی تعلیم دے گا اور ان سے تعلیمات پر عمل کرائے گا۔ انجیل متی (17:5) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''یہ نہ سمجھو کہ میں نبیوں کی کتابوں منسوخ کرنے آیا ہوں، منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔''

اس لیے ظاہر ہے انھوں نے تورات کی تعلیم دی اور حرام شراب کو حلال قرار نہیں دیا، اس لیے وہ شراب بنانے کا معجزہ بھی نہیں دکھا سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی تفصیل یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح کے غلط ترین الزامات سے بری کرنے کے لیے دی ہوگی۔ معجزات پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار لوگوں کو دکھانے کے لیے عطا کیے جاتے ہیں۔ بائبل میں بھی بہت سے انبیاء کے معجزات کا ذکر ہے۔

معجزات کی خاص بات یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں جو چیز عروج پر ہوتی ہے

وہی معجزہ کے طور پر انبیاء کو عطا فرمائی لیکن اس میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو جو بھی معجزہ عطا فرمایا وہ اس دور کے مطابق تو تھا لیکن انسانوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضاء اور لاٹھی کا معجزہ عنایت فرمایا، کیونکہ ان کے دور میں جادو اپنے عروج پر تھا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکا۔ جادوگروں کی رسیاں سانپ بنیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اژدھا بن کر ان کو نگل گئی۔ لاٹھی کے ذریعے انھوں نے سمندر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ جادوگر چونکہ جادو کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتے تھے اس لیے وہ فرعون کی قتل کی دھمکی کے باوجود ایمان لے آئے اور جادو سے توبہ کر لی کیونکہ وہ حق کو پہچان گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ایسا ہونا ناممکن ہے۔ (سورۃ طٰہٰ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں طب اپنے عروج پر تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو دنیا کا کوئی بھی ڈاکٹر خواہ وہ کس اعلیٰ درجے کی ڈگری حاصل کر لے ان کے جیسے کام نہیں کر سکتا تھا۔ مادر زاد نابینا کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے بینائی عطا فرما دیتے تھے اور برص کے مریضوں کو بھی اللہ کے حکم سے شفاء عطا فرماتے تھے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے مردوں تک کو زندہ کر دیتے تھے۔ سائنس و طب کتنی ہی ترقی کر لیں یہ سب معجزات ان کے لیے ممکن نہیں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اپنے نبی کی تصدیق کے لیے ان کو عطا فرمائے۔ اس زمانے کے لوگ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری بھی ان کو اللہ کا نبی ہی بیان کرتے تھے۔

(کتابِ اعمال 22:2، 21:11، انجیل لوقا 7:13-16)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دور شعر و ادب اور فصاحت و بلاغت کا دور تھا۔ عرب باقی دنیا کو اپنے سامنے عجم یعنی گونگا کہتے تھے، لیکن قرآن پاک نے ان کی زبانوں کو ایسا بند کیا کہ وہ لوگ جن کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بہت ناز تھا۔ قرآن کے چیلنج کے باوجود اس جیسا قرآن تو کیا اس جیسی ایک سورت بھی نہیں بنا کر لا سکے۔ صرف یہی نہیں آج 1400 سال کے بعد بھی یہ چیلنج ان سب لوگوں کے لیے بھی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہیں لاتے

اور قرآن کو کلام الٰہی ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ وہ اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر لے آئیں جو وہ فرمان الٰہی کے مطابق انشاء اللہ ہرگز نہیں کر سکیں گے تو ان کی عافیت اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی کریم ﷺ پر بطور نبی ایمان لا کر خود کو آگ کے عذاب سے بچا لیں۔ وہاں کسی پوپ کا دیا ہوا مغفرت نامہ کام نہیں آئے گا کیونکہ پوپ حضرات کو خود اپنی پڑی ہوگی اور وہ خود کسی بھی چیز پر قادر نہیں ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی حضرت محمد ﷺ کی بشارت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں آخری نبی تھے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانیوں، انبیاء کو جھٹلانے اور ناحق قتل کرنے کی وجہ سے ان سے نبوت اور زمین پر دین الٰہی کی امامت ان سے چھین کر بنی اسماعیل کو عطا فرما دی گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے کی خبر اپنی قوم کو سنائی اور ان کا نام بھی بتایا۔

﴿وَاِذۡ قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۝ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُوَ يُدۡعٰۤى اِلَى الۡاِسۡلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ يُرِيۡدُوۡنَ لِيُطۡفِئُوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ ۝﴾ (الصف : ٦ تا ٨)

''اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ (اے میری قوم) بنی اسرائیل! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں اور اپنے سے پہلے آنے والی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنے بعد آنے والے رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جن کا نام احمد ہے۔ پھر جب وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں

دیتا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں، اور اللہ اپنے دین کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافروں کو ناگوار گزرے۔''

انجیل یوحنا (14-4:16) میں یہ خبر اب بھی موجود ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت دی تھی۔ عربی تراجم مطبوعہ لندن 1821ء، 1831ء اور 1841ء میں اس نبی کے نام کی جگہ فارقلیط لکھا ہے جو یونانی لفظ ''پیر کلی طوس'' سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ ''پیر کلی طوس'' درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ''احمد'' کا ہی ترجمہ ہے۔ عیسائی علما کے نام بدلنے کی عادت کا بائبل کے مطالعے میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے لیکن مختصراً اس کی تصدیق کے لیے کتابِ اعمال (8:13،36:9) کا حوالہ ہی کافی ہے جہاں ناموں کے ساتھ باقاعدہ یہ لکھا ہوا ہے کہ ''اس نام کا ترجمہ یہی ہے۔'' (اردو پروٹسنٹ بائبل لاہور 1990)

اپنی نافرمانی اور جھٹلانے کی عادت کی وجہ سے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ''احمد'' کو ''پیر کلی طوس''، اس سے ''فارقلیط'' اور پھر ''شفیع و مددگار'' میں بدل دیا کیونکہ وہ تصدیق نہ کر کے اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہنا چاہتے ہیں اور اپنے ساتھ عوام کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا اور اپنا پسندیدہ دین اسلام دنیا میں غالب کر کے رہے گا خواہ کافروں کو کتنا ناگوار گزرے۔ (سورۃ توبہ: 32-33۔ سورۃ صف: 8-9) کیونکہ وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے اس لیے وہ جو چاہے گا وہی ہوگا کسی دوسرے کے چاہنے سے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بدلنے کی ناپاک جسارت کرنے سے اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ کامیاب ہے، کچھ نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ایسے لوگوں کی غلط فہمی ہے اور ان کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے کیونکہ ایسا کر کے وہ درحقیقت یہ بتا رہے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح جانتے اور مانتے ہیں، یقیناً ان کا ہر کچھ عرصہ بعد نام کا ترجمہ بدلنا یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ اچھی طرح جاننے، ماننے اور ان کو پہچاننے کے باوجود صرف جھٹلا ہی رہے ہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت

ہوں۔“ (مسند احمد 262/5)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میں دنیا اور آخرت میں عیسیٰ علیہ السلام سے قریب تر ہوں۔ تمام نبی آپس میں پدری بھائی ہیں۔ ان کی مائیں جدا جدا مگر دین سب کا ایک ہے۔“ (صحیح بخاری احادیث الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ 3443، وصحیح مسلم باب فضائل عیسیٰ علیہ السلام حدیث 2368)

یعنی جس طرح سوتیلے بھائیوں کا باپ ایک ہوتا ہے اور مائیں جدا جدا ہوتی ہیں اسی طرح تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ایک ہوتا ہے جو توحید، رسالت، قیامت، فرشتوں اور جنت دوزخ پر ایمان اور سچ، دیانت داری، پاک دامنی اور اخلاق حسنہ وغیرہ پر مشتمل ہے، البتہ شریعتیں سب کی الگ الگ ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمانے کے حساب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قریب ہیں۔

ایک اور روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو نصیحت کی کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول اور بندہ ماننے کی بجائے انھیں اللہ کا شریک اور بیٹا قرار دیا وہ ایسا کبھی نہ کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

”مجھے ایسا نہ بڑھاؤ جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا کیونکہ میں تو اللہ کا بندہ ہوں۔ بلکہ تم یوں کہا کرو کہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔“ (صحیح بخاری احادیث الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ حدیث 3445، مسند احمد 47/1)

حضرت عیسیٰ کا عروجِ آسمانی

جب یہودیوں کی چغلیوں اور سازشوں سے بادشاہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بحفاظت آسمان پر اٹھا لیا۔ سورۂ آل عمران میں اس واقعہ کے بیان میں فرمان الٰہی ہے:

﴿وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ (آل عمران : ٥٤)

"اور وہ (یہود قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے اور اللہ تعالیٰ نے بھی (حضرت عیسیٰ کو بچانے کے لیے ایک) تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔"

جبکہ عیسائی آج تک اس غلط عقیدے پر قائم ہیں کہ ان کے نبی کو صلیب پر چڑھا دیا گیا تھا۔ سورۃ النسآء میں اس واقعہ کو بیان کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں بلکہ ان کے ہم شکل کو صلیب پر چڑھایا تھا اور یہ کہ انھیں اس بات کا کوئی یقین نہیں ہے بلکہ وہ محض اس بات کو شک کی وجہ سے بیان کر رہے ہیں۔ یہ بات عقیدہ کفارہ کے باب میں دلائل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دینے کا کوئی ثبوت نہیں ہے محض شک و اشتباہ کی وجہ سے مختلف کہانیاں گھڑ لی گئی ہیں جس سے قرآن پاک کے بیان کی سو فیصد تصدیق ہوتی ہے۔ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًاۢo بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًاo﴾

(النساء: ۱۵۷ تا ۱۵۸)

"اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا، حالانکہ نہ تو انھوں نے اسے قتل کیا نہ سولی چڑھایا بلکہ ان کے لیے ان (عیسیٰ) کا شبیہ بنا دیا گیا تھا۔ یقین جانو کہ عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں۔ انھیں اس کا کوئی یقین نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے، اتنا یقینی ہے کہ انھوں نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کی فضیلت

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا دوسرا کوئی خدا نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے مریمؑ کی پہنچایا اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں۔ اور جنت برحق ہے اور جہنم بھی برحق ہے (یعنی موجود ہیں) تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا، خواہ اس کے عمل کیسے ہی (معمولی) کیوں نہ ہوں۔"

(صحیح بخاری احادیث الانبیاء باب قولہ تعالیٰ حدیث 3435، صحیح مسلم کتاب الایمان، باب الدلیل حدیث 28)

تمام روحیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے خاص طور سے علیحدہ ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں خلاف عادت اپنے کلمہ "کن" سے پیدا کیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے والے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ کے رسول اور بندے کی حیثیت سے ایمان لانے والے کے لیے جو کہ اس کے بعد حضرت محمد ﷺ پر بھی اللہ کے رسول اور بندے ہونے کی حیثیت سے ایمان لائے، اس کو جنت کی خوشخبری سنائی ہے۔ اگر ایسے شخص کے نیک اعمال تھوڑے یا معمولی ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس ایمان لانے کی وجہ سے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب ایک آدمی اپنی لونڈی کی اچھی تربیت کرے، اسے اچھی تعلیم دے، پھر اسے آزاد کر کے اس نے نکاح کر لے اسے دو ثواب ملتے ہیں۔ اور جب ایک آدمی عیسیٰ بن مریمؑ پر ایمان لائے، پھر مجھ پر بھی ایمان لائے اسے بھی دو ثواب ملتے ہیں اور جب ایک غلام اپنے رب سے ڈرتا رہے۔ (گناہوں سے بچتا رہے) تو اسے بھی دو ثواب ملتے ہیں۔"

(صحیح بخاری احادیث الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ حدیث 3446، صحیح مسلم کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمدؐ، حدیث 154)

یعنی ان تمام لوگوں کو دوگنا ثواب یا دو طرح کے نیک اعمال کا ثواب ملتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی قیامت کی علامات میں سے ہے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں دوبارہ آمد قیامت کی نشانیوں میں سے ہے جیسا کہ پہلے سورۃ آل عمران میں آیات نمبر 157-158 کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ اٹھالیا گیا تھا۔ عیسائی حضرات بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی دنیا میں دوبارہ آمد پر یقین رکھتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ﴾ (الزخرف: ۶۱)

"اور بے شک وہ (حضرت عیسیٰؑ) قیامت کی علامت ہیں۔ پس تم قیامت کے آنے میں شک نہ کرو اور میری تابعداری کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔"

اس آیت میں "إِنَّهُ" سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔ یہی بات صحیح احادیث سے بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب دنیا میں واپس تشریف لائیں گے۔ امام مہدی نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور امام مہدی کی امامت میں نماز ادا کریں گے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے ثابت ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

"میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کے لیے لڑتا رہے گا، وہ گروہ قیامت تک حق پر غالب رہے گا، جب عیسیٰؑ آسمان سے نازل ہوں گے تو اس گروہ کا امام کہے گا۔ آیئے نماز پڑھایئے (عیسیٰؑ سے کہے گا) وہ کہیں گے نہیں تم خود ہی آپس میں ایک دوسرے کے امام ہو۔ یہ وہ بزرگی ہے جو اللہ تعالیٰ عطا فرما دے گا اس

امت کو۔'' (صحیح مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام)

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو نماز کا وقت ہوگا اور جماعت کھڑی ہونے والی ہوگی تو مسلمانوں کے اس وقت کے موجود امیر امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کریں گے کہ آ کر مسلمانوں کو نماز پڑھائیں، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہ درخواست پیغمبر ہونے کی وجہ سے کریں گے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے کہیں گے کہ تم میں سے ایک دوسرے کا امام ہے اور یہ اقامت آپ کے لیے ہوئی ہے اور امامت نہیں کرائیں گے اور امام مہدی کی امامت میں پہلی نماز پڑھیں گے۔ ایسا اس لیے ہوگا کہ وہ گرچہ قرآن و حدیث کی رُو سے پیغمبر تو ہیں لیکن جب وہ دنیا میں میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے۔ کیونکہ ان کی پیغمبری کا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت سے ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شریک ہوکر قرآن وسنت کے مطابق عمل کریں اور کروائیں گے۔ اور یہ امت محمدیہ کے لیے یقیناً بہت زیادہ بڑے اعزاز کی بات ہے کہ اللہ کے ایک جلیل القدر پیغمبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے دنیا میں تشریف لائیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس رات مجھے معراج کا شرف حاصل ہوا میری ملاقات (حضرت) موسیٰ سے بھی ہوئی'' پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا'' چھریرے بدن والے، سیدھے بالوں والے جیسے قبیلۂ شنوہ کے لوگ ہوتے ہیں'' پھر فرمایا اور میری ملاقات (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ہوئی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا'' درمیانہ قد، سرخ فام، گویا ابھی حمام سے تشریف لائے ہیں اور میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی ہوئی آپ علیہ السلام کی اولاد میں آپ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا میں ہوں۔'' (صحیح بخاری احادیث الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ حدیث 3437)

حضرت عبداللہ بن عمر سے اسی طرح کی ایک اور حدیث روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میں نے (شب معراج) عیسیٰؑ، موسیٰؑ اور ابراہیمؑ کو دیکھا، (حضرت) عیسیٰؑ سرخ رنگ اور گھٹے ہوئے بدن اور چوڑے سینے والے ہیں اور (حضرت) موسیٰؑ گندمی رنگت، دراز قد اور سیدھے بالوں والے ہیں گویا قبیلۂ (زط) ''جاٹ'' قوم سے ہوں۔''

(صحیح بخاری، احادیث الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ حدیث 3438)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث اس طرح روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن لوگوں کے سامنے مسیح دجال کا ذکر کیا تو فرمایا:

''اللہ تعالیٰ یک چشم (کانا) نہیں ہے اور مسیح دجال کانا ہے داہنی آنکھ کا، اس کی کانی آنکھ جیسے پھولا انگور۔ اور آج رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کعبے کے پاس ہوں۔ اچانک ایک گندمی رنگت کا آدمی نظر آیا۔ اس کی گندمی رنگت انتہائی خوبصورت تھی۔ اس کے بال کندھوں تک تھے، بال سیدھے تھے، سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ وہ دو آدمیوں کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں، بتایا گیا یہ مسیح بن مریمؑ ہیں۔ اور ان کے پیچھے پیچھے میں نے ایک اور شخص کو دیکھا جس کے بال انتہائی گھنگریالے تھے۔ داہنی آنکھ سے کانا تھا۔ میں نے جو لوگ دیکھے ہیں ان میں اس کی شکل سب سے زیادہ ابن قطن سے ملتی ہے، وہ بھی دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب ملا، مسیح دجال ہے۔'' (صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال حدیث 7128، صحیح مسلم کتاب الایمان، باب ذکر المسیح ابن مریم علیہ السلام حدیث 169)

اس وقت مسلمان اور عیسائی دونوں قومیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ دنیا میں آنے پر

یقین رکھتی ہیں اور دونوں کا اس بات پر بھی یقین ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے آنے سے پہلے مسیح الدجال (Anti Christ) آئے گا۔ یہودی ایک ''مسیح'' کے آنے کے منتظر تھے لیکن جب حضرت مسیح علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے تو یہود نے انھیں جھٹلایا اور انھیں سولی پر چڑھانے کے لیے سازشیں کیں، جنھیں اللہ نے اپنی رحمت سے ناکام بنا دیا۔ اس لیے یہودیوں کے نزدیک ''مسیح'' کی جگہ ابھی تک خالی پڑی ہے۔ اس لیے ان میں سے ہی کوئی یہودی کھڑا ہوکر مسیح ہونے کا دعویٰ کرے گا، جیسا کہ سولہویں صدی میں یہودیوں کو ایک شخص کے بارے میں یقین ہوگیا تھا کہ یہ مسیح ہے اور بہت جلد اعلان کرنے والا ہے لیکن سلطنت عثمانیہ نے اسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا اور یہود دیکھتے رہ گئے، اس بارے میں کتاب ''The History of God'' بہت اہم ہے۔ اس کی مصنفہ نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یہودیوں کی پوری تاریخ میں اس سے زیادہ محبوب اور ہر دلعزیز شخص نہیں گزرا۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ایک اور شخص کا امریکہ میں انتقال ہوا ہے جس کے بارے میں انھیں امید تھی کہ وہ مسیح ہے اور جلد اعلان کرنے والا ہے لیکن وہ مرگیا۔ لیکن یہ بات حتمی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں دوبارہ آنے سے پہلے ایک جھوٹا، فریبی مسیح، مسیح الدجال ضرور آئے گا۔ یہودیوں نے عیسائیوں کو یقین دلایا ہے کہ وہ مسیح الدجال مسلمانوں میں سے ہوگا لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ مسلمان تو حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں اسی لیے احادیث میں دونوں مسیحوں کے حلیے واضح طور پر بتا دیئے گئے ہیں۔ ایک سچا ہدایت والا مسیح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرا گمراہی والا مسیح، مسیح الدجال، تاکہ جب اللہ کے نبی حضرت مسیح علیہ السلام ظاہر ہوں تو مومنین ان کو پہچان کر ان پر ایمان لے آئیں اور جب مسیح الدجال (Anti Christ) ظاہر ہو تو اس کو پہچان کر اس سے بچ سکیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ جب دجال فتنہ پیدا کرنے کے لیے ظاہر ہوگا تو مکہ اور مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔

(صحیح مسلم کتاب الفتن، باب قصۃ الجساسۃ)

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں سے نازل ہونے کے بعد

مسلمانوں کے ساتھ مل کر دجال اور اس کے لشکر کے خلاف جہاد کریں گے جس میں مسلمانوں کو فتح ہوگی۔ حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب اللہ تعالیٰ مسیح بن مریمؑ کو بھیجے گا تو وہ دمشق کے مشرقی حصہ میں (مسجد کے) سفید مینار کے پاس اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے اتریں گے، جب (حضرت) عیسیٰؑ اپنا سر جھکائیں گے تو ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپکیں گے (جیسے ابھی ابھی غسل کیا ہو) جب اپنا سر اٹھائیں گے تو چاندی کے موتیوں کی طرح (سفید) قطرے ان کے بالوں سے ڈھلکتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ان کے سانس کی ہوا جس جس کافر تک پہنچے گی وہ مر جائے گا۔ حضرت عیسیٰؑ کے سانس کا اثر وہاں تک پہنچے گا جہاں تک ان کی نگاہ پہنچے گی۔ (آسمان سے نازل ہونے کے بعد) (حضرت) عیسیٰؑ دجال کو تلاش کریں گے اور لُد کے مقام پر اسے قتل کریں گے۔"

(صحیح مسلم کتاب الفتن واشراط الساعۃ باب ذکر الدجال)

آج کل "لُد" کے مقام پر اسرائیل کا ایئر پورٹ موجود ہے اسرائیل کے قیام سے پہلے یہاں ایک گاؤں آباد تھا۔ دجال چونکہ یہودیوں میں سے ہوگا، اس لیے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو وہ "لُد" کے مقام سے بھاگنے کی کوشش کرے گا، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر دجال کے خلاف جہاد کرنے والے مسلمانوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میری امت کی دو جماعتوں کو اللہ تعالیٰ آگ سے محفوظ فرمائے گا، ایک وہ جماعت جو ہندوستان کے خلاف جہاد کرے گی، اور دوسری وہ جماعت جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ مل کر (دجال کے خلاف) جہاد کرے گی۔"

(نسائی کتاب الجہاد، باب غزوۃ الھند 2975/2)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ مسلمان کی حیثیت سے تشریف لائیں گے اس لیے وہ عمرہ یا حج یا حج قرن ادا کریں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، عیسیٰ بن مریم علیہ السلام روحا کی گھاٹی سے حج یا عمرہ یا حج قرن کے لیے لبیک کہیں گے۔''

(صحیح مسلم، کتاب الحج، باب اہلال النبی وھدیہ)

روحاء مدینہ منورہ سے تقریباً 50 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدی کے مطابق چلیں گے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیں گے جیسا کہ صحیح مسلم کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قسم ہے اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، البتہ قریب ہے جب اتریں گے عیسیٰ بن مریمؑ تم لوگوں میں اور حکم کریں گے اس شریعت کے مطابق اور انصاف کریں گے اور توڑ ڈالیں گے صلیب، اور مار ڈالیں گے خنزیر کو اور موقوف کر دیں گے جزیہ اور بہت دیں گے مال یہاں تک کہ اس کو کوئی نہیں لے گا۔'' (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل کریں گے اس کو تبدیل نہیں کریں گے اور جزیہ موقوف کرنے سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں اسلام کے غلبے تک جہاد کریں گے۔ غیر مسلم اقوام یا تو اس میں اسلام قبول کر لیں گی یا اس جہاد میں قتل ہو جائیں گی۔ یہودی چونکہ پہلے ہی دجال کی طرف سے لڑ رہے ہوں گے اس لیے وہ جہاد میں مار دیے جائیں گے۔ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں جنھوں نے صلیب پر ان کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے جان دی ہے (گلیتوں)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود آ کر صلیب توڑ دیں گے اور فرمائیں گے نہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، نہ ہی انھوں نے صلیب پر جان دی ہے اور نہ ہی وہ کسی کے گناہوں کا کفارہ بنے۔ عیسائیوں کا یہ

بھی عقیدہ ہے کہ سؤر ان کی شریعت میں حلال ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو بھی مار ڈالیں گے اور بتائیں گے کہ انھوں نے سؤر کو حلال نہیں کیا۔ پھر عیسائی مسلمان ہو جائیں اور جو نہیں ہوں گے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے خلاف بھی جہاد کریں گے، یہاں تک کہ باقی سب دین مٹ جائیں گے، صرف اسلام ہی رہ جائے گا۔ اس لیے کسی دوسری قوم سے جزیہ لینے کا جواز ختم ہو جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مسلم کے اسی باب کی حدیث میں اس چیز کا اضافہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں لوگ جوان اونٹ چھوڑ دیں گے یعنی اس پر کوئی محنت نہیں کرے گا اور نہ ہی اس سے کوئی کام لے گا اور لوگوں کے دلوں سے بغض اور کینہ جاتا رہے گا اور چونکہ یہ دور قیامت سے قریب تر ہوگا اس لیے کسی کو مال و دولت کی محبت نہیں ہوگی نہ ہی کوئی ان کو لینا قبول کرے گا۔ سب کو آخرت کی فکر ہوگی اور وہ آپس میں پیار و محبت سے رہیں گے۔ ایک اور حدیث کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر دوبارہ آنے کے بعد شادی بھی کریں گے اور ان کی اولاد بھی ہوگی اور وصال کے بعد وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عیسیٰ بن مریمؑ زمین پر نازل ہوں گے، شادی کریں گے، ان کی اولاد ہوگی، پینتالیس (45) سال زندہ رہیں گے، پھر فوت ہوں گے اور میری قبر میں میرے ساتھ ہی دفن ہوں گے (قیامت کے روز) میں اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اکٹھے ابو بکر اور عمر کے درمیان سے اٹھیں گے۔"

(مشکوٰۃ المصابیح، للبانی، الجزء الثالث حدیث 5508)

عظمت اسلام فی القرآن و بائبل

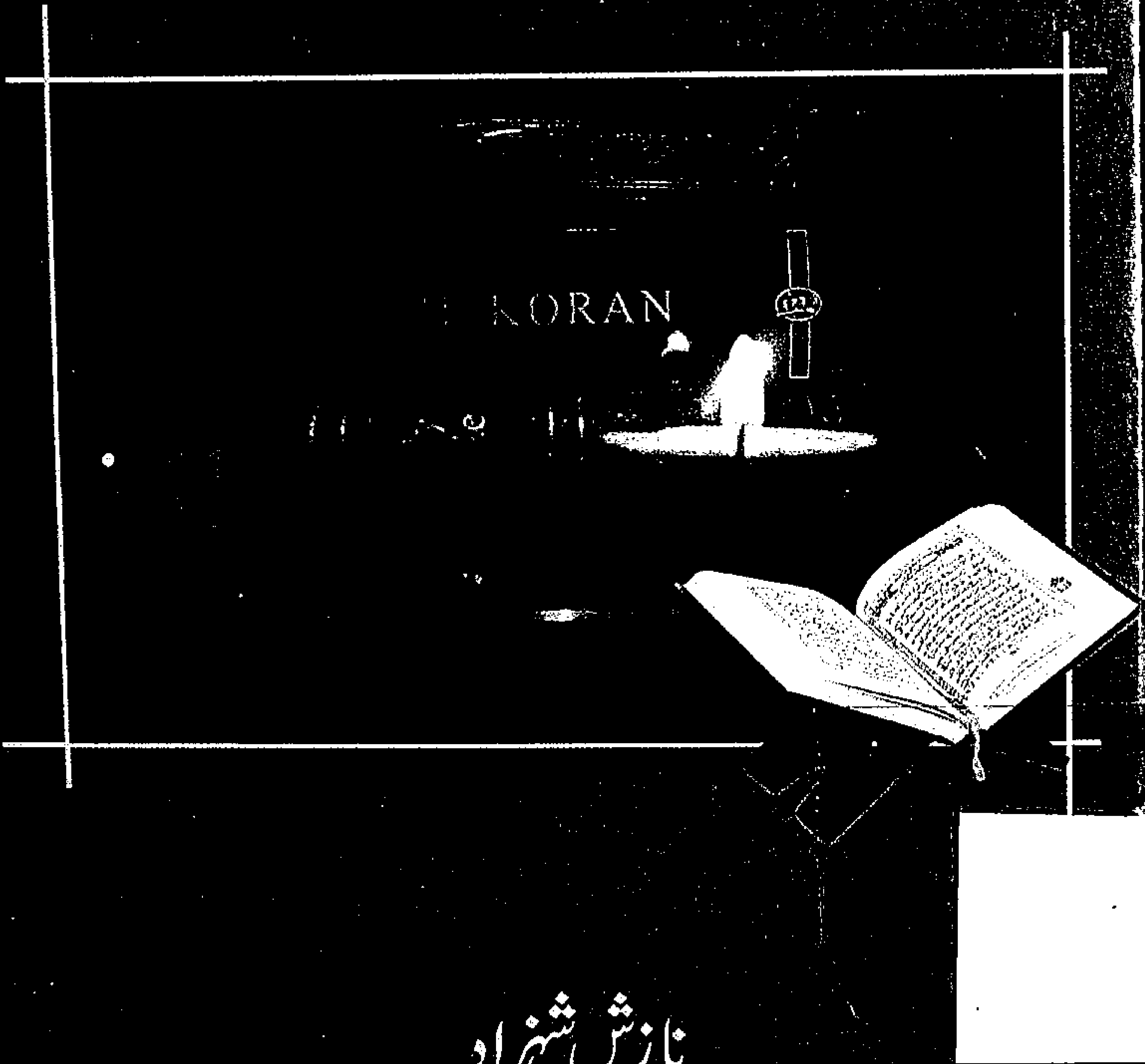

نازش شہزاد